ہندوستان میں پہلی بار ملت اسلامیہ کے لیے روح پرور اور نشاط انگیز ارمغان محافل میلاد میں بیان کی جانے والی حدیثِ نور اور حدیثِ نفی سایہ اپنی صحیح سندوں کے ساتھ منظر عام پر جگمگانے لگیں۔

کی پہلی جلد کے دس گم گشتہ ابواب

مصنف عبد الرزاق

جلیل القدر حافظ الحدیث امام ابوبکر عبد الرزاق بن ہمام صنعانی یمنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ولادت: ۱۲۶ھ
وفات: ۲۱۱ھ

ترتیب وجدید پیش کش

محمد راحت خان قادری ناظم اعلیٰ، دار العلوم فیضان تاج الشریعہ، بریلی شریف

المکتب النور

شکار پور چودھری، نزد فریدہ پور، ایرفورس گیٹ، عزّت نگر، بریلی شریف

(M) 9457919474 E-mail: mrkmqadri@gmail.com



تقسیم کار

برکاتی بک ڈپو، نومحلہ مسجد، بریلی شریف 9412605880, 9634786652

ملت اسلامیہ کے لیے روح پرور اور نشاط انگیز ارمغان محافلِ میلاد میں
بیان کی جانے والی حدیثِ نور اور حدیثِ نفی سایہ اپنی صحیح سندوں
کے ساتھ منظر عام پر جگمگانے لگیں۔

مصنَّف عبد الرزاق

کی پہلی جلد کے دس گم گشتہ ابواب

از: جلیل القدر حافظ الحدیث امام ابوبکر عبد الرزاق بن ہمام
صنعانی یمنی

امام اعظم ابوحنیفہ اور امام مالک کے شاگرد امام احمد بن حنبل کے استاذ امام بخاری اور مسلم کے
استاذ الاستاذ (رحمهم الله تعالیٰ) (ولادت: ۱۲۶ھ۔۔۔وفات: ۲۱۱ھ

ترجمہ وتقدیم:
شیخ الحدیث علامہ محمد عبد الحکیم شرف قادری علیہ الرحمہ، لاہور پاکستان

ناشر:

المکتب النور
شکار پور چودھری، ایرفورس گیٹ عزت نگر، بریلی شریف

نام : مصنَّف عبدالرزاق کے دس گم گشتہ ابواب

تصنیف : امام عبدالرزاق صنعانی یمنی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

تقدیم و تحقیق : ڈاکٹر عیسیٰ مانع حمیری مدظلہ العالی سابق ڈائریکٹر محکمہ اوقاف، دبئی

تقریظ : ڈاکٹر محمود سعید ممدوح مدظلہ العالی، دبئی

ترجمہ و پیش لفظ : شیخ الحدیث علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری، لاہور

ترتیب جدید و پیش کش : مفتی محمد راحت خان قادری ناظم اعلیٰ، دارالعلوم فیضان تاج الشریعہ، شکار پور چودھری، ایرفورس گیٹ عزت نگر، بریلی شریف

صفحات : 350

سن اشاعت : صفر المظفر ۱۴۳۶ھ مطابق دسمبر ۲۰۱۴ء

تعداد : ایک ہزار

ناشر : المکتب النور شکار پور چودھری، ایرفورس گیٹ عزت نگر، بریلی شریف

فہرست

حامداً و مصلیاً و مسلماً

تقریظ

مفکر اسلام حضرت مفتی محمد سلیم صاحب قبلہ بریلوی

مدیر اعزازی ماہنامہ اعلیٰ حضرت وشیخ الادب جامعہ رضویہ منظر اسلام بریلی شریف

تمام علمائے اہل سنت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اللہ رب العزت نے سب سے پہلے اپنے نور سے پیارے آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نور کو پیدا فرمایا۔ اس سلسلہ میں جب سیدی سرکار اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ العزیز سے سوال ہوا تو آپ نے ''مصنف عبدالرزاق'' کے حوالہ سے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی وہ حدیث پاک نقل فرما کر کہ جو اہل سنت کے درمیان ''حدیث نور'' کے نام سے مشہور ہے یہ ثابت فرمایا کہ حقیقت یہی ہے کہ یہ حدیث پاک سنداً اور متناً قابل قبول، حسن صالح اور معتمد ہے۔ اس سلسلہ میں سرکار اعلیٰ حضرت نے مستقل ایک رسالہ ''صلاۃ الصفاء فی نور المصطفی'' بھی تحریر فرمایا جو فتاوی رضویہ مترجم کی ۳۰ رویں جلد میں شامل ہے۔ حدیث نور کو نقل فرما کر آپ نے یہ تصریح فرمائی ہے کہ اس حدیث پاک کو امام عبدالرزاق کے علاوہ امام بیہقی، امام قسطلانی، امام ابن حجر مکی، علامہ فاسی، علامہ زرقانی، علامہ دیار بکری خمیس اور شیخ محقق علامہ عبدالحق محدث دہلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہم جیسے جلیل القدر ائمہ متقدمین ومتاخرین نے بھی اپنی اپنی تصانیف میں نقل فرمایا ہے۔ ساتھ ہی سرکار اعلیٰ حضرت نے اس حدیث پاک کا سنداً مقام متعین کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

''بالجملہ وہ (حدیث نور) تلقی امت بالقبول کا منصب جلیل پائے ہوئے ہے تو بلا شبہ حدیث حسن صالح، مقبول، معتمد ہے۔ تلقی علماء بالقبول وہ شئ عظیم ہے جس کے بعد ملاحظۂ سند کی حاجت نہیں رہتی بلکہ سند ضعیف بھی ہو تو حرج نہیں کرتی۔''

اس کے متن کی مختلف طریقوں سے توجیہات وتوضیحات اور تشریحات وتصریحات فرمانے کے بعد اس کے متن پر یوں حکم لگاتے ہیں:

''ہاں اسے (خلق قبل الاشیاء نور نبیک من نورہ) باعتبار کنہ کیفیت متشابہات سے کہنا وجہ صحت رکھتا ہے۔ واقعہ نہ رب العزت جل وعلا، نہ اس کے رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہمیں بتایا

کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نور سے نور مطہر سید انور ﷺ کیونکر بنایا۔ نہ بے بتائے اس (**خلق قبل الاشیاء نور نبیک من نورہ**) کی پوری حقیقت ہمیں خود معلوم ہوسکتی ہے اور یہی معنیٔ متشابہات ہیں۔''

گستاخان نبی کی یہ عادت ہے کہ ہر وہ آیت، حدیث، روایت اور قول صحابی و اسلاف کہ جس سے رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عظمت و رفعت ثابت ہوتی ہے یا تو اس کی غلط تفسیر و تاویل کریں گے یا سرے سے اس روایت ہی کا انکار کرڈالیں گے بلکہ حد تو یہ ہے کہ فضائل نبی پر مشتمل احادیث کریمہ تک کو انہوں نے تحقیق کے نام پر شاطرانہ انداز میں متقدمین کی کتابوں تک سے نکال ڈالا چنانچہ ان کے اس قابل مذمت، گھناؤنی تحقیق اور اس شاطرانہ جرم سے ''مصنف عبدالرزاق'' میں درج یہ حدیث نور بھی محفوظ نہ رہ سکی چنانچہ انہوں نے مصنف کے موجودہ نسخوں سے اس حدیث پاک کو حذف کرنے کے بعد یہ پروپیگنڈہ کرنا شروع کردیا کہ یہ حدیث نور جس کو سنیوں کے ''مجدد و امام (اعلیٰ حضرت امام احمد رضا) نے مصنف عبدالرزاق کے حوالہ سے نقل کیا ہے وہ سرے سے مصنف کے کسی نسخہ میں ہے ہی نہیں''۔

ظاہر سی بات ہے کہ یہ ہم سنی بریلوی مسلمانوں کے لئے بہت بڑا چیلنج تھا کہ ہم سرکار اعلیٰ حضرت کے دیئے ہوئے ''حوالۂ مصنف'' کی حقیقت و واقعیت کو ثابت کرکے اعلیٰ حضرت کی ذات گرامی کو اس الزام سے بچاتے۔ اللہ رب العزت میرے مرشد گرامی امین ملت حضرت سید امین میاں صاحب قبلہ دامت برکاتہم القدسیہ اور خانقاہ برکاتیہ کے وفادار اور جاں نثار مرید و عقیدت مند الحاج محمد رفیق برکاتی کو دونوں جہان کی سعادتیں عطا فرمائے کہ جن کی گراں قدر کوششوں سے مصنف عبدالرزاق کا گم شدہ وہ نسخہ مل گیا کہ جس میں یہ حدیث جابر بن عبداللہ اپنی تمام تر نورانیت و جلوہ سامانیت کے ساتھ موجود تھی چنانچہ انہیں بزرگوں کی فرمائش پر ڈاکٹر شیخ عیسیٰ مانع حمیری سابق ڈائریکٹر محکمۂ اوقاف و امور اسلامیہ، دبئی نامی عصر حاضر کے ایک عظیم عربی محقق نے اس گم شدہ نسخہ کو تحقیق و تخریج کے مراحل سے گزار کر اہل سنت و جماعت پر ایک عظیم احسان فرمایا۔ حضرت مولانا عبدالحکیم شرف قادری علیہ الرحمہ کا بھی اس سلسلہ میں جماعت اہل سنت پر کم احسان نہیں کہ جنہوں نے اس گم شدہ محقق نسخہ کو اپنے گراں قدر اس مقدمہ سے مزین کرکے مکتبہ قادریہ لاہور سے شائع کرایا کہ جس مقدمہ میں انہوں نے مصنف عبدالرزاق کی پوری تاریخ، علمائے اہل سنت کا قبول عام اور وہابیہ و دیابنہ کے تمام اعتراضات، پروپیگنڈے اور جعل سازیوں کو نہایت ہی وضاحت کے ساتھ تحریر فرمایا ہے۔

اب تک مصنف کے اس گم شدہ نسخہ کی تحقیق وتخریج اور اشاعت و باز یافت کے سلسلہ میں جو کچھ بھی قابل تحسین کاروائی ہوئی اس کا تعلق دوبئی اور پاکستان سے ہے۔ ہندوستان کی وہ سرزمین کہ جہاں مسلک اعلیٰ حضرت کا دم بھرنے والے کثیر تعداد میں رہتے ہیں اور جہاں رضویات پر کام کرنے والے بے شمار اشاعتی ادارے ہیں مگر افسوس کہ اسی سرزمین پر اب تک اس تعلق سے کوئی سلسلہ جنبانی نہ ہوسکی۔ شاید یہ گراں قدر کام اللہ رب العزت نے یادگار اعلیٰ حضرت جامعہ رضویہ منظر اسلام کے حصہ میں ودیعت کر رکھا تھا کہ جہاں کے ایک نام ور، محنتی، جفاکش اور اعلیٰ حضرت ومسلک اعلیٰ حضرت کی بے لوث خدمت کرنے کا قابل قدر جذبہ رکھنے والے فاضل جلیل حضرت مفتی محمد راحت خاں قادری نے حضور صاحب سجادہ حضرت علامہ الحاج الشاہ محمد سبحان رضا خاں سبحانی میاں اور ان کے لائق ترین فرزند ارجمند حضرت مولانا الحاج محمد احسن رضا قادری مدظلہما کے حکم نیز راقم الحروف اور دیگر اساتذۂ منظر اسلام کے مشورے سے مصنف کے اس نسخہ کو کافی کوششوں سے نہ صرف یہ کہ حاصل کیا بلکہ شب وروز کی محنت و مشقت، تگ ودو اور مالی اسباب کی فراہمی کے بعد مختصر سی مدت میں اسے کمپوزنگ وتصحیح اور اشاعت کے مراحل سے گزار کر سیدنا سرکار اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے ۹۶/ویں عرس رضوی کے موقع پر منظر عام پر لا رہے ہیں۔ اللہ رب العزت موصوف کو دونوں جہان کی سعادتوں اور سرکار اعلیٰ حضرت کے خصوصی فیضان سے مالا مال فرمائے۔ آمین بجاہ النبی الکریم علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم

محمد سلیم بریلوی
مدیر اعزازی ماہنامہ اعلیٰ حضرت
واستاد منظر اسلام بریلی شریف

باسمہ تعالیٰ والصّلٰوۃ والسلام علی رسولہ الاعلیٰ

نُورٌ عَلٰی نُور

حق و باطل کا مقابلہ کوئی نئی چیز نہیں بلکہ ہر زمانے میں لوگوں نے حق کو مٹانے اور اس کی تصویر کو مسخ کرنے کی ناکام سازشیں کی ہیں اور جن لوگوں نے حق وصداقت کے پرچم کو بلند کیا ان کو طرح طرح سے اذیتیں پہونچائیں۔اسی طرح سے اسلام کو مسخ کرنے کی بہت سی ناکام کوششیں کی گئیں لیکن نتیجۃً حق ہمیشہ غالب رہا،کبھی کسی نے کبیرہ کے مرتکب کو اسلام سے خارج بتایا کسی نے قرآن کے مخلوق ہونے کا قول کیا،کسی نے خلافت شیخین کا انکار کیا کسی نے حضرت علی (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) کے رتبہ کو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بڑھانا چاہا،کسی نے کذب باری تعالی کے امکان کا قول کیا تو کسی نے سرکار مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم غیب کو بچوں، پاگلوں اور چوپائیوں کے ساتھ تشبیہ دی یا ان کے برابر ٹھہرایا، کسی نے کہیں تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم علیہ وسلم کے آخری نبی ہونے کا انکار کیا تو کہیں دیگر انبیائے کرام کی نبوت کو عارضی کہا،ان تمام باتوں کا قرآن وحدیث سے رد کیا گیا اور فتنوں کو دفن کر دیا گیا۔

ایسے ہی کچھ فتنہ پرور لوگوں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نور ہونے کا انکار کیا جب آپ کے نور ہونے کے متعلق قرآن وحدیث میں صراحۃً مذکور ہے لیکن یہ اس کو نظر آئے گا نہ کہ جس کی آنکھوں پر بغض وعناد کی عینک نہ ہو،تاریخ شاہد ہے کہ معاندین و متعصبین کو کے رد میں علمائے حق نے دلائل سے دفاتر بھر دیئے لیکن انہوں نے اس کو نظر انداز کر دیا۔اس متعلق کچھ کہنے سے پہلے نور کا معنیٰ سمجھ لیا جائے۔

نور

نور عرف عامہ میں ایک کیفیت ہے کہ نگاہ پہلے اسے ادراک کرتی ہے اور اس کے واسطے سے دوسری اشیائے دیدنی کو۔علامہ سید شریف جرجانی نے فرمایا:''**النور کیفیۃ تدرکھا الباصرۃ او و بواسطتھا سائر المبصرات**''**(التعریفات للجرجانی ص:۱۹۵)**۔نور ایک ایسی کیفیت ہے جس کا ادراک قوت باصرہ پہلے کرتی ہے پھر اس کے واسطے سے تمام مبصرات کا ادراک کرتی ہے۔

حق یہ کہ نور اس سے اجلیٰ ہے کہ اس کی تعریف کی جائے نور کی تعریف مذکور تعریف الجلی بالخفی ہے۔

محققین کے نزدیک نور وہ ہے کہ خود ظاہر ہو اور دوسروں کو ظاہر کرنے والا ہو۔

جب کے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم علیہ وسلم کے نور ہونے کو قرآن نے صراحۃً بیان کیا ہے۔

نورِ مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور قرآن

ارشاد باری ہے:

(۱) {قَدْ جَاءَكُم مِّنَ اللّٰهِ نُورٌ وَ كِتَابٌ مُّبِيْن} (المائدۃ ۵/۱۵) بے شک تمہارے پاس اللہ کی طرف سے ایک نور آیا اور روشن کتاب۔ (کنز الایمان)

(۲) {اَللّٰهُ نُورُ السَّمٰوٰتِ وَ الْأَرْضِ مَثَلُ نُورِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ} (النور ۲۴/۳۵)
اللہ نور ہے آسمانوں اور زمین کا اس کے نور کی مثال ایسی جیسے ایک طاق کہ اس میں چراغ ہے۔ (کنز الایمان)

(۳) {يٰأَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنٰكَ شَاهِداً وَ مُبَشِّراً وَ نَذِيْراً} وَدَاعِياً إِلَى اللّٰهِ بِإِذْنِهٖ وَ سِرَاجاً مُّنِيْراً} (الاحزاب ۳۳/۴۵۔۴۶) اے غیب کی خبریں بتانے والے (نبی) بے شک ہم نے تمہیں بھیجا حاضر ناضر اور خوشخبری دیتا اور ڈر سناتا اور اللہ کی طرف اس کے حکم سے بلاتا اور چمکا دینے والا آفتاب۔ (کنز الایمان)

(۴) {يُرِيْدُونَ لِيُطْفِؤُوا نُورَ اللّٰهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُورِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُونَ} (الصف ۶۱/۸)
چاہتے ہیں کہ اللہ کا نور اپنے مونہوں سے بجھا دیں اور اللہ کو اپنا نور پورا کرنا پڑے برا مانیں کافر۔ (کنز الایمان)

نورِ مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور تفاسیر

(۱) تفسیر جلالین شریف میں { قَدْ جَاءَكُم مِّنَ اللّٰهِ نُورٌ} (المائدۃ ۵/۱۵) بے شک تمہارے پاس اللہ کی طرف سے ایک نور آیا۔ کی تفسیر میں فرمایا:

"ھو نور النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم" (تفسیر جلالین شریف ص:۵۷) یعنی وہ نور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں۔

(۲) روح المعانی میں {قَدْ جَاءَ كُم مِّنَ اللّٰهِ نُورٌ} (المائدة ۱۵/۵)
بے شک تمہارے پاس اللہ کی طرف سے ایک نور آیا'' کی تفسیر میں ہے:
''عظیم وهی نور الانوار والنبی المختار''
یعنی بڑا نور، وہ نوروں کے نور نبی مختار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں۔

(۳) تفسیر ابن جریر میں {اللّٰهُ نُورُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ مَثَلُ نُورِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ} (النور ۳۵/۲۴)
اللہ نور ہے آسمانوں اور زمین کا اس کے نور کی مثال ایسی جیسے ایک طاق کہ اس میں چراغ ہے۔ (کنز الایمان) کی تفسیر میں ہے:
''کہ اس آیت کریمہ میں {مَثَلُ نُورِهٖ}'' سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا وجود اطہر مراد ہے۔ (تفسیر ابن جریر جلد ۱۸/۱۰۶)

(۴) تفسیر خازن اور معالم التنزیل میں ہے:
''جاء ابن عباس الی کعب الاحبار فقال حدثنی من قول اللہ عز وجل ''اللّٰهُ نُورُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ'' الآیۃ فقال کعب مثل نورہ مثل محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔
علی ابن الحسن الازدی قال ثنا یحی بن الیمان عن اشعث عن جعفر بن ابی المغیرہ عن سعید بن جبیر فی قولہ مثل نورہ قال محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ (تفسیر خازن و مالم التنزیل ۵/۶۳)۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کعب احبار کے پاس آ کر کہا کہ مجھکو اللہ تعالیٰ کے قول {اللّٰهُ نُورُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ} الآیۃ۔ کے متعلق بتائیے تو کعب احبار نے فرمایا ''مثل نورہ'' سے ''مثل محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم'' (یعنی اللہ کے نور سے سرکار اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات گرامی) مراد ہے۔
حضرت علی ابن حسن ازدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ ہم سے یحیٰ بن یمان نے حدیث بیان کی وہ روایت کرتے ہیں اشعث سے وہ جعفر بن مغیرہ سے وہ سعید بن جبیر سے کہ ''مثل نورہ'' سے ''مثل محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم'' (یعنی اللہ کے نور سے سرکار اقدس صلی اللہ تعالیٰ

علیہ وسلم کی ذات گرامی) مراد ہے۔

(۵) المراد بالنور الثانی ھنا نور محمد صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم وقوله تعالیٰ {مَثَلُ نُورِهٖ} ای نور محمد صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم۔ (شفا شریف ۱/۱۰، تفسیر حقانی ۵/۲۴۲، تفسیر محمدی ۴/۳۰۴)

ترجمہ: یہاں آیت مبارکہ میں نور ثانی یعنی اللہ تعالیٰ کے قول "مَثَلُ نُورِهٖ" سے نور محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مراد ہے۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ نے مذکورہ آیت کریمہ کا نقشہ یوں کھینچا ہے: ؎

شمع دل، مشکوٰۃ تن، سینہ زجاجہ نور کا
تیری صورت کے لئے آیا یہ سورہ نور کا

حضور صدر الافاضل علامہ سید نعیم الدین مرادآبادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: ؎

سراپا نور ہیں وہ نور حق نور علیٰ نور
کمشکوٰۃ ہے شان ان کی انہیں کیا واسطہ ظل سے
بفضل اللہ نابینا نہیں ہوں کیسے دوں نسبت
کف پائے حبیب حق کو روئے ماہ کامل سے

(۶) {يٰأَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنٰكَ شَاهِداً وَمُبَشِّراً وَنَذِيْراً} {وَدَاعِيًا إِلَى اللّٰهِ بِإِذْنِهٖ وَسِرَاجاً مُّنِيْراً} (الاحزاب ۳۳/۴۵۔۴۶)

اے غیب کی خبریں بتانے والے (نبی) بے شک ہم نے تمہیں بھیجا حاضر ناضر اور خوشخبری دیتا اور ڈر سناتا اور اللہ کی طرف اس کے حکم سے بلاتا اور چمکا دینے والا آفتاب۔ (**کنز الایمان**)

مذکورہ آیت مبارکہ میں {وَسِرَاجاً مُّنِيْراً} سے سرکار اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات گرامی مراد ہے۔

حضرت قاضی عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

"وقد سماہ اللہ تعالیٰ فی القرآن نوراً وسراجاً منیراً"۔ (شفاء شریف ۱/۳۰)

ترجمہ: بیشک قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نام نور اور سراج منیر (چمکتا ہوا آفتاب) رکھا۔

حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ ارشاد فرماتے ہیں: ؎

فامسی سراجاً منیراً وھادیا

یلوح کما لاح الصقیل المھند

ترجمہ: وہ تشریف لائے چمکتے ہوئے آفتاب اور رہنما بن کر اور اس طرح چمکے کہ جس طرح صیقل کی ہوئی تلوار چمکتی ہے۔

نورِ مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور احادیث

(۱) عبدالرزاق عن معمر عن ابن المنکدر عن جابر قال: سألت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عن اول شیٔ خلقہ اللہ تعالیٰ؟ فقال ھو نور نبیک یا جابر ثم خلق فیہ کل خیر و خلق بعدہ کل شیٔ۔ (الجزء المفقود من الجزء الاول من المصنف ص: ۶۳)

ترجمہ: امام عبدالرزاق، معمر سے، وہ ابن منکدر اور وہ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پوچھا کہ اللہ تعالی نے سب سے پہلے کس چیز کو پیدا کیا؟ تو آپ نے فرمایا! وہ تیرے نبی کا نور تھا، پھر اللہ تعالی نے اس میں ہر خیر اور بھلائی کو پیدا کیا اور اس کے بعد ہر شے کو پیدا فرمایا۔

(۲) عن جابر بن عبد اللہ قال: قلت یا رسول اللہ بابی انت و امی! اخبرنی عن اول شیٔ خلقہ اللہ تعالیٰ قبل الاشیاء نور نبیک من نورہ فجعل ذلک النور یدور بالقدرۃ حیث شاء اللہ تعالیٰ ولم یکن فی ذلک الوقت لوح ولا قلم ولا جنۃ ولو نار ولا ملک ولا سماء ولا ارض ولا شمس ولا قمر ولا جنی ولا انسی، فلما اراد اللہ تعالیٰ ان یخلق الخلق قسم ذلک النور اربعۃ اجزاء فخلق من الجزء الاول القلم، ومن الثانی اللوح، ومن الثالث العرش، ثم قسم الجزء الرابع اربعۃ اجزاء فخلق من الجزء الاول حملۃ العرش ومن الثانی الکرسی ومن الثالث باقی الملائکۃ، ثم قسم الرابع اربعۃ اجزائ، فخلق من الاول السمٰوٰت، ومن الثانی

الارضين ومن الثالث الجنة والنار، ثم قسم الرابع اربعة اجزاء الحديث۔ بطوله۔(شرح الزرقانی علی المواهب اللدنية المقصد الاول ۱/۷۱/۱،۷۲)

ترجمہ: حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ میں نے عرض کی: یا رسول اللہ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) میرے ماں باپ آپ پر قربان! حضور مجھے بتا دیجئے کہ سب سے پہلے اللہ عزوجل نے کیا چیز بنائی؟ فرمایا: اے جابر! بیشک بالیقین اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوق سے پہلے تیرے نبی کا نور اپنے نور سے پیدا فرمایا، وہ نور قدرت الٰہی سے جہاں خدا نے چاہا دورہ کرتا رہا، اس وقت لوح، قلم، جنت، دوزخ، فرشتے، آسمان، زمین، چاند، سورج، آدمی کچھ نہ تھا۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کرنا چاہا اس نور کے چار حصے فرمائے، پہلے سے قلم، دوسرے سے لوح، تیسرے سے عرش بنایا۔ پھر چوتھے کے چار حصے کئے، پہلے سے فرشتگان حامل عرش، دوسرے سے کرسی، تیسرے سے باقی ملائکہ پیدا کئے۔ پھر چوتھے کے چار حصے فرمائے، پہلے سے آسمان، دوسرے سے زمینیں، تیسرے سے بہشت ودوزخ بنائے، پھر چوتھے کے چار حصے کئے، الی آخر الحدیث۔

(۳) اعلیٰ حضرت قدس سرہ ایک رسالہ "صلاۃ الصفاء فی نور المصطفی" میں فرماتے ہیں کہ بروایت حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ایک دعا منقول ہے جس کا خلاصہ یہ ہے: **اللهم اجعل فی قلبی نوراً وفی بصری نوراً وفی سمعی نوراً وفی عصبی نوراً وفی لحمی نوراً وفی دی نوراً وفی شعری نوراً وفی بشری نوراً وعن یمینی نوراً وعن شمالی نوراً وامامی نوراً وخلفی نوراً و فوقی نوراً وتحتی نوراً واجعلنی نوراً (صحيح بخاری ۲/۹۳۵، صحيح مسلم ۱/۲۶۱، جامع الترمذی ۱/۱۷۸/۲)**

ترجمہ: یا اللہ! میرے دل وجان، میری آنکھ وکان، میرے گوشت و پوست، خون و استخوان، میرے زیر وبالا، پس وپیش، چپ وراست اور ہر عضو میں نور اور خود مجھے نور کردے۔

سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یہ دعا فرماتے اور آپ کا دیدار کرنے والوں نے آپ کو ضیائے تابندہ ومہر درخشندہ اور نور الٰہی کہا، پھر اس جناب کے نور ہونے میں کسی مسلمان کو کیا شک وشبہ ہوسکتا ہے؟

(۴) **"واذا تکلم رئی کالنور یخرج من بین ثنایاه" (شمائل الترمذی ص:۳، الشفاء بتعريف حقوق المصطفیٰ ۱/۴۶، تاريخ دمشق الكبير ۹/۴/۸)**

ترجمہ: (حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) جب کلام فرماتے دندان مبارک سے نور چھنتا ہوا نظر آتا۔

(۵)"یتلألؤ وجهه تلألؤ القمر لیلا البدر اقنی العرنین له نور یعلوه یحسبه من لم یتأمله اشم انور المتجرد (شمائل الترمذی ص: ۲)

یعنی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا چہرۂ مبارک چودھویں رات کے چاند کی طرح چمکتا، بلند بینی تھی اوراس پرایک نور کا بکّا متجلی رہتا کہ آدمی خیال نہ کرے تو بینیٔ مبارک ماس روشن نور کی وجہ سے بہت اونچی معلوم ہو، کپڑوں سے باہر جو بدن تھا (چہرہ اور ہتھیلیاں وغیرہ) نہایت روشن وتابندہ تھا۔

(۶)"کان الشمس تجری فی وجهه"(الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ ۱/۴۶)

ترجمہ: گویا آفتاب ان (حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کے چہرہ میں رواں تھا۔

(۷)"لو رأیت لقلت الشمس طالعة"(المواهب اللدنیة ۲/۲۲۳)

ترجمہ: اگرتو انہیں (حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) دیکھتا تو کہتا کہ آفتاب طلوع کررہا ہے۔

(۸)"کان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم یضیٔ البیت المظلم من نوره"(مطالع المسرات ص: ۳۹۳)

ترجمہ: نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نور سے خانۂ تاریک روشن ہوجاتا تھا۔

(۸) حدیث قدسی ہے:

"خلقت روح محمد صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم من نور وجهی" کما قال النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم اول ما خلق اللہ روحی اول ما خلق اللہ نوری"(تاریخ الخمیس ۱/۱۹)

ترجمہ: میں نے نور محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنی ذات کے نور سے پیدا فرمایا، جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے میری روح کو پیدا فرمایا، سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے میرے نور کو پیدا فرمایا۔

نورِ مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور اسلاف

(۱) عارف باللہ علامہ سید عبدالغنی نابلسی قدس سرہ فرماتے ہیں:

"قد خلق کل شیٔ من نوره صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم کما ورد به الحدیث الصحیح"۔

(الحدیقۃ الندیۃ ۳۷۵/۲)

ترجمہ: بے شک ہر چیز نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نور سے بنی، جیسا کہ حدیث صحیح اس معنی میں وارد ہوئی ہے۔

(۲) امام اہل سنت سیدنا امام ابوالحسن اشعری قدس سرہ (جن کی طرف نسبت کر کے اہل سنت کو اشاعرہ کہا جاتا ہے) ارشاد فرماتے ہیں: ''اللہ عزوجل نور ہے، نہ اور نوروں کی مانند اور نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی روح پاک اسی نور کی تابش ہے اور ملائکہ ان نوروں کے ایک پھول ہیں، اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے میرا نور بنایا اور میرے ہی نور سے ہر چیز پیدا فرمائی۔ اس کے سوا اور حدیثیں ہیں جو اسی مضمون میں وارد ہیں۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم **(مطالع المسرات ص:۲۶۵)**

(۳) امام قسطلانی قدس سرہ نے فرمایا:

''لم یکن له صلی الله تعالیٰ علیه وسلم فی شمس ولا قمر رواه الترمذی عن ذکوان، وقال ابن سبع صلی الله تعالیٰ علیه وسلم نوراً فکان اذا مشی فی الشمس او القمر لا یظهر له ظل قال غیره ویشهد له قوله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم فی دعائه واجعلنی نوراً''۔ (المواهب اللدنة ۳۰۷/۲)

ترجمہ: دھوپ اور چاندنی میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا سایہ نہ ہوتا، اس کو ترمذی نے ذکوان سے روایت کیا۔ ابن سبع نے کہا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نور تھے، جب آپ دھوپ اور چاندنی میں چلتے تو سایہ ظاہر نہ ہوتا۔ ان کے علاوہ نے کہا: اس کا شاہد نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا وہ قول ہے جو آپ دعا میں کہتے کہ: اے اللہ! مجھے نور بنا دے۔

(۴) حضور غوث اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

''لما خلق الله تعالیٰ روح محمد صلی الله تعالیٰ علیه وسلم اولا من نور جماله''۔ (سر الاسرار ص:۲۵)

ترجمہ: سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے روح محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنے نور جمال سے پیدا فرمایا۔

(۵) حضرت شیخ احمد سرہندی المعروف مجدد الف ثانی قدس سرہ فرماتے ہیں:

''باید دانست کہ خلقِ محمدی در رنگ خلق سائر افراد انسانی نیست بلکہ خلقے ہیچ فردے از افراد عالم مناسبت نہ دارد کہ او صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کہ با وضو د نشاء عنصری از نور حق جل وعلا مخلوق گشتہ **کما قال الصلوٰۃ والسلام ''خلقت من نور اللہ''**۔ (مکتوبات شریف دفتر سوم حصہ نہم ص: ۵۷

ترجمہ: جاننا چاہئے کہ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پیدائش تمام انسانی افراد کی پیدائش کے رنگ میں نہیں ہے بلکہ کسی مخلوق کے تمام عالم کے افراد سے کسی فرد کی پیدائش میں مناسبت نہیں رکھتے اس لئے آپ باوجود عنصری پیدائش کے نور حق جل وعلا سے پیدا ہوئے جیسا کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا: میں اللہ کے نور سے پیدا کیا گیا ہوں۔

(۶) حضرت شیخ عبدالحق محدث قدس سرہ فرماتے ہیں:

''بدانکہ اول مخلوقات وواسطۂ صدور کائنات وواسطۂ خلق عالم وآدم نور محمد است محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم چنانچہ در حدیث صحیح وارد شدہ ''اول ما خلق اللہ نوری'' وسائر مکنونات علوی وسفلی ازاں نور وزاں جوہر پاک پیدا شدہ از ارواح واشباہ وعرش وکرسی، لوح وقلم، بہشت ودوزخ، ملک وفلک، انس وجن، آسمان وزمین، بحار وجبال، اشجار وسائر مخلوقات وکیفیت صد وایں کثرت ازاں وحدت وبروز وظہور مخلوقات ازاں جوہر عبارات وتعبیرات غریب آوردہ اند''۔ (مدارج النبوۃ ۲/۲)

ترجمہ: جان لو کہ مخلوقات وصدور کائنات، پیدائش عالم وآدم کا واسطہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نور مبارک ہے۔ چنانچہ صحیح حدیث میں آیا ہے'' کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے میرے نور کو پیدا کیا'' اور باقی مکنونات ومخلوقات علوی سفلی اس نور سے پیدا ہوئی اور اس جوہر پاک سے روح اور شکلیں، عرش وکرسی، لوح وقلم، بہشت ودوزخ، انسان وجنات، آسمان وزمین، سمندر وپہاڑ، درخت اور باقی مخلوقات پیدا ہوئیں اور وحدت (نور محمدی) کی پیدائش کی کیفیت میں عبارات وتعبیرات عجیب لائے ہیں۔

مذکورہ آیات واحادیث اقوال مفسرین ومحدثین سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نور ہونا ثابت ہوگیا۔ اور یہ بات بھی بتانے کی کوئی حاجت نہیں کہ انسان جس سے محبت کرتا ہے اس کے فضائل، مدائح اور مناقب بیان کرنے میں ہمہ تن مصروف ومشغول رہتا ہے۔ اور سرور کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے محبت کرنا تو عین اسلام اور شرط ایمان بلکہ جان ایمان ہے۔

جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے تمہارے لئے تمہارا ذکر بلند کیا، جہاں جہاں مجھ کو یاد کیا جائے گا تمہارا بھی چرچا ہوگا اور ایمان بے تمہاری یاد کے ہرگز پورا نہ ہوگا۔ آسمانوں کے طبقات اور زمین کے تمام پردے تمہارے ہی نام نامی سے گونجیں گے، مؤذن اذانوں میں اور خطبا و ذاکرین اپنی مجالس و محافل میں، واعظین منابر پر، طلبا و مدرسین مدارس میں، ہمارے ذکر کے ساتھ تمہیں یاد کریں گے۔ میں جو کتاب نازل کروں گا اس میں تمہاری مدح وستائش اور جمال صورت وکمال سیرت ایسی توضیح سے بیان کروں گا کہ سننے والوں کے دل بے اختیار تمہاری جانب جھک جائیں گے۔ ایک عالم اگر تمہارا دشمن ہوکر تمہاری شان کو گھٹانا چاہے یا تمہارے فضائل مٹانا چاہے وہ کامیاب نہ ہوسکیں گے۔ اسی وعدے کا ہی تو اثر تھا کہ یہود و نصاریٰ صدہا برس سے اپنی کتابوں سے ان کا ذکر نکالنے کے لئے کوشاں ہیں اور چاند پر خاک ڈالنے کی ناکام کوشش کرتے ہیں۔ لیکن اہل ایمان برابر ان کی نعتوں کے نغموں کی شیریں آواز بلند کرتے رہتے ہیں، لاکھوں بے دینوں نے ان کے محو فضائل پر کمر باندھی، قرآنی دلائل ونصوص میں تاویلات کیں اور احادیث میں کلام کیا ان کو ضعیف کہا، یہی نہیں بلکہ احادیث موضوع و بے بنیاد تک کہہ ڈالا۔

مصنف عبدالرزاق

امام اعظم ابوحنیفہ اور امام مالک کے شاگرد، امام احمد بن حنبل کے استاذ اور امام بخاری ومسلم کے استاذ الاستاذ جلیل القدر حافظ الحدیث حضرت امام عبدالرزاق بن ہمام صنعانی یمنی (رحمہم اللہ تعالیٰ) کی شہرہ آفاق کتاب ''مصنف'' کہ جس میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت کردہ ''حدیث نور'' ماضی سے لے کر آج تک اجلہ علمائے کرام اپنی تصانیف وتقاریر میں بیان کرتے ہوئے چلے آئے عرب وعجم کے علما نے بلا نکیر اس کو قبول کیا۔

دشمنان اسلام نے سازشاً مصنف کی پہلی جلد سے دس ابواب گم کردیئے۔ اور جب ۱۳۹۰ھ /۱۹۷۱ء میں ''مصنَّف'' ہندوستان کے ایک دیوبندی عالم حبیب الرحمن اعظمی کی تحقیق کے ساتھ شائع ہوئی۔ تو یہ کتاب انہیں کے بقول نامکمل تھی اس میں دس ابواب کی کمی تھی۔ انہیں دس ابواب میں سے پہلا باب بھی ناپید تھا جس کا عنوان ''**باب فی تخلیق نور محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم**'' اسی کے باب نمبر ۴/ پر حدیث نفئ سایہ اور نمبر ۱۸/ پر حدیث نور مذکور تھی۔ ایسی صورت میں مخالفین اسلام کو جیسے

ایک اچھا موقع مل گیا ہولہذا وہ طرح طرح سے اعتراضات کرنے لگے۔

چونکہ اعلیٰ حضرت قدس سرہ سے اس متعلق سوال کیا گیا تھا جس کے جواب میں آپ نے مستقل ایک رسالہ ''صلاۃ الصفاء فی نور المصطفیٰ'' تصنیف فرما کر مخالفین اسلام کو دندان شکن جواب دیا تھا اسی رسالے کے اندر یہ حدیث (حدیث نور) مجدد اعظم اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہ نے بھی ذکر فرمائی تھی۔ مخالفین نے بغض عناد کی گندی چادر اوڑھ کر آپ کی تحریروں پر مختلف اعتراضات وارد کئے۔ لیکن انہوں نے یہ نہیں دیکھا کہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہ نے یہ حدیث ان جلیل القدر ائمۂ کرام سے نقل فرمائی کہ جنہوں نے اس کو قبول کیا ہے مثلاً امام بیہقی، امام قسطلانی، امام ابن حجر مکی، علامہ فاسی، علامہ زرقانی، علامہ دیار بکری خمیس اور شیخ محقق علامہ عبدالحق محدث دہلوی رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہم۔

اس طرح سے یہ حدیث تلقی امت بالقبول کا منصب جلیل پائے ہوئے ہے تو بلا شبہ حدیث حسن وصالح اور مقبول ومعتمد اور باب فضائل نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں معتبر ہے۔ ہمیں استدلال کے لئے صرف اتنا ہی کافی ہے کہ ارباب تمیز وعرفان اسے بلانکیر منکر مقبول رکھتے آئے ہیں اور ہم نے اس کو ان کی تقلید سے قبول کیا ہے۔ لہذا اگر یہ حدیث مبارکہ (حدیث نور) ان بصیرت والے حضرات کے نزدیک متنازع فیہ، قابل قبول نہ ہوتی تو حسب عادت وہ اس پر ردوانکار کیوں نہ فرماتے اور تلقی بالقبول سے باز آجاتے۔

لیکن معاندین ہٹ دھرم کے لئے یہ کچھ بھی کافی نہ تھا، بعض نے یہ مطالبہ کیا کہ یہ بتایئے کہ اس حدیث کو صحیحین میں کہاں ذکر کیا گیا ہے؟ یہیں تک بس نہیں بلکہ انہوں نے دیگر اکابر واجلہ علمائے کرام تک کو جاہل وگمراہ کہہ دیا تفصیل علامہ عبدالحکیم شرف قادری علیہ الرحمہ کے مقدمہ میں آئندہ صفحات میں ملاحظہ کریں۔ اعلی حضرت قدس سرہ سے نور وسایہ کے متعلق سوال کیا گیا کہ کیا یہ بات حدیث صحیح اور اسناد صحیح کے ساتھ ثابت ہے؟ تو اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کے جواب میں مختلف دلائل پیش کرنے کے بعد سائل سے دس سوالات قائم کیے۔

یہاں پر اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے وہ ۱۰/ سوالات نقل کردئے جائیں تو قارئین کے لئے مفید اور کارگر ثابت ہونگے۔

''اقول: تمہارے سوال کے جواب سے پہلے ہم چند سوال پیش کرتے ہیں، صاحب علم خود جواب دیں۔لتبیننہ للناس ولا تکتمونہ (کہ تم ضرور اسے لوگوں سے بیان کر دینا اور نہ چھپانا) اور بے علم اہل علم سے استفادہ کریں۔فاسئلوا اهل الذکر ان کنتم لا تعلمون (تو علم والوں سے پوچھو اگر تمہیں علم نہ ہو)

سوال (۱) دو گواہوں کے سامنے زید نے ہندہ کے ساتھ نکاح کیا اور صبح خلوت سے پہلے ہی اسکو چھوڑ دیا اور نصف مہر بھی نہیں دینا چاہتا، کہتا ہے کہ میرے نکاح کے لئے گواہ عادل چاہئے۔

(۲) مطلع ابر آلود تھا ایک مرد نے روزہ کے چاند دیکھنے کی گواہی دی، صبح کے وقت زید ہاتھ میں حقہ ،منہ میں پان ڈال کر باہر آیا کہ مجھے ایک مرد کی گواہی کافی نہیں دو مردوں کی شہادت چاہیے۔

(۳) عمرو نے زید پر کچھ مال کا دعوی کر دیا اور دو عادل گواہوں کی شہادت سے ثابت بھی کر دیا مگر زید کہتا ہے جب تک چار گواہ نہ ہوں میں قبول نہیں کرتا۔

(۴) گواہوں نے وقف اور نکاح ایسے امور کے متعلق شنید پر گواہی دی، زید کہتا ہے مجھے عینی گواہ چاہیے۔

(۵) زید کا بھائی بکر فوت ہو گیا، اس کی زوجہ مسماۃ نازنین کے بطن سے اس کی ایک لڑکی مسماۃ شیریں تھی، زید شیریں کے ساتھ نکاح کرنا چاہتا ہے۔نازنین نے کہا ظالم! خدا سے شرم کر یہ تیری بھتیجی ہے۔زید کہتا ہے مجھے کیا علم کہ شیریں کا بدن میرے بھائی بکر کے نطفہ سے پیدا ہوا ہے، آخر دعوی کے لئے گواہ لازم ہیں اور یہاں کوئی گواہ نہیں، نازنین نے کہا تیرے بھائی کے بستر پر پیدا ہوئی ہے۔ الولد للفراش (بچہ فراش کے لئے ہے) اس نے کہا یہ خبر واحد ہے مجھے خبر متواتر چاہیے۔

(۶) سعید نے باجماعت نماز ادا کی مگر زید نے اقتدا نہ کی اور یہ کہتا ہوا باہر نکل گیا کہ اس امام نے صرف وضو کیا ہے، مجھے وہ امام چاہیے جو ہر حدث سے غسل کرے۔

(۷) مخصوص آیات کے خواص اور خاص سورتوں کے فضائل زید کو احادیث صحیحہ سے سنائے گئے کہ دیکھ یہ کیسا تر و تازہ چمنستان اور خوبصورت گلستان ہے۔اس نے کہا ایک کانٹے برابر نہیں جب تک بخاری نہ لائے یا میں نہیں مانتا جب تک میں مسلم میں نہ پڑھ لوں۔

(۸) بطور حوالہ زید کو سند مالک عن نافع عن ابن عمر سنائی گئی، اس نے کہا میں سند معنعن پر

اعتماد نہیں کرتا سند متصل بہ سماع ہونی چاہیے۔

(۹) زید کہتا ہے کہ فلاں ریاست کے مفتی کو مسائل شرعیہ میں فتوی دینے کی کس نے اجازت دی ہے؟ کہا گیا کہ بہت بڑے عالم ہیں۔ اس نے کہا لوگ ایسی ویسی باتیں کرتے ہیں مگر فقیر نے اس بات کو کسی کتاب میں جو لائق اعتماد ہو اور اہل اسناد نے اس کو بہ سند صحیح بیان کیا ہو، نہیں دیکھا اور نہ صحاح وسنن مروجہ میں کسی سے سنا اور جو کچھ تیرھویں صدی کے لوگ صرف زبانی دعوٰی کرتے ہیں، اس کا اعتماد جس طرح اہل حدیث کو ہے معلوم ہی ہے۔

(۱۰) مناقب وفضائل کے متعلق ہزاروں حدیثیں حسن وصالح زید کو سنائی گئیں، وہ شوخ چشم کہتا ہے کہ صحت اسناد کے سوا خرط القتاد ہے (یعنی بے سود اور نقصان دہ ہے)

ان دس ۱۰ صورتوں کے بارے میں علمائے کرام (اللہ تعالٰی ان کی روشن کامیابی سے مدد فرمائے) سے فتوٰی مطلوب ہے کہ ان تمام صورتوں میں زید شرعِ مطہّر کے نزدیک غلطی پر ہے یا نہیں اور اس کے مطالبات ومواخذات بے جا وفضول ہیں یا نہیں؟ بیان فرماؤ اجر پاؤ گے۔

فی الحال اگر علمائے کرام کی طرف سے حکم ملے کہ زید زیادتی کرتا ہے، شریعت پر تجاوز کرتا ہے، جوازِ نکاح کے لئے عدالتِ شہود ضروری نہیں۔ بادل ہوں تو ایک سے زیادہ گواہ لازم نہیں۔ مالی معاملہ میں دو (۲) سے زیادہ گواہوں کا مطالبہ درست نہیں۔ وقف ونکاح میں شہادتِ عینی کا لزوم بھی نہیں۔ فراش ثبوتِ نسب کے لئے کافی ہیں، اور حلال وحرام کے لئے آحاد کافی ہیں۔ ہر حدث سے غسل کیوں ضروری ہے؟ صرف صحیحین کی احادیث میں قبول بند نہیں۔ مالک ونافع تدلیس سے بَری ہیں لہٰذا اُن کا اسنادِ معنعن سماعِ جلی کا حکم رکھتا ہے۔ فلاں کے علم ثابت کرنے کے لئے حدیث نہیں آتی۔ مناقب وفضائل کے لئے حدیثِ صحیح کا موجود ہونا ضروری نہیں، پس او مُردہ دل زید! یہ کیا مفت کا بکواس اور جوشِ جنونی کہ تو ہر جگہ بے ضرورت دلیل مانگتا ہے یا قدرِ مطلوب سے زیادہ طلب کرتا ہے۔ تیرے یہ تمام مطالبات اپنے ہی مَن گھڑت اور نامقبول ہیں اور مجیبِ مطالب تیری خواہشات کے مطابق جواب کی مشقّت برداشت کرنے سے بے نیاز ہے۔ تم الجواب واللہ تعالٰی اعلم بالصواب

اے عزیز! اب اس جواب سے اپنے سوالوں کا جواب دریافت کر کہ ہی مطالبات انہی مطالبات کی

مثل ہیں اور ہی ناگفتنی باتیں اور نالائق طلب مطالبہ ایک دن تجھے زید کی جگہ بٹھائے گا۔

میں تم سے ایک بات پُوچھتا ہوں، سچ کہنا اور بہانہ نہ بنانا، کیا تم نے کتابوں میں دیکھا یا علماء سے سُنا کہ ایسے وسیع تر مقامات میں حسن وصالح حدیث بیکار ہے اور صحت کے سوا کوئی چیز درکار نہیں اور علمائے کرام کے منقولات کا کوئی درجہ ومقام نہیں؟ اور قبولِ ائمہ کچھ وزن نہیں رکھتا؟ ورنہ غیر لازم کا الزام اور یقینِ جازم کا رَد، کیا مطلب؟ عجیب ذوق ہے کہ سب کو ٹھکرا دیا''۔

(فتاوی رضویہ مترجم ۳۰/ ۱۱۰، ۱۱۲)

ان معاندین کا تو بس ایک ہی سوال تھا کہ ''مصنف'' کے نسخہ میں ''حدیث نور'' جو حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے نہیں ہے۔ اسی بات نے علمائے اہل سنت کو مصنف کے گم شدہ ابواب تلاش کرنے پر آمادہ کیا اور یہ تلاش وجستجو بہت سال تک مختلف ممالک میں جاری رہی دنیا کی عظیم لائبریریوں کو کھنگالا گیا، بالاخر ۱۴۲۵ھ/ ۲۰۰۵ء کو علما کی محنتیں بارآور ہوئیں اور اس کے گم شدہ ابواب کا وہ مخطوطہ مل گیا کہ جس کی نقل اسحاق بن عبدالرحمن سلیمانی نے ۹ رمضان المبارک ۹۳۳ھ بروز پیر بغداد شریف میں مکمل ہوئی۔

مصنف کے اس گم گشتہ حصہ کے تحقیقی وحواشی کے کام کو دبئی کے عظیم دانشور ومحقق ڈاکٹر عیسیٰ مانع حمیری سابق ڈائریکٹر محکمۂ اوقاف وامور اسلامیہ دبئی نے بے پناہ محنتوں اور مشقتوں کے بعد مکمل کیا اور اس کو پہلی مرتبہ بیروت سے ۲۰۰۵ئ میں شائع ہوا۔ جس کے بدلے باطل قوتوں نے ان کو کتنی گالیاں دیں کتنا برا بھلا کہا کتنی الزام تراشی کی خود انہیں کے حوالے سے ملاحظہ ہو:

''مصنَّف'' کی جزءِ مفقود پر میں نے جو کام کیا اور اس پر برادرم ڈاکٹر محمود سعید ممدوح نے مقدمہ لکھا، مقدمہ صرف اس کام پر تھا ایک ایک بات اور ایک ایک رائے پر نہیں تھا اس کام کے اشاعت کرنے کے تقریبًا دو ماہ بعد اچانک مجھے مخالفین کا سامنا کرنا پڑا، انٹرنیٹ کی ویب سائٹ اس کتاب کے بارے میں اعتراضات اور تنقید سے بھری ہوئی تھی، اس کے علاوہ اتنی گالیاں دی گئی تھیں جن سے ایک پوری کتاب تیار کی جاسکتی ہے۔

میرے خلاف اور مقدمہ لکھنے والے ڈاکٹر محمود سعید ممدوح کے خلاف باطل دعوؤں کا ایک انبار تھا، میں نے ان سب باتوں سے درگزر کیا اور اسے اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیا تاہم میں نے معترضین کے دو اعتراضوں کا جواب

دیا ہے جن کا تعلق علم سے ہے، اللہ تعالیٰ کی عنایت سے ان کا جواب دوں گا''۔ (مصنَّف عبدالرزاق مقدمہ از عیسیٰ مانع حمیری)

پھر اسی کا عکس لے کر اسی سال اس کو علامہ عبدالحکیم شرف قادری رحمۃ اللہ علیہ نے مؤسسۃ الشرف، لاہور پاکستان سے شائع کیا۔

اس نسخۂ ''مصنف'' کے ملنے کے بعد ۱۵/جنوری ۲۰۰۶ء بروز اتوار کو جامعہ اسلامیہ لاہور پاکستان میں ایک کانفرنس بنام ''حدیث نور کانفرنس'' منعقد ہوئی، کہ جس میں علما و قائدین نے اس حصۂ مصنف کے ملنے پر اپنی بے پناہ خوشیوں کا اظہار کیا۔

ابھی ایک سال کا بھی عرصہ نہیں گزرا تھا کہ ''مصنف'' کی دو اشاعتیں ہو چکی تھیں، علامہ عبدالحکیم شرف قادری رحمۃ اللہ علیہ کی مرقد پر اللہ رحمت و انوار کی بارش فرمائے کہ انہوں نے ۲۰۰۶ء میں اس کو اردو ترجمہ اور گراں قدر مقدمہ کے ساتھ پھر شائع کر کے اردو داں طبقے کے لئے اس کو اور آسان بنا دیا۔

اس گم گشتہ حصہ کو دستیاب ہوئے نو (۹) سال کا طویل عرصہ گزر چکا ہے اس کی اشاعت عربی میں بیروت اور پاکستان سے تو ۲۰۰۵ء میں ہی ہو چکی تھی، اور پاکستان سے تو اس کو علامۂ مذکور نے اردو میں بھی شائع کیا تھا ۲۰۰۶ء سے اب تک ۸/سال کا طویل عرصہ گزرا شاید دوبارہ یہ پاکستان سے بھی شائع نہ ہوسکی۔ پھر بھی پاکستان سے اتنا تو ہوا کہ اس کو وہاں عربی اور اردو دونوں طرح سے شائع کیا جا چکا لیکن ہندوستان سے ابھی تک یہ حصہ اردو یا عربی کسی بھی طرح شائع نہ ہوا تھا۔

الحمدللہ رب تبارک وتعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ ہندوستان میں اس کی نشر و اشاعت کا شرف ہمارے ادارہ ''**المکتب النور**'' کو حاصل ہوا کہ اب اس کتاب کی اشاعت اردو اور عربی دونوں طرح سے ہو رہی ہے اس طور پر کہ اس کی ابتدا میں وہ اردو ترجمہ ہے کہ جس کو مکتبہ قادریہ لاہور نے شائع کیا ہے اور آخر میں بیروت سے شائع شدہ نسخہ کا عکس ہے۔ انشاءاللہ یہ کتاب اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے ۹۶/عرس پر منظر عام پر آرہی ہے۔

شکریہ کے مستحق ہیں ہمارے اساتذۂ کرام خصوصا اساتذۂ منظر اسلام کہ جنہوں نے میری اچھی تربیت کر کے مجھے کچھ کرنے کے حوصلے عطا فرمائے اور ہر مشکل وقت پر میرے سر پر دست شفقت رکھ کر حوصلہ افزائی فرمائی۔ اے اللہ! ہمارے اساتذۂ کرام، مشائخ عظام، اور علمائے اہل سنت کی عمروں میں

برکتیں عطا فرما۔

اور میں ان تمام لوگوں کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ جنہوں نے اس کتاب میں کسی بھی طرح سے کوشش کی اور حقیقت میں اس کتاب کی اشاعت کا سب سے اہم سبب حضرت علامہ سید شاکرمیاں صاحب ہیں کہ حضرت کے ذریعہ ہی اس کتاب کا پاکستانی نسخہ دستیاب ہوا، اور حضرت نے ہی مجھے اس مشکل کام پر آمادہ کیا، حضرت مولانا محمد مطلوب خاں نوری صدرالمدرسین مدرسہ اہل سنت جامعہ نجیب الاسلام کہ جنہوں نے ۱۰/ ۱۲/دن کی قلیل مدت میں اس کی کمپوزنگ کا کام مکمل کیا، حضرت مفتی محمد معین الدین صاحب، حضرت مولانا محمد اشتیاق صاحب، عالی جناب محمد امین خاں برکاتی بریلوی اور جناب حسین الدین بریلوی کا بھی تعاون رہا، اس کے علاوہ جو بھی حضرات ہمارے اس کام میں شریک رہے۔

انسان سے خطا ونسیان کا سرزد ہونا کوئی تعجب اور اچنبھے والی بات نہیں ہے بلکہ غلطیاں انسان سے ہی ہوتی ہیں لہذا اگر کتاب کے کسی بھی حصہ میں کمپوزنگ وغیرہ کی کوئی غلطی نظر آئے خلوص للٰہیت کے ساتھ براہ راست مجھ کو مطلع فرمائیں ان شاء اللہ اگلے ایڈیشن میں تصحیح کرلی جائے گی۔

محمد راحت خاں قادری

ناظم اعلیٰ، دارالعلوم فیضان تاج الشریعہ، بریلی شریف

۱۰/صفر المظفر ۱۴۳۶ھ/ ۴/دسمبر ۲۰۱۴ء

بروز جمعرات ۱۰/ ۵/منٹ

ملت اسلامیہ کے لیے روح پرور اور نشاط انگیز ارمغان محافلِ میلاد میں
بیان کی جانے والی حدیثِ نور اور حدیثِ نفی سایہ اپنی صحیح سندوں
کے ساتھ منظر عام پر جگمگانے لگیں۔

مصنَّف عبد الرزاق

کی پہلی جلد کے دس گم گشتہ ابواب

از: جلیل القدر حافظ الحدیث امام ابوبکر عبدالرزاق بن ہمام
صنعانی یمنی

امام اعظم ابوحنیفہ اور امام مالک کے شاگرد امام احمد بن حنبل کے استاذ امام بخاری اور مسلم کے
استاذ الاستاذ (رحمہم اللہ تعالیٰ) (ولادت: ۱۲۶ھ ۔۔۔ وفات: ۲۱۱ھ

ترجمہ و تقدیم:
شیخ الحدیث علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری علیہ الرحمہ، لاہور پاکستان

ناشر:

المکتب النور
شکار پور چودھری، ایر فورس گیٹ عزت نگر، بریلی شریف

جملہ حقوق محفوظ ہیں

نام : مصنَّف عبدالرزاق کے دس گم گشتہ ابواب

تصنیف : امام عبدالرزاق صنعانی یمنی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

تقدیم و تحقیق : ڈاکٹر عیسیٰ مانع حمیری مدظلہ العالی سابق ڈائریکٹر محکمہ اوقاف، دبئی

تقریظ : ڈاکٹر محمود سعید ممدوح مدظلہ العالی، دبئی

ترجمہ و پیش لفظ : شیخ الحدیث علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری، لاہور

کمپوزنگ : محمد مطلوب خان نوری پیلی بھیت 9410434462

پروف ریڈنگ :

صفحات :

سن اشاعت : صفر المظفر ۱۴۳۶ھ مطابق دسمبر ۲۰۱۴ء

تعداد : ایک ہزار

قیمت :

ناشر : المکتب النور شکارپور چودھری، ایرفورس گیٹ عزت نگر، بریلی شریف

ملنے کا پتہ :

نور کی جھلکیاں

فرمانِ الٰہی جل جلالہ:

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

قَدۡ جَآءَکُمۡ مِّنَ اللّٰہِ نُوۡرٌ وَّ کِتٰبٌ مُّبِیۡنٌ۔ (المائدہ، ۱۵/۵)

بے شک تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے نور جلوہ گر ہوا اور روشن کتاب۔

ارشادِ ربّانی جل جلالہ:

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

یٰۤاَیُّہَا النَّبِیُّ اِنَّاۤ اَرۡسَلۡنٰکَ شَاہِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِیۡرًا وَ دَاعِیًا اِلَی اللّٰہِ بِاِذۡنِہٖ وَ سِرَاجًا مُّنِیۡرًا۔ (سورۃ الاحزاب، ۴۶/۳۳)

اے (غیب کی خبریں دینے والے) نبی بے شک ہم نے آپ کو (احوال امت) کا مشاہدہ کرنے والا، خوش خبری دینے والا، ڈر سنانے والا، اللہ کی طرف اس کے حکم سے بلانے والا اور منوّر کرنے والا آفتاب بنا کر بھیجا ہے۔

ارشادِ ربّانی جل جلالہ:

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَللّٰہُ نُوۡرُ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ مَثَلُ نُوۡرِہٖ کَمِشۡکٰوۃٍ فِیۡہَا مِصۡبَاحٌ اَلۡمِصۡبَاحُ فِیۡ زُجَاجَۃٍ۔ (سورۂ نور، ۳۶/۲۴)

شمع دل مشکوٰۃ تن، سینہ زجاجہ نور کا
تیری صورت کے لیے آیا ہے سورہ نور کا
(امام احمد رضا بریلوی)

خدائی فیصلہ:

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

يُرِيۡدُوۡنَ لِيُطۡفِئُوۡا نُوۡرَ اللّٰهِ بِاَفۡوَاهِهِمۡ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوۡرِهٖ وَلَوۡ كَرِهَ الۡكَافِرُوۡنَ۔ (الصّف، ۸/۶۱)

نورِ خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن
پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا
(اقبال)

حدیثِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم:

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

حدیثِ نور

(۱۸) عَبۡدُالرَّزَّاق عنۡ مَعۡمَرٍ عَنۡ ابنِ الۡمُنۡكَدِرِ عَن جَابِرٍ قَالَ: سَأَلۡتُ رَسُوۡلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ عَنۡ اَوَّلِ شَيۡءٍ خَلَقَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى؟ فَقَالَ: هُوَ نُوۡرُ نَبِيِّكَ يَاجَابِرُ ثُمَّ خَلَقَ فِيۡهِ كُلَّ خَيۡرٍ، وَخَلَقَ بَعۡدَهٗ كُلَّ شَيۡءٍ۔ (۱)

امام عبدالرزاق، معمر سے، وہ ابن منکدر سے اور وہ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے کس چیز کو پیدا کیا؟ تو آپ نے فرمایا: جابر! وہ تیرے نبی کا نور تھا، پھر اللہ تعالیٰ نے اس میں ہر خیر اور بھلائی کو

(۱)۔ مصنّف عبدالرزاق کے دس گم گشتہ ابواب، بنام ''الجزء المفقود من الجزء الاول من المصنف'' (طبع بیروت ولاہور، ص: ۶۳)۔
نوٹ: ڈاکٹر عیسیٰ مانع (دبئی) نے فرمایا: کہ یہ حدیث صحیح ہے، دیکھیے الجزء المفقود، ص: ۷۔

پیدا کیا اور اس کے بعد ہر شے کو پیدا کیا۔

ارشادِ صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

حدیثِ نفی سایہ

۴۔عبدالرزاق عَنْ جُرَيْجٍ قَالَ: اَخْبَرَنِيْ نَافِعٌ اَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ قَالَ: لَمْ يَكُنْ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ظِلٌّ وَّلَمْ يَقُمْ مَعَ شَمْسٍ قَطُّ اِلَّا غَلَبَ ضَوْءُهٗ ضَوْءَ الشَّمْسِ وَلَمْ يَقُمْ مَعَ سِرَاجٍ قَطُّ اِلَّا غَلَبَ ضَوْءُهٗ ضَوْءَ السِّرَاجِ۔(۱)

امام عبدالرزاق، ابن جُریج سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے فرمایا: مجھے نافع نے خبر دی کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا سایہ نہیں تھا، آپ کبھی سورج کے سامنے کھڑے نہیں ہوئے مگر آپ کی روشنی سورج کی روشنی پر غالب ہوتی تھی اور آپ کبھی چراغ کے سامنے کھڑے نہیں ہوئے مگر آپ کی روشنی چراغ کی روشنی پر غالب ہوتی۔

امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ:(۲)

باعثِ تخلیق دو جہاں

اَنْتَ الَّذِيْ لَوْلَاكَ مَا خُلِقَ امْرُءٌ
كَلَّا وَلَا خُلِقَ الْوَرٰى لَوْلَاكَا

(۱)۔الجزء المفقود من الجزء الاول من المصنف، از امام عبدالرزاق، (طبع بیروت ولاہور، ص:۵۶)۔

نوٹ: ڈاکٹر عیسیٰ مانع سابق ڈائریکٹر محکمہ اوقاف و اسلامی امور، دبئی نے فرمایا: کہ یہ حدیث صحیح ہے۔

(۲)۔نعمان بن ثابت ابوحنیفہ، امام اعظم: شرح قصیدۂ نعمان (درضمن انوار امام اعظم۔ از مولانا محمد منشا تابش قصوری، ص:۱۰۴۔۱۰۵)

اَنۡتَ الَّذِیۡ مِنۡ نُّوۡرِكَ الۡبَدۡرُ اكۡتَسٰی
وَالشَّمۡسُ مُشۡرِقَةٌ بِنُوۡرِ بَهَاكَا

❁۔آپ وہ ہستی ہیں کہ اگر آپ نہ ہوتے تو کوئی انسان پیدا نہ کیا جاتا، بلکہ آپ نہ ہوتے تو مخلوق ہی پیدا نہ کی جاتی۔

❁۔آپ کی ذات اقدس وہ ہے جس سے چودھویں کے چاند نے نور کی بھیک مانگی اور سورج آپ کے نور کی بدولت منور ہوا۔

شیخ سعدی شیرازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ: (متوفی ۶۹۱ھ)(۱)

ہمہ نورہا پرتو نور اوست

کلیمے کہ چرخ فلک طور اوست ہمہ نورہا پرتوِ نور اوست
تو اصلِ وجود آمدی از نخست دگر ہر چہ موجود شد فرع تست
ندانم کدامیں سخن گویمت کہ والا تری زانچہ من گویمت
چہ وصفت کند سعدی ناتمام علیک الصلوٰۃ اے نبی والسلام

❁۔آپ وہ کلیم ہیں، جس کا طور عرش مجید ہے، تمام نور آپ کے نور کے عکس ہیں۔

❁۔آپ ابتدا ہی سے وجود ممکنات کی جڑ ہیں، آپ کے علاوہ جو بھی موجود ہوا وہ آپ ہی کی شاخ ہے۔

❁۔حضور! آپ کی نعت کہنے کے لیے میرے علمی ذخیرے میں الفاظ نہیں ہیں، میں جو کچھ بھی کہوں وہ نیچے رہ جائے گا اور آپ کا مقام اس سے کہیں زیادہ بلند ہے۔

❁۔یارسول اللہ ﷺ! آپ پر صلوۃ وسلام ہو، سعدی بے چارہ آپ کی نعت کیا بیان کر سکتا ہے؟

---

(۱)۔شیخ مصلح الدین سعدی شیرازی: بوستان مترجم، (مکتبہ رحمانیہ، لاہور) ص:۹۔۱۱)

امام علامہ محمد بن سعید بوصیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ: (متوفی ۶۹۴ھ)

اَنْتَ مِصْبَاحُ کُلِّ فَضْلٍ

کَیْفَ تَرْقٰی رُقِیَّكَ الْاَنْبِیَاءُ — یَا سَمَاءً مَا طَاوَلَتْهَا سَمَاءُ

لَمْ یُسَاوُوْكَ فِیْ عُلَاكَ وَقَدْ حَا — لَ سَنًی مِّنْكَ دُوْنَهُمْ وَسَنَاءُ

اِنَّمَا مَثَّلُوْا صِفَاتِكَ لِلنَّا — سِ کَمَا مَثَّلَ النُّجُوْمَ الْمَاءُ

اَنْتَ مِصْبَاحُ کُلِّ فَضْلٍ فَمَا تَصْ — دُرُ اِلَّا عَنْ ضَوْءِكَ الْاَضْوَاءُ(۱)

۞۔ اے وہ آسمان جس کا مقابلہ کوئی آسمان نہیں کرسکتا، انبیائے کرام آپ جیسی ترقی کیسے کر سکتے ہیں؟۔

۞۔ وہ فضیلت وشرافت میں آپ کے برابر نہیں ہیں، جب کہ آپ کی روشنی اور رفعت ان کے سامنے حائل ہے۔

۞۔ جس طرح پانی ستاروں کی جھلک دکھا تا ہے، اسی طرح انبیائے کرام نے لوگوں کو آپ کی صفات کی جھلک دکھائی ہے۔

۞۔ آپ ہر فضیلت کے آفتاب ہیں، تمام روشنیاں آپ ہی کے نور سے پھوٹتی ہیں۔

امام ربّانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ:

ظہور اول وحقیقۃ الحقائق

حقیقت محمدی علیہ من الصلوات افضلها ومن التسلیمات اکملُها کہ ظہورِ اول است وحقیقۃ الحقائق است، بآن معنی کہ حقائق دیگر چہ حقائق انبیائے کرام وچہ حقائق ملائکہ عظام علیہ وعلیہم الصلاۃ والسلام کالظلال اند مراواو واو اصل حقائق است، قال علیہ وعلیٰ آلہ الصلاۃ والسلام اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ نُوْرِیْ وَقَالَ علیہ الصلاۃ والسلام خُلِقْتُ مِنْ نُّوْرِ اللّٰهِ وَالْمُؤْمِنُوْنَ مِنْ نُّوْرِیْ، پس ناچار واسطہ بود درمیان سائر حقائق ودرمیانِ حق جل وعلا، ووصول

---

(۱)۔امام بوصیری: شرح ہمزیہ از علامہ محمد شلبی، ص: ۴۔

بمطلوب احدے را بے توسط او علیه وعلی آله الصلاۃ والسلام محال باشد، فَهُوَ نَبِیُّ الْاَنْبِیَاءِ وَالْمُرْسَلِیْنَ وَارسَالُه رحمَةٌ لِلْعَالَمِیْنَ عَلَیْهِ وَعَلَیْهِمُ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسْلِیْمَاتُ، ازینجاست که انبیاء اولو العزم باوجود اصالت، تبعیتِ اومی خواہند وبآرزو داخل اُمَّتانِ او میگردند۔ کما ورد علیه وعلیهم الصلوات والتسلیمات۔ (۱)

حقیقت محمدیہ علیہ افضل الصلوات والتسلیمات ظہور اول ہے اور بایں معنی حقیقۃ الحقائق ہے کہ دوسری حقیقتیں خواہ وہ انبیائے کرام کی ہوں یا فرشتوں کی، آپ کے سایوں کی طرح ہیں، اور آپ حقائق کی اصل ہیں، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے ہمارا نور پیدا فرمایا، اور یہ بھی فرمایا کہ ہمیں اللہ کے نور سے پیدا کیا گیا اور مومن ہمارے نور سے پیدا کیے گئے ،لہذا لازمی بات ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ اور تمام حقائق کے درمیان واسطہ ہیں اور آپ کے واسطے کے بغیر کسی کا مطلوب تک پہونچنا محال ہے، اس لیے آپ نبی الانبیاء والمرسلین ہیں اور آپ کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا گیا ہے، علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والسلام، اسی لیے اولوالعزم انبیا نبی ہونے کے باوجود آپ کے تابع ہونے کے خواہاں تھے اور آپ کی امت میں داخل ہونے کی آرزو رکھتے تھے۔

امام ربّانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ:

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سایہ نہیں تھا

ہر چند بدقتِ نظر صحیفۂ ممکنات عالم را مطالعہ نمودہ می آید، وجود آں سرور دراں جا مشہود نمی گردد، بلکہ منشائے خلقت وامکانِ او علیه وعلیٰ آله الصلاۃ والسلام وجود صفاتِ اضافیہ وامکانِ شاں محسوس می گردد و چوں وجودِ آں سرور علیه وعلیٰ آله الصلاۃ والسلام در عالم ممکنات نباشد، بلکہ فوق ایں عالم باشد، ناچار اورا سایہ نبود ونیز در عالم شہادت سایۂ شخص از شخص لطیف تر است وچوں لطیف ترے از وے در عالم نباشد، او را سایہ چہ صورت دارد؟ علیه وعلیٰ آله الصلاۃ والسلام۔ (۲)

صحیفۂ کائنات کو جتنی بھی گہری نظر سے دیکھا جاتا ہے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وجود اس میں دکھائی نہیں

(۱)۔ احمد سرہندی، امام ربانی مجدد الف ثانی: مکتوبات فارسی دفتر سوم، حصہ نہم، ص: ۱۵۳۔

(۲)۔ احمد سرہندی، امام ربانی مجدد الف ثانی: مکتوبات فارسی دفتر سوم، حصہ نہم، ص: ۹۱۔ ۹۲۔

دیتا، بلکہ نبی اکرم ﷺ کی خلقت اور امکان کا منشا اللہ تعالیٰ کی صفاتِ اضافیہ کا وجود اوران کا امکان محسوس ہوتا ہے، چونکہ حضور سید کائنات ﷺ کا وجود عالم ممکنات میں نہیں، بلکہ اس کے اوپر ہے، اس لیے آپ کا سایہ ہرگز نہیں ہوگا، نیز عالم شہادت میں ہر شخص کا سایہ اس سے زیادہ لطیف ہوتا ہے اور نبی اکرم ﷺ سے زیادہ لطیف پوری کائنات میں کوئی نہیں ہے، لہذا آپ کا سایہ کس طرح ہوسکتا ہے؟

حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ:

اول و آخر وہی اصلِ وجود

باعثِ ایجادِ عالم ہے وہی　　موجبِ بنیاد آدم ہے وہی
گرنہ ہوتا پیدا وہ شاہِ نِکو　　یہ نہ ہوتا وہ نہ ہوتا، میں نہ تو
ہے وہ سرمایہ وجود کائنات　　دونوں عالم سے ہے مقصود اس کی ذات

ہے وہ بے شک میوۂ نخلِ وجود
اول وآخر وہی اصلِ وجود
حکم ان کا ہے جہاں میں سربسر
وہ یہاں آئے ہیں سب سے پیش تر

نہ پیدا ہوتا اگر احمد کا نور　　نہ ہوتا دوعالم کا ہرگز ظہور
محمد خلاصہ ہے کونین کا　　محمد وسیلہ ہے دارین کا

وہ منشا سب اسما کا ہے، وہ مصدر سب اشیاء کا ہے
وہ سرِّ ظہور وخفا کا ہے، سب دیکھ نور محمد کا
کہیں غوث ابدال کہایا ہے، کہیں قطب بھی نام دھرایا ہے
کہیں دین امام کہایا ہے، سب دیکھ نور محمد کا (۱)

(۱)۔کوکب نورانی، علامہ: نعت رنگ، کراچی شمارہ (۱۸) ص: ۴۰۸۔۴۱۰

مجاہد تحریک آزادی علامہ محمد فضل حق خیر آبادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ:

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

هُوَ اَوَّلُ النُّوْرِ السَّنِيِّ تَبَلَّجَتْ بِضِيَائِهٖ فِي الْعَالَمِ الْاَضْوَاءُ

هُوَ اَوَّلُ الْاَنْبَاءِ آخِرُهُمْ بِهٖ خُتِمَ النُّبُوَّةُ وَابْتَدَأَ الْاِبْدَاءُ

بَدْءٌ بِهٖ اَبْدَى الْمُهَيْمِنُ سِرَّهٗ فَلِاَجْلِهِ الْاِبْدَاءُ وَالْاَيْدَاءُ(۱)

❁ ۔آپ وہ پہلے اور جگمگاتے ہوئے نور ہیں جس کی روشنی سے دنیا بھر کی روشنیاں چمک اٹھیں۔

❁ ۔آپ پہلے اور آخری نبی ہیں، آپ ہی پر نبوت ختم ہوئی اور آپ کے ساتھ اس کی ابتداء ہوئی۔

❁ ۔آپ وہ پہلی مخلوق ہیں جن کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے اپنا راز بے نقاب کیا اور آپ ہی کی وجہ سے زندگی اور موت ہے۔

امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ:

تو ہے عینِ نور

شمع دل مشکوٰۃ تن، سینہ زجاجہ نور کا — تیری صورت کے لیے آیا ہے سورہ نور کا

تیری نسل پاک میں ہے بچہ بچہ نور کا — تو ہے عین نور تیرا سب گھرانہ نور کا

وضعِ واضع میں تری صورت ہے معنی نور کا — یوں مجازاً چاہیں جس کو کہہ دیں کلمہ نور کا

یہ جو مہر وماہ پر اطلاق آیا نور کا — بھیک تیرے نام کی ہے استعارہ نور ہے

کٓ گیسو، ہٰ دہن یا ابرو، آنکھیں عٓ صٓ — کھیعص ان کا ہے چہرہ نور کا (۲)

(۱) فضل حق خیر آبادی، علامہ: باغی ہندوستان (طبع مکتبہ قادریہ، لاہور، ص:۳۰۹)

(۲) احمد رضا بریلوی، امام: حدائق بخشش (روحانی پبلشرز، لاہور، ص:۱۷۴)

ڈاکٹر اقبال صاحب:

قوتِ عشق سے ہر پست کو بالا کردے
دہر میں اسمِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اجالا کردے

ہو نہ یہ پھول، تو بلبل کا ترنم بھی نہ ہو — چمنِ دہر میں ،کلیوں کا تبسّم بھی نہ ہو
یہ نہ ساقی ہو تو پھر مے بھی نہ ہو،خُم بھی نہ ہو — بزمِ توحید بھی دنیا میں نہ ہو،تم بھی نہ ہو

خیمۂ افلاک کا استادہ اسی نام سے ہے
نبضِ ہستی ،تپش آمادہ اسی نام سے ہے

دشت میں،دامن کہسار میں،میدان میں ہے — بحر میں،موج کی آغوش میں،طوفان میں ہے
چین کے شہر،مراکش کے بیابان میں ہے — اور پوشیدہ مسلمان کے ایمان میں ہے

چشمِ اقوام یہ نظارہ ابدتک دیکھے
رفعتِ شانِ "رَفَعْنَالَكَ ذِكْرَكَ" دیکھے

کی محمد سے وفا تونے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا؟ لوح و قلم تیرے ہیں(۱)

دردلِ مسلم مقامِ مصطفی است — آبروئے ما زنامِ مصطفی است
طورِ موجے از غبارِ خانہ اش — کعبہ را بیت الحرم کاشانہ اش
نسخۂ کونین را دیباجہ او — جملہ عالم بندگان وخواجہ او(۲)

---

(۱)اقبال قرآن حکیم کی روشنی میں،از قاضی محمد ظریف،ص:۳۱۳۔۳۱۴

(۲)ایضًا:ص:۳۱۱

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اردو ترجمہ کا سرِ آغاز

چشمِ افلاک یہ نظارہ ابد تک دیکھے
رفعتِ شانِ ’’رَفَعۡنَا لَكَ ذِكۡرَكَ‘‘ دیکھے

لیجیے محافلِ میلادِ مصطفیٰ ﷺ کی زینت بننے والی ’’حدیث نور‘‘ اور سرکار دوعالم ﷺ کے نزدیک سائے کی نفی کرنے والی روایت اپنی صحیح سند اور پوری آب وتاب کے ساتھ آپ کے سامنے ہے، اب کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکے گا کہ اس حدیث کی سند دکھاؤ اور یہ مطالبہ بھی نہیں کر سکے گا کہ یہ لیجیے مُصنّف عبد الرزّاق اور اس میں دکھایئے کہ ’’حدیث نور‘‘ کہاں ہے؟ اور نفی سایہ والی روایت کہاں ہے؟

میں بجا طور سمجھتا ہوں کہ خوشی کے اس موقع پر تمام اہل محبت کو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کے لیے کم از کم دو رکعت نفل ادا کرنے چاہییں۔

مصنف عبدالرزاق کا نسخہ ۱۹۷۰ء میں بیروت میں چھپا، جس پر ہندوستان کے ایک دیوبندی عالم حبیب الرحمٰن اعظمی نے تحقیق کی تھی، ۱۹۷۵ء کے لگ بھگ کوچہ غوشیہ، نواں بازار، لاہور کے ایک مکتبے کے مالک نے یہ کتاب منگوائی اور اس کے آنے سے پہلے اس نے کہا تھا کہ بریلوی ’’حدیثِ نور‘‘ کے سلسلے میں مصنّف عبدالرزاق کا حوالہ دیتے تھے، اب کھل جائے گا کہ یہ سچے ہیں یا جھوٹے؟ اس کے بعد ایک طبقے نے تحریر وتقریر کے ذریعے اس مطالبے کو خوب اچھالا کہ اس حدیث کی سند کیا ہے؟ اور اس کا حوالہ کہاں ہے؟

اس لیے راقم کو اس حوالے کی جستجو تھی، کیوں کہ جلیل القدر ائمہ نے اس حدیث کو نقل اور قبول کیا تھا، ان کے بارے میں یہ سوچنا بھی جرم تھا کہ انہوں نے جھوٹ بولا ہوگا۔ پھر بیروت سے جو کتاب چھپ کر آئی تھی وہ مکمل نہیں بلکہ ناقص تھی، جس کا اعتراف خود تحقیق کرنے والے نے کیا تھا، چناں چہ راقم نے مختلف فضلا سے بالمشافہہ دریافت کیا اور بعض سے بذریعہ مکتوب گزارش کی کہ مصنّف کے کسی قلمی نسخے کی نشان دہی کریں جس میں ’’حدیثِ نور‘‘ موجود ہو، لیکن کہیں سے مقصد برآری نہ ہوسکی، ایک دفعہ راقم اسلام آباد گیا، ادارۂ تحقیقاتِ اسلامی کی لائبریری میں حاضر ہوا، وہاں مصنف کے قلمی نسخے کی فوٹو کاپی

موجود تھی لیکن اس میں یہ حدیث نہیں ملی۔

ڈاکٹر قمر النساء، حیدر آباد دکن، ڈاکٹر محمد عبدالستار شکاگو، امریکہ، شیخ محمد یوسف الحوت، بیروت، جامعۂ ازہر میں زیر تعلیم ڈاکٹر عبدالواحد، اور عزیزم ڈاکٹر ممتاز احمد سدیدی ازہری کو لکھا کہ آپ دارالکتب المصریہ ،قاہرہ سے معلوم کریں، لیکن کہیں سے مثبت جواب نہ ملا۔ عالمی مبلغ اسلام پیر طریقت سید یوسف سید ہاشم رفاعی مدظلہ العالی کو ایک ملاقات میں عرض کیا کہ سنا ہے صنعاء یمن میں ایک شخص کے پاس امام عبدالرزاق کا قلمی نسخہ موجود ہے، آپ اس سے معلوم کریں، انہوں نے فرمایا وہ شخص مخطوط دکھاتا ہی نہیں ہے۔

خانیوال کے ایک حکیم صاحب نے بتایا کہ میں بغداد شریف سے اس حدیث کی فوٹو کاپی لایا ہوں، لیکن بار بار کے تقاضوں کے باوجود فوٹو کاپی دیکھنے کو نہ ملی، یہاں تک کہ وہ صاحب دنیا ہی سے رخصت ہو گئے، ایک معروف دانشور اور فاضل نے فرمایا کہ مصنَّف کا قلمی نسخہ مدینہ منورہ یونیورسٹی کی لائبریری میں موجود ہے اور اس میں حدیث نور بھی موجود ہے، میں اس کی فوٹو کاپی لایا ہوں، لیکن کہیں رکھ کر بھول گیا ہوں، کچھ عرصے کے بعد معلوم ہوا کہ وہ عمرہ کرنے جارہے ہیں، راقم نے عرض کیا کہ حدیث نور کی فوٹو کاپی لانا نہ بھولیں، چند دنوں کے بعد مجھے معلوم ہوا کہ وہ عمرہ کی سعادت حاصل کر کے واپس آ گئے ہیں، میں نے انہیں فون کیا رابطہ قائم ہونے پر بغیر کسی تمہید کے پوچھا کہ حدیث شریف کی فوٹو کاپی لائے؟ انہوں نے فرمایا: جس دن میں مدینہ منورہ حاضر ہوا اس دن یونیورسٹی میں چھٹی تھی، اس سے اگلے روز میں نے آگے سفر پر روانہ ہونا تھا، اس لیے نہ لا سکا۔ بات آئی گئی ہو گئی۔

اللہ تعالیٰ کی عنایت سے ۱۹۹۴ء میں مجھے حرمین شریفین کی حاضری کی سعادت میسر ہوئی، راقم مدینہ یونیورسٹی لائبریری کے ڈائریکٹر سے جا کر ملا اور ان سے مصنَّف کے مخطوط کی زیارت کی خواہش کا اظہار کیا، انہوں نے پوچھا کہ اسے کیوں دیکھنا چاہتے ہیں؟ میں نے بتایا کہ مصنَّف کا چھپا ہوا نسخہ نامکمل ہے ، میں دیکھنا چاہتا ہوں کہ یہ نسخہ مکمل ہے یا نہیں؟ انہوں نے اپنے عملے سے پوچھا تو انہوں نے جواب دیا کہ ہمارے پاس مصنَّف کا مخطوط موجود ہی نہیں ہے۔ پھر ڈائریکٹر صاحب نے مدینہ منورہ کے محدث شیخ حماد انصاری کو فون کر کے پوچھا کہ پاکستان کے کچھ لوگ مصنَّف کا مخطوط دیکھنا چاہتے ہیں، کیا ہماری لائبریری میں وہ مخطوط موجود ہے؟ تو انہوں نے کہا: نہیں۔

اس سے آپ راقم کے اشتیاق کا اندازہ کر سکتے ہیں، میری طرح نہ جانے کتنے اہل محبت بے چین

کے ساتھ گم گشتہ ''حدیث نور'' کی زیارت کے مشتاق تھے۔اور یہ بھی اندازہ کر سکتے ہیں کہ اہل سنت وجماعت اس حدیث کے ملنے پر کتنے مسرور ہوئے ہیں؟

اتنے طویل عرصہ کی تلاش اور جستجو کے بعد اس حدیث شریف کے ملنے کی جو سرکارِ دوعالم ﷺ کے دیوانوں کی خوشی ہو رہی ہے، وہ پینتیس سال پہلے چھپ جانے کی صورت میں نہ ہوتی، کسی چیز کی طلب جتنی شدید اور طویل ہو اس کے ملنے پر اتنی ہی زیادہ خوشی ہوتی ہے۔

چشمِ افلاک یہ نظارہ ابد تک دیکھے
رفعتِ شانِ ''رَفَعۡنَا لَكَ ذِكۡرَكَ'' دیکھے

جناب سید محمد عارف مہجور رضوی، گجرات نے مصنَّف کے دست یاب ہونے والے ابواب کا تاریخی مادہ ''مخزن حدیث جابر'' (۱۴۲۵ھ) تخریج کیا ہے اور درج ذیل قطعہ لکھ کر اپنی مسرت کا اظہار کیا ہے:

مل گیا ماخذ حدیث نور کا منکرین مصطفےٰ نادم ہوئے
پوچھیے نہ ولولہ مہجور کا (۱) اہلِ ایماں کی خوشی ہے دیدنی

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پیر خانے، خانقاہ عالیہ مارہرہ کے سجادہ نشین حضرت مولانا سید محمد امین میاں دامت برکاتہم العالیہ اور مجاہد اسلام جناب حاجی محمد رفیق برکاتی مدظلہ کی کوششیں مصنَّف کے مخطوطہ کے حاصل کرنے کے سلسلے میں لائق صد تحسین ہیں اور ڈاکٹر عیسیٰ مانع دامت برکاتہم العالیہ، سابق ڈائریکٹر محکمہ اوقاف وامور اسلامی، دبئی نے دس گم شدہ ابواب پر فاضلانہ حواشی اور مقدمہ تحریر کیا اس پر وہ تمام ملت اسلامیہ کے شکریے کے مستحق ہیں، یہ مخطوطہ جو افغانستان کے ایک تاجر کتب سے دست یاب ہوا ہے وہ ۹۳۳ھ میں شیخ اسحاق بن عبدالرحمٰن سلمانی نے بغداد شریف میں لکھا تھا، ڈاکٹر عیسیٰ مانع کے مقدمہ اور حواشی کے ساتھ پہلے بیروت سے شائع ہوا، پھر مؤسسۃ الشرف، لاہور نے اسے شائع کرنے کی سعادت حاصل کی اور اب اس کا ترجمہ شائع کر کے اردو خوان حضرات کی علمی ضیافت طبع کے لیے پیش کر رہا ہے۔

فاضل علامہ مفتی محمد خان قادری زید مجدہ نے بیروت کا چھپا ہوا نسخہ ہمیں فراہم کیا، ڈاکٹر ممتاز احمد

(۱) ماہنامہ رضائے مصطفےٰ، شمارہ جنوری ۲۰۰۶، ص: ۹۔

سدیدی ازہری، اسسٹنٹ پروفیسر ڈی یونیورسٹی، آف فیصل آباد اور عزیزم حافظ نثار احمد قادری نے دن رات کی محنت سے اسے شائع کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کارِ خیر میں حصہ لینے والے حضرات واحباب کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین۔

حدیثِ نور کانفرنس (۱۵؍جنوری ۲۰۰۶ء بروز اتوار)

جامعہ اسلامیہ لاہور، ایچی سن ہاؤسنگ سوسائٹی، ٹھوکر نیاز بیگ، لاہور

ارشاد ربانی ہے: قَدْ جَاۗءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ۔ (المائدہ: ۱۵/۵)

سرکار دوعالم ﷺ کی والدہ ماجدہ سیدہ آمنہ فرماتی ہیں: خَرَجَ مِنِّیْ نُوْرٌ۔ (مجھ سے ایک عظیم نور برآمد ہوا) خود سرکار دوعالم ﷺ فرماتے ہیں: اے جابر! سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے جو چیز پیدا کی وہ تمہارے نبی کا نور تھا، جب کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ہی کی زبان اقدس سے "اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ" ہم ظاہری صورت کے اعتبار سے تمہاری طرح انسان ہی ہیں۔ لیکن ظلمت پرستوں کو یہ نور ایک آنکھ نہ بھایا اور اسلام کے دشمنوں نے اس نور کے بجھانے کے لیے اپنی تمام توانائیاں صرف کر دیں۔

ارشادِ ربّانی ہے:

يُرِيْدُوْنَ لِيُطْفِـُٔـوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ۔

نورِ خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن
پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

بقول اقبال یہ جنگ ابتدا سے چلی آ رہی ہے۔

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغ مصطفوی سے شرار بولہبی

یہی وجہ ہے کہ ابن سبا کی ذرّیت نے جہاں اسلام کو گزند پہونچانے کے لیے دوسرے حربے استعمال کیے، وہاں حضور سید عالم ﷺ کی محبت وعظمت کم کرنے بلکہ ختم کرنے کے لیے بھی مختلف ہتھکنڈے استعمال کیے، اقبال کہتے ہیں کہ اسلام دشمن قوتوں کا پروگرام یہ تھا۔

وہ فاقہ کش جو موت سے ڈرتا نہیں ذرا
روحِ محمد اس کے بدن سے نکال دو

عظمتِ مصطفیٰ ﷺ، آپ کی نورانیت اور آپ کے اول مخلوق ہونے اور آپ کے بے سایہ ہونے کو بیان کرنے والی احادیث کا حدیث شریف کے اہم ماخذ مصنَّف عبد الرزّاق سے غائب کر دینے کو کسی طور پر بھی اتفاقی حادثہ تسلیم نہیں کیا جاسکتا، بلکہ یہ غیر مسلم قوتوں کی بین الاقوامی سازش کا حصّہ ہے، اس کے لیے لمبے سوچ بچار کی ضرورت نہیں، معمولی غور وفکر سے یہ سازش طشت از بام ہوجاتی ہے، ہندوستان کے مولوی حبیب الرحمٰن اعظمی نے مصنّف عبدالرزاق کو ایڈٹ کر کے چھپوایا تو ان کے سامنے مصنّف کے تین قلمی نسخے تھے اور تینوں ابتدا سے ناقص تھے، مصر کے ایمن ازہری نے اسے ایڈٹ کر کے چھپوایا، ان کو بھی ایسے نسخے ملے جو ابتدا سے ناقص تھے، برکاتی فاؤنڈیشن کراچی کے چیرمین جناب حاجی محمد رفیق برکاتی نے بتایا کہ ہمیں معلوم ہوا کہ ترکی کے میوزیم میں مصنّف کا قلمی نسخہ موجود ہے اور ہفتے میں ایک دن اسے دیکھنے کی اجازت دی جاتی ہے، وہاں رابطہ کیا تو یہ تلخ حقیقت سامنے آئی کہ اس کی ابتدا سے ۳۵ صفحات غائب ہیں، کیا کوئی شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ یہ سب اتفاقی حادثات ہیں؟

شاید آپ کے دل ودماغ کے کسی گوشے میں کچھ خلجان باقی ہو، لیکن ایک نئی اور حیران کن خبر پڑھنے کے بعد آپ کا کوئی تحفظ باقی نہ رہے گا۔

یہ خبر حاجی محمد رفیق برکاتی نے جامعہ اسلامیہ، اِتچیسن سوسائٹی، رائیونڈ روڈ لاہور میں ۱۵؍جنوری ۲۰۰۶ء کو مفتی محمد خان قادری حفظہ اللہ تعالیٰ کے زیرِ اہتمام منعقد ہونے والی ''حدیث نور کانفرنس'' میں خطاب کرتے ہوئے بیان کی، آیئے ان ہی کی زبانی سنتے ہیں۔

میرے پیرومرشد ڈاکٹر سید محمد امین میاں دامت برکاتہم العالیہ سجادہ نشین مارہرہ شریف میرے پاس دبئی تشریف لائے ہوئے تھے، جمعرات کے دن ہم نے رات کے وقت نعت خوانی کا پروگرام بنایا ، ساتھ ہی ہم نے ڈاکٹر عیسیٰ مانع، سابق ڈائریکٹر محکمہ اوقاف، دبئی کو بھی دعوت دے دی، اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس کریم کی عنایت عظیمہ کا کرشمہ دیکھیے کہ ایک افغانی تاجر میرے پاس آیا اور کہنے لگا آپ نے مصنّف عبدالرزاق کا مخطوطہ طلب کیا تھا، میں وہ آپ کے لیے لے کر آیا ہوں، پوچھا کہ اس کا ہدیہ کیا ہے؟ کہنے لگا دس لاکھ پاکستانی روپیے، میں نے کہا یہ تو بہت زیادہ رقم ہے، میں تمہیں چار لاکھ روپیے

دے سکتا ہوں اور وہ بھی کل دوں گا اگر میرے پیر صاحب نے اس مخطوطے کے خریدنے کا حکم دیا۔
کہنے لگا: حاجی صاحب! اگر میں یہ مخطوطہ فلاں شخص کے پاس لے جاتا تو وہ مجھے نقد چھ لاکھ روپئے دے دیتا، میں نے حیران ہو کر پوچھا کہ وہ اسے لے کر کیا کرتا؟ کہنے لگا: وہ اسے نذر آتش کر دیتا۔ میں نے پوچھا کہ پھر تم اس کے پاس لے کر کیوں نہیں گئے؟ کہنے لگا: میرا ضمیر اس پر آمادہ نہیں ہوسکا۔
کیا اس کے بعد بھی آپ کے ذہن میں بین الاقوامی سازش کے بارے میں کوئی شک باقی رہ گیا ہے؟
حاجی محمد رفیق برکاتی نے فرمایا کہ میں نے وہ مخطوط لے لیا، وہ مصنّف کی پہلی دو جلدیں تھیں جو میں نے لا کر حضرت سید محمد امین میاں کی خدمت میں پیش کر دیں، انہوں نے دیکھ کر فرمایا کہ انہیں سنبھال کر رکھ لو، رات کو ڈاکٹر عیسیٰ مانع بھی آگئے محفل نعت خوانی کے بعد، حضرت سید محمد امین میاں نے فرمایا کہ وہ مخطوطہ لا کر ڈاکٹر عیسیٰ مانع کو دکھاؤ، انہیں دکھایا تو انہوں نے بڑی بے دلی سے اسے دیکھا اور کہا ”ما فی“ اس میں وہ حدیث نہیں ہوگی، تاہم انہوں نے ابتدا سے دو چار صفحے پڑھے تو جھومتے ہوئے سجدے میں چلے گئے، اور جب ان کا سجدہ غیر معمولی طویل ہو گیا تو میں نے انہیں پکڑ کر اٹھایا اور پوچھا کیا بات ہے؟ وہ اٹھ کر مجھ سے لپٹ گئے اور عربوں کے انداز کے مطابق میری پیشانی پر بوسوں کی بوچھاڑ کر دی، کہنے لگے حاجی رفیق! مبارک ہو اس میں ”حدیث نور“ موجود ہے۔ (حاجی صاحب کی گفتگو ختم)
اس کے بعد ڈاکٹر عیسیٰ مانع نے مصنّف کے دس گم شدہ ابواب پر فاضلانہ حواشی لکھے اور مقدمہ سپرد قلم کیا اور اس حصے کو بیروت سے چھپوادیا، مکتبہ ”مؤسسۃ الشرف“ نے اس کا عکس لے کر شائع کر دیا اور اب اس کا اردو ترجمہ آپ کے ہاتھوں میں ہے۔
اسی دن صبح نو بجے جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور میں دو منزلہ لائبریری کا افتتاح ہوا جس میں حاجی محمد رفیق برکاتی کے علاوہ شام کے مشہور علمی اور روحانی خانوادے کے چشم و چراغ سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد امجاد میں سے ایک محقق عالم ڈاکٹر شہاب الدین فرفور مدظلہ العالی بھی شریک ہوئے اور انہوں نے ”حدیث نور“ کے دست یاب ہونے پر انتہائی مسرت کا اظہار کیا پھر ”حدیث نور کانفرنس“ میں بھی شریک ہو کر خطاب کیا۔
حقیقت یہ ہے کہ ظلمت پرستوں کی کاروائی اگر ہم جیسے کمزور اور بے مایہ انسانوں کے خلاف ہوتی تو ضرور کامیاب ہو جاتی، لیکن وہ منشائے خداوندی سے ٹکر لے بیٹھے تھے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کی

ناک کو خاک آلود کر کے نورانیت مصطفیٰ ﷺ کی شعاعیں پوری دنیا میں بکھیر دیں اور بتا دیا کہ:

پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

الحمد للہ حمدًا طیبًا مبارکًا کما یلیق بشانہ العظیم

محمد عبدالحکیم شرف قادری

۲۶/ذی الحجہ ۱۴۲۶ھ مطابق ۲۷/جنوری ۲۰۰۶ء

دوسرے عربی ایڈیشن کا پیش لفظ

تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے جس نے حبیب کبریا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو تمام انبیاء اور مرسلین پر فضیلت عطا کی اور آپ کو وہ کمالات وفضائل عطا کیے جو نہ تو پہلوں میں سے کسی کو عطا کیے گئے اور نہ ہی بعد والوں میں سے کسی کو عطا کیے جائیں گے اور اللہ تعالیٰ کے افضل واکمل درود وسلام نازل ہوں کائنات کی افضل ترین ہستی، آپ کی آل پاک، صحابۂ کرام اور آپ کی ملت کے تمام علما پر۔

امّا بعد! حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت کردہ ''حدیث نور'' زمانۂ ماضی اور موجودہ دور کے علما میں مشہور ومعروف تھی، عرب وعجم کے علما نے اسے بغیر کسی اعتراض کے اپنی کتابوں میں بیان کیا تھا، راقم الحروف نے اپنی کتاب ''من عقائد اہل السنۃ'' میں (جس کا اردو ترجمہ ''عقائد ونظریات'' کے نام سے چھپ چکا ہے) نورانیتِ مصطفیٰ ﷺ کے موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے ان علما کے کثیر تعداد میں حوالے درج کیے ہیں جنہوں نے اس حدیث کو قبول کیا ہے۔ اسی طرح حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت کہ نبی اکرم ﷺ کا سایہ نہیں تھا، متقدمین اور متاخرین علما میں معروف متداول تھی۔

باجودیکہ جلیل القدر علما وفضلا نے ان احادیث کو قبول کیا اور انہیں اپنی تحریر اور تقریر کی زینت بنایا ہے، بعض حلقوں کی طرف سے ان کے خلاف بہت لے دے کی گئی، اس کی وجہ یہ تھی کہ ان احادیث کی سند معلوم نہیں تھی، کیونکہ نامور حافظ الحدیث، محدث جلیل امام ابوحنیفہ اور امام مالک کے شاگرد، امام احمد بن حنبل کے استاذ اور امام بخاری کے استاذ الاستاذ امام عبدالرزاق بن ہمام حمیری صنعانی یمنی کی حدیث شریف کے موضوع پر مشہور آفاق کتاب ''مصنَّف'' شیخ حبیب الرحمٰن اعظمی کی تحقیق کے ساتھ

۱۳۹۰ھ، ۱۹۷۰ء میں شائع ہوئی، لیکن یہ کتاب نامکمل تھی، اس میں دس ابواب کی کمی تھی، کیوں کہ بقول ان کے دست یاب ہی نہیں ہو سکے تھے، ان ہی دس ابواب میں پہلا باب بھی ناپید تھا، جس کا عنوان ہے "باب فی تخلیق نور محمد ﷺ" اسی باب میں نمبر ۴ پر نفی سایہ کی حدیث اور نمبر ۱۸ پر حدیث نور تھی۔

بہت سے علمانے دنیائے اسلام کے مختلف شہروں میں "مصنّف" کا مکمل نسخہ تلاش کرنے کی کوشش کی، لیکن ان کی سرتوڑ کوششیں کامیابی سے ہمکنار نہ ہو سکیں، اللہ الحمد! کہ یہ قابل صد رشک سعادت فاضل جلیل ڈاکٹر عیسیٰ مانع حِمْیَری مدظلہ العالی، سابق ڈائرکٹر محکمہ اوقاف و امور اسلامیہ، دبئی و پرنسپل امام مالک کالج برائے شریعت و قانون دبئی کے حصے میں آئی کہ وہ "مصنّف" کا نادر و نایاب اور ابتدا سے مکمل نسخہ حاصل کرنے میں کامیاب ہوگئے۔ یہ عظیم نعمت انہیں بیٹھے بٹھائے حاصل نہیں ہوگئی، بلکہ مصنّف کا مخطوطہ حاصل کرنے کے لیے انہوں نے بڑی جد و جہد کی، اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعائیں مانگیں، تب اللہ تعالیٰ نے ان کا دامن گوہر مراد سے بھر دیا۔

اس مخطوطے کے حاصل کرنے کے لیے انہوں نے کتنی کوشش کی؟ اس کے بارے میں وہ خود فرماتے ہیں:

"اس مخطوط کو جگہ جگہ تلاش کرنا میرا باقاعدہ مشغلہ بن گیا تھا، اس کے ساتھ ساتھ میں بابرکت دنوں، رحمت و قبولیت کے مقامات اور اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کی موجودگی میں مسلسل دعائیں مانگتا رہا خصوصًا نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مواجہۂ عالیہ میں حاضر ہو کر دعا کرتا رہا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں ہندوستان کے ایک مرد صالح (یکے از اولیائے کرام) اور ہمارے دینی بھائی ڈاکٹر سید محمد امین میاں قادری حفظہ اللہ تعالیٰ (۱) کے ذریعے مصنّف عبدالرزاق کا یہ نادر و نایاب مخطوطہ اور خاص طور پر اس کی پہلی اور دوسری جلد بطور تحفہ عطا فرمادی"۔

فضیلۃ الشیخ عیسیٰ مانع حمیری نے اس مخطوطہ پر تحقیق کرتے ہوئے علوم حدیث میں کمال مہارت کا مظاہرہ کیا ہے، جس کا اندازہ بیروت سے چھپنے والی کتاب کے مطالعہ سے ہوتا ہے، اس کا نام ہے:

---

(۱) حضرت پیر طریقت سید محمد امین میاں قادری مدظلہ العالی امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ العزیز کے پیر خانے اور ہندوستان میں سلسلۂ عالیہ قادریہ کی سب سے بڑی درگاہ شریف مارہرہ مقدسہ کے سجادہ نشین اور علی گڑھ یونیورسٹی کے پروفیسر ہیں۔ ۱۲ اشرف قادری

''الجزء المفقود من الجزء الاول من المصنّف''۔

مصنّف عبدالرزاق کی پہلی جلد کا گم گشتہ حصہ

ڈاکٹر عیسیٰ مانع نے حضرت جابر کی روایت کردہ ''حدیث نور'' کا دفاع کرتے ہوئے درج ذیل عنوان کے تحت فاضلانہ گفتگو کی ہے:

قول علماء الشان

فِی مَن وصم حدیث جابر برکاکۃ الالفاظ والبیان۔

حدیث جابر پر الفاظ کی کمزوری کا اعتراض کرنے والوں کے بارے میں اکابر علماء کے ارشادات۔

''مؤسسۃ الشرف'' لاہور کی خوش بختی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے اس کتاب کا عربی ایڈیشن اور اردو ترجمہ شائع کرنے کی توفیق عطا فرمائی ہے۔ہم فاضل علامہ مفتی محمد خان قادری حفظہ اللہ تعالیٰ کا شکریہ ادا کرتے ہیں کہ انہوں نے ہمیں یہ نسخہ اشاعت کے لیے فراہم کیا۔

اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا ہے کہ ڈاکٹر عیسیٰ مانع کی اس کوشش کو قبول فرمائے، قیامت کے دن اس کوشش کو ان کی نیکیوں کے پلڑے میں شامل فرمائے اور انہیں علم اور حدیث شریف کی طرف سے ہر طرح کی خیر و برکت عطا فرمائے، اسی طرح ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب کو مسلمانوں کے اتحاد و اتفاق کا ذریعہ بنائے۔ بے شک وہ جو چاہے کرے اور دعا کو قبول کرنا اس کی شان کے لائق ہے، یقیناً وہ بہترین کارساز اور بہترین مددگار ہے۔

محمد عبدالحکیم شرف قادری

سابق شیخ الحدیث جامعہ نظامیہ رضویہ

لاہور، (پاکستان)

۸/ذی قعدہ ۱۴۲۶ھ، ۱۱/دسمبر، ۲۰۰۵ء

امام عبدالرزاق صنعانی

تک ڈاکٹر عیسیٰ مانع کی سند

(۱)۔ میں اللہ تعالیٰ کے فضل سے امام عبدالرزاق بن ہمام کی ''مصنّف'' کی روایت کرتا ہوں۔ اپنے شیخ، محدث، عارف، علامہ سید عبدالعزیز بن صدیق حسینی سے وہ روایت کرتے ہیں مسند عصر علامہ سید عبدالحی ابن عبدالکریم کتّانی حسنی سے۔

(۲)۔ اپنے شیخ اور مقتدا، شیخ الحرمین الشریفین، طلبا نواز، عظیم مبلغ سیدی سید محمد بن علوی مالکی علوی مالکی حسنی مکی سے، وہ روایت کرتے ہیں اپنے والد علامہ سید علوی ابن عباس مالکی سے اور وہ سید عبدالحی کتانی سے۔

(۳) اپنے شیخ علامہ محقق عبدالفتاح ابوغدّہ حلبی سے وہ علامۂ کبیر محمد زاہد الکوثری سے، وہ سید عبدالحی کتّانی سے وہ حسن حمزاوی اور فالح بن محمد ظاہری مدنی سے وہ دونوں علی بن عبدالحق القوصی سے وہ امیر کبیر سے، وہ شہاب الدین احمد جوہری اور شہاب الدین احمد ملوی سے وہ عبداللہ ابن سالم بصری سے وہ علی زیادی سے وہ شہاب الدین رملی سے، وہ سخاوی سے، وہ حافظ ابن حجر عسقلانی سے، وہ ابوالفرج عبدالرحمٰن غزّی سے، وہ یونس دبوسی سے، وہ ابوالحسن علی بن حسین سے، وہ حافظ سلامی سے، وہ عبدالوہاب بن منک سے، وہ محمد بن عمر کوبکی سے، وہ ابوالقاسم طبرانی سے، وہ ابواسحاق ابراہیم دبری سے اور وہ صاحبِ مصنّف امام عبدالرزاق ابن ہمام صنعانی سے روایت کرتے ہیں رحمہم اللہ تعالیٰ۔

مترجم (شرف قادری) کی سند امام عبدالرزّاق تک

فقیر قادری کی متعدد سندیں محدث مغرب علامہ سید محمد عبدالحی کتّانی رحمہ اللہ تعالیٰ تک پہونچتی ہیں ،ان کے بعد امام عبدالرزاق تک وہی سند ہے جو ڈاکٹر عیسیٰ مانع مدظلہ العالی نے بیان کی ہے۔ فقیر کو اجازت ہے۔ ان حضرات سے:

(۱)۔ علامہ حسن بن محمد بن الصدیق حسنی غماری۔

(۲)۔ شیخ محمد علی مراد حموی شامی

(۳)۔ شیخ عبدالرحمٰن بن ابی بکر مُلّا

(۴)۔ محدث علامہ محمد الحافظ عبداللطیف تیجانی۔ یہ چاروں حضرات محدث مغرب سید محمد عبدالحی کتّانی سے روایت کرتے ہیں۔

(۵)۔ سید محمد علوی مالکی اپنے والد ماجد سید علوی ابن عباس مالکی سے وہ روایت کرتے ہیں محدث مغرب شیخ سید محمد عبدالحی کتّانی سے۔

(۶)۔ شیخ محمد تیسیر بن توفیق مخزومی دمشقی وہ شیخ عبدالرحمٰن بن احمد الہاشم الحسنی الاحسائی سے وہ روایت کرتے ہیں محدث مغرب شیخ سید محمد عبدالحی کتّانی سے۔

(۷)۔ شیخ احمد محمد الحافظ عبداللطیف تیجانی، وہ محمد الحبیب سوڈانی سے اور وہ روایت کرتے ہیں محدث مغرب شیخ سید محمد عبدالحی کتّانی سے۔

(۸)۔ محمد ابراہیم عبدالباعث حسنی کتّانی مصری وہ شیخ عبداللہ محمد الصدیق غماری سے وہ روایت کرتے ہیں محدث مغرب شیخ سید محمد عبدالحی کتّانی سے۔

(۹)۔ شیخ محمد ہاشم محمود سیوطی وہ روایت کرتے ہیں شیخ عبدالفتاح ابوغدّہ سے وہ روایت کرتے ہیں محدث مغرب شیخ سید محمد عبدالحی کتّانی سے۔

(۱۰)۔ شیخ صلاح الدین تیجانی وہ شیخ محمد الحافظ عبداللطیف تیجانی سے وہ روایت کرتے ہیں محدث مغرب شیخ سید محمد عبدالحی کتّانی سے۔

محدث جلیل، ڈاکٹر محمود سعید ممدوح مصری شافعی مدظلہ العالی کی تقریظ

تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے اور صلوٰۃ وسلام ہو ہمارے آقا محمد رسول اللہ ﷺ اور آپ کی آل اور آپ کے محبین پر اور اللہ تعالیٰ آپ کے صحابۂ کرام اور آپ کی ہدایت پر عمل پیرا ہونے والوں سے راضی ہو۔

امّا بعدُ: امام عبدالرزاق بن ہمام صنعانی کی شہرۂ آفاق تصنیف ''مصنَّف'' حدیث شریف کی معتمد اور بنیادی کتابوں میں سے ہے، جسے سوار حاصل کرکے دور و دراز کے ملکوں میں لے گئے کیوں کہ اس

کے مصنف ثقہ ہیں اوران مقام بلند ہے،ان کی سندیں مضبوط ہیں اورانہوں نے مرفوع اورموقوف روایات کوجمع کیا ہے۔

یہ مکمل کتاب حبیب الرحمٰن اعظمی متوفی ۱۴۱۲ھ کی تحقیق کے ساتھ چھپی تھی،لیکن اس کی ابتدا سے کچھ حصہ چھپنے سے رہ گیا تھا۔

ایک عرصہ سے علمااورخاص طور پر محدثین کی آرزو تھی کہ کاش یہ کتاب مکمل چھپ جائے،اسے چھپے ہوئے تیس سال سے زیادہ عرصہ ہو چکا ہے، کیونکہ یہ ۱۳۹۰ھ میں چھپی تھی،(اوراب تک نامکمل تھی)اللہ تعالیٰ نے یہ فضیلت میرے دینی بھائی،علم شریف کے خادم اور مبلغ،فضیلۃ الشیخ،ڈاکٹر عیسیٰ ابن عبداللہ ابن محمد بن مانع حمیری،سابق ڈائریکٹر محکمہ اوقاف وامور اسلامیہ،دبئ اورامام مالک کالج برائے شریعت وقانون،دبئ کے پرنسپل کے لیے رکھی ہوئی تھی۔چنانچہ وہ مصنّف کا گم شدہ حصہ حاصل کرنے میں کامیاب ہوگئے،میں نے اس کا مخطوط ان کے دفتر میں دیکھا ہے،ڈاکٹر صاحب نے اپنی تحقیق کے مقدمے میں مخطوط کی کیفیت بھی بیان کی ہے،جس سے اس کا مستند ہونا ثابت ہوتا ہے۔فضیلۃ الدکتور عیسیٰ ابن عبداللہ ابن محمد مانع حمیری نے اس گم گشتہ حصے کونقل کیا،اس پر حاشیہ لکھا اوراس کی روایات پر اصول حدیث کے مطابق حکم لگایا،اوراس کے مشکل الفاظ کا مطلب بیان کیا،اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر عطا فرمائے،انہیں اپنی نعمتوں سے نوازے اوران کا سینہ ہر نیک کام کے لیے کھول دے،بلاشبہہ ان کی کوشش شکریئے کے لائق ہے،انہوں نے خوب کام کیا ہے۔

تحریر: خادم الحدیث الشریف

ڈاکٹر محمود سعید ممدوح، دبئ

اللہ تعالیٰ اس کی اورتمام مسلمانوں کی مغفرت فرمائے۔

۲۲/ربیع الآخر ۱۴۲۶ھ

تقریظ

ڈاکٹر شہاب الدین فرفور الحسنی

بِسۡمِ الۡفَتَّاحِ الۡعَلِيۡمِ

تمام تعریفیں اس ذات کے لیے ہیں جس نے تاریکیوں میں علمی مراکز کو روشنی کا منبع بنایا، اور سخت سیاہ راتوں کی تاریکیوں میں اہل علم کو چمکتے چراغ بنایا، ہم اللہ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہمارے لیے لائبریریوں اور کتاب کو ایسا بنادے جیسے کائنات میں انسان کی پسندیدہ ترین چیز، اور ہم رب کریم کی بارگاہ میں نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا واسطہ دے کر سوال کرتے ہیں کہ وہ ہمارے دلوں کو اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نور کے ساتھ روشن اور تابناک کردے، تاکہ ہم اس قابل ہوسکیں کہ علم کے طالب ہمارے پاس آئیں، اور ہم کسی کو کچھ دے سکیں۔

اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا اور سرور کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر درود وسلام کے بعد میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ: لوگوں کے درمیان یہ بات مشہور ہوچکی ہے کہ معاشروں کی ذہنی سطح بلند کرنے اور دنیا بھر کے ممالک کی تہذیب سازی میں اصل کردار کتب خانوں کا ہے، اور یہ بھی کہ جو ملک کتب خانوں سے خالی ہوگا وہ پسماندہ کہلائے گا۔

لیکن بات یہ نہیں کیونکہ کتاب تو علمی افکار کا مجموعہ ہے اور اس کے ساتھ کوئی توجہ دلانے ہاتھ پکڑ کر چلانے اور توازن سے ہمکنار کرنے والا نہیں ہوتا، اور کتاب کا فہم باعمل اور سراپا نور علما کے بغیر حاصل کرنا ممکن نہیں، اور اس بات کی دلیل یہ ہے کہ کتاب میں کتابت کی غلطی کا ادراک صرف مردان کار کی عقول ہی کرسکتی ہیں، اسی بنا پر ہم کہتے ہیں کہ علما کے سینے ہی ممالک کی تہذیب کے سرچشمے ہیں، مگر انسانی عقل بھی اللہ تعالیٰ کی ایک مخلوق ہے، اور کمزوری، بے بسی اور بھول مخلوق کی خصوصیات میں سے ہیں، اس لیے کتب خانوں کا وجود ضروری تھا تاکہ اگر عقل کو نسیان لاحق ہو تو اس آفت سے بچا جا سکے۔

عقل اپنے اس مرتبہ ومقام سے محروم ہوچکی ہے جس پر وہ ماضی میں فائز تھی اور وہ مرتبہ ومقام کسی چیز کو دل ودماغ میں محفوظ کرلینے کا ہے، اور یہ خوبی قدیم محدثین کو حاصل تھی اور ہمیں حاصل نہیں۔ لہذا

ضروری تھا کہ ہم اس یادداشت کے بدلے کتاب پر اور دلوں میں ثبت علم کے بدلے اوراق میں لکھی ہوئی تحریر پر انحصار کریں، اس لیے علمی مراکز جو کہ مردان کار کے سینوں کی شاخ کا درجہ رکھتے ہیں اپنی اصل کا کردار ادا کرنا شروع کر دیتے ہیں ،اوراہمیت حاصل کر لیتے ہیں ۔اورانسانی یادداشت میں کمزوری اور کمی کے باعث کتب خانوں کا وجود ناگزیر قرار دیا گیا ہے ۔اورانہیں تہذیبوں کے وجود کے لیے سرچشمہ قرار دیا گیا۔اوراہل علم کی رائے میں کتاب کا گم ہوجانا روح کے ایک حصے کا گم ہونا ہے،اور کتاب کا موجود ہونا جسم میں روح کے موجود ہونے کی طرح ہے ،اسی لیے کتاب کو اس کے مؤلف کے پاس ہونے کو اس بچے سے تشبیہ دی گئی ہے جو اپنے باپ کی آغوش میں ہو،یہی وجہ ہے کہ جب ابوعلی الفالی اپنی تنگ دستی کے باعث شریف الرضی کے ہاتھ ''جمھر ۃ لغتہ العرب'' بیچنے پر مجبور ہوا تو اس نے کتاب کی پشت پر درج ذیل اشعار لکھے:

انست بها عشرين حولا وبعتها لقد طال وجدى بعدها وأنينى

ترجمہ: میں اس کتاب (کے مطالعہ) سے بیس سال لطف اندوز ہوا اور (اب) اسے بیچ دیا، اسے بیچنے کے بعد مجھے طویل غم اور ہچکیوں نے گھیر لیا۔

وما كان ظنى أننى سأبيعها ولو خلّدتنى فى السجون ديونى

ترجمہ: میرے گمان میں بھی نہ تھا کہ میں اس کتاب کو بیچوں گا، اگر چہ مجھے میرے قرض ہمیشہ کے لیے جیلوں میں ڈال دیتے۔

ولكن لفقر واحتياج وصبية صغار عليهم تستهل شؤنى

ترجمہ: لیکن تنگ دستی ،محتاجی اوران چھوٹے بچوں کی وجہ سے (مجھے کتاب بیچنا پڑی) جن پر میرے آنسو بہتے ہیں۔

فقلت ولم أملك سوابق عبرتى مقالة مقروح الفؤاد حزين

ترجمہ: جب مجھے اپنے مسلسل آنسوؤں پر قابو نہ تھا تو میں نے ایسے حال میں شکستہ خاطر اور غمگین شخص کا جملہ دہرایا۔

وقد تخرج الحاجات يا ام مالك كرائم من رب لهن ضنين

ترجمہ: اے ام مالک! بعض اوقات محتاجی انسان کی ایسی عمدہ چیز نکلواتی ہے جس کے معاملے

میں وہ بخیل ہوتا ہے۔

میں قارئین کی توجہ اس بات کی طرف دلانا چاہتا ہوں کہ اہل علم اس وقت تک عالم نہیں کہلا سکتے جب تک وہ کتب خانوں سے یوں محبت نہ کریں جیسے وہ سیر گاہوں سے لطف اندوز ہوتے ہیں، ہم نے اپنے بزرگوں سے کتاب کی محبت اور نئی نئی کتب کی جستجو سیکھی ہے، علاوہ ازیں ہم نے ان سے ماں باپ کی مقدس محبت سیکھی ہے۔

اور جب کتاب علمی اداروں اور علم دوست معاشروں میں داخل ہوتی ہے تو اہل علم کے دلوں پر اس کی اثر آفرینی ایسے ہوتی ہے جیسے کسی کو بیٹا مل گیا ہو یا اللہ تعالیٰ نے اس کے والد کو وفات کے بعد دوبارہ زندگی بخش دی ہو، اور خصوصاً جب یہ نئی کتاب کسی مشہور و معروف اور بڑی کتاب کا حصّہ ہو۔

مُصَنَّف عبدالرزاق اسلامی عہد میں فن روایت میں پہلی اور انتہائی مؤثر اور عالی سند والی کتاب تھی تو اس کے گم شدہ حصے کو جو ابھی دریافت ہوا ہے وہی مرتبہ و مقام حاصل ہوگا، یہ حصّہ طویل عرصہ تک گم رہا یہاں تک کہ مصنّف کی ناقص حالت میں اشاعت ہوئی، یوں ہم مکمل طور پر مُصَنَّف عبدالرزاق سے مستفید نہ ہو سکے۔

اور حدیث نور جسے حضرت جابر بن عبداللہ نے روایت کیا حضور ﷺ کے مرتبہ و مقام کو اجاگر کرنے کے سلسلے میں انتہائی اہمیت اور عظمت کی حامل ہے، اور یہ حدیث مُصَنَّف عبدالرزاق کے ایک حصّے کی گم شدگی کے سبب نظروں سے اوجھل تھی اور اس بات نے بارگاہِ رسالت میں ادب کی کمی کے شکار بہت سے لوگوں کو اتنی جرأت دے دی کہ وہ حدیث جابر کو موضوع کہنے لگے، کیوں کہ حدیث جابر کی ایک ہی سند امام عبدالرزاق کی روایت ہے، اور عبدالرزاق وہ شخصیت ہیں جن کے ساتھ ان کی مصنّف میں ذکر کی گئی کسی حدیث پر اس کی سند کے عالی اور امام عبدالرزاق کے زمانہ نبوی سے قریب ہونے کے باعث کلام نہیں کیا جاتا۔

مسلمانوں کے ضائع شدہ علمی ورثہ کے ساتھ جب مصنّف کا یہ جز بھی نظروں سے اوجھل ہو گیا تو خلافت راشدہ کے دور سے آج تک مسلمانوں کے درمیان موجود اسلام دشمنوں کو موقع مل گیا کہ وہ مصنّف عبدالرزاق کے اس حصے کو نظروں سے اوجھل کر کے حدیث نور کو جعلی قرار دے دیں، تا کہ وہ ایک خطرناک کوتاہی کے بعد بارگاہِ رسالت مآب میں منفی گفتگو کر سکیں، جب کہ حدیث نور مسلمانوں کے لیے دین کی طرف رجوع اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تک رسائی کے ذرائع میں سے ایک ذریعہ

ہے، اور مصنّف عبدالرزاق کے اس حصے کی گم شدگی سے اللہ تعالیٰ کی ایک حکمت واضح ہوئی، اگر یہ حصّہ گم نہ ہوا ہوتا تو شاید اہل محبت کی ہمتیں سرگرم نہ ہوتیں اور دنیا میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی محبت اور آپ کے اس مرتبہ ومقام کو اجاگر کرنے کے لیے کانفرنسیں نہ ہوتیں جسے اللہ تبارک وتعالیٰ نے پسند فرمایا۔

آج اسلامی دنیا کے لیے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ تک پہونچنے کا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے علاوہ کوئی ذریعہ نہیں، کیوں کہ جب انسان کی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے دوری شدت اختیار کرجاتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس انسان کو صرف حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے توسل سے قبول فرماتا ہے، اس لیے مصنّف عبدالرزاق کے گم شدہ حصے کا نورانیت مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا انکار کرنے والوں کے انکار کے بعد ظاہر ہونا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے باطن میں نور پنہاں رکھا، اور آپ کے ظاہر کو بھی اپنی مشیت اور رضا کے ساتھ نور سے آراستہ فرمایا، اور یہ اس بات کی بھی دلیل ہے کہ جس نے نورانیتِ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے منافی عقیدے کو اپنایا اس کے عقیدے کے غلط ہونے پر مصنف عبدالرزاق کی عالی سند والی حدیث صریح دلیل ہے۔

میں ان لوگوں کا شکریہ ادا کرتا ہوں جن کا شیخ المحدثین امام ابوبکر عبدالرزاق الصنعانی کی مصنّف کے گم شدہ حصے کی بازیابی میں کچھ بھی حصہ تھا، وہ شخصیات:

حضرت ڈاکٹر سید محمد امین میاں برکاتی اور حاجی محمد رفیق برکاتی اور فضیلۃ الشیخ علامہ ڈاکٹر عیسیٰ بن عبداللہ بن محمد ابن مانع الحمیری ہیں اور ڈاکٹر عیسیٰ نے مصنف کے گم شدہ حصے پر بہترین تحقیق پیش کی ہے، اور میں بہت بڑے علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری کا بھی شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انہوں نے اس کتاب کو عربی میں شائع کرنے کے بعد اردو میں بھی شائع کیا، ان کے لیے اللہ تعالیٰ کے یہاں بہت اجر وثواب اور ہماری طرف سے بہت زیادہ شکر اور احسان مندی ہے، کیونکہ جس نے بندوں کا شکر ادا نہیں کیا اس نے اللہ کا شکر بھی ادا نہیں کیا۔

تحریر:
ڈاکٹر شہاب الدین فرفور
لاہور

ترجمہ:
ڈاکٹر ممتاز احمد سدیدی الازہری
اسسٹینٹ پروفیسر شعبہ عربی، اسلامیات
دی یونیورسٹی آف فیصل آباد۔ فیصل آباد

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

مقدمہ

تمام تعریفیں اللہ وحدہ لاشریک کے لیے جس نے فرمایا ہے:

اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ مَثَلُ نُوْرِہٖ کَمِشْکٰوۃٍ فِیْھَا مِصْبَاحٌ اَلْمِصْبَاحُ فِیْ زُجَاجَۃٍ اَلزُّجَاجَۃُ کَاَنَّھَا کَوْکَبٌ دُرِّیٌّ یُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَۃٍ مُّبٰرَکَۃٍ زَیْتُوْنَۃٍ لَّا شَرْقِیَّۃٍ وَّلَا غَرْبِیَّۃٍ یَّکَادُ زَیْتُھَا یُضِیْٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْہُ نَارٌ نُوْرٌ عَلٰی نُوْرٍ یَھْدِی اللّٰہُ لِنُوْرِہٖ مَنْ یَّشَآءُ ۔(۱)

اللہ آسمانوں اور زمینوں کا نور ہے، اس کے نور کی مثال اس طاق کی سی ہے جس میں چراغ ہو، وہ چراغ شیشے کی ایک قندیل میں ہو اور وہ قندیل گویا ایک چمکتا ہوا ستارہ ہو، وہ چراغ برکت والے زیتون کے درخت کے تیل سے روشن کیا جاتا ہے، جو نہ تو مشرق کی طرف جھکا ہوا ہے اور نہ مغرب کی طرف، قریب ہے کہ اس کا تیل جگمگا اٹھے، اگر چہ اسے آگ نہ چھوئے، نور ہی نور ہے، اللہ جسے چاہتا ہے اپنے نور کی طرف راہ نمائی فرما دیتا ہے۔ اور صلوٰۃ وسلام ہو کامل ترین ہستی اور کائنات کا احاطہ کرنے والے نور پر، جو ابتداؤں کے نور اور انتہاؤں کے خاتم ہیں، ہمارے آقا محمد مصطفیٰ ﷺ پر جن کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے کائنات کے سربستہ رازوں کو کھولا اور زمان ومکان کی حقیقت کو ظاہر فرمایا اور انہیں تمام انسانوں اور جنوں کا سردار بنایا۔

(۱)۔سورۃ النور ۲۴،۳۵

اَمَّا بَعْدُ:

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت کردہ ''حدیث نور'' کے بارے میں بڑا قیل وقال پایا جاتا ہے، یہ وہ حدیث ہے جسے سیرت طیبہ کے بہت سے مصنفین نے اپنی کتابوں میں بیان کیا ہے، اوراس کی سند بیان کیے بغیر مصنّف عبدالرزاق کا حوالہ دیا ہے۔

ہمارے اکابر علما مثلاً حافظ العصر احمد ابن الصدیق الغماری اور علامہ شیخ عمر حمدان محدث حجاز مقدس رحمہما اللہ تعالیٰ نے ''حدیث جابرؓ'' کے جہاں جہاں ملنے کی توقع تھی وہاں وہاں اسے تلاش کیا، بلکہ انہوں نے یمن شریف کے سفر کا ارادہ بھی کیا، کیوں کہ انہیں اطلاع ملی تھی کہ وہاں مصنّف کا مخطوطہ موجود ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کو منظور نہیں تھا کہ وہ شمالی یمن کا سفر کرتے۔ بعض محققین نے سفر کر کے یمن جانے اور مصنف کے نادر نسخے کی تلاش کی کوشش بھی کی، لیکن اس تک ان کی رسائی نہ ہوسکی، (۱) میں نے بعض محققین سے درخواست کی کہ اس کا مکمل نسخہ جہاں ملنے کی امید ہو وہاں تلاش کریں، خصوصًا استنبول (ترکی) کی لائبریریوں میں، مجھے انہوں نے بتایا کہ ہمیں ترکی میں مصنّف عبدالرزاق کے کئی نسخوں کا سراغ ملا ہے، لیکن ان کا کچھ حصہ ابتدا سے اور کچھ درمیان سے غائب ہے، یہی حال اس نسخے کا ہے جو علامہ حبیب الرحمٰن اعظمی کی تحقیق کے ساتھ (بیروت سے) چھپا ہوا ہے اور ہمارے پاس موجود ہے۔ (۲)

میرا مشغلہ ہی بن گیا تھا کہ میں اسے جگہ جگہ تلاش کرتا رہتا، بابرکت دنوں اور نزول رحمت کے مقامات پر اللہ کے بندوں کے ساتھ مل کر دعائیں کرتا، خصوصًا نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے روضۂ اقدس پر حاضری کے وقت مواجہۂ عالیہ میں کھڑا ہو کر دعائیں مانگتا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت شامل حال ہوئی اور اس کریم نے ہمیں مُصَنَّف عبدالرزاق کا وہ نادر و نایاب نسخہ اور خاص طور پر پہلی اور دوسری

---

(۱)۔ راقم نے ایک دفعہ عالمی مبلغ اسلام اور عظیم شیخ طریقت شیخ سید یوسف سید ہاشم رفاعی مدظلہ العالی کو عرض کیا کہ آپ دنیا بھر کے ممالک میں جاتے رہتے ہیں، سنا ہے یمن کے شہر صنعا میں ایک شخص کے پاس امام عبدالرزاق کا لکھا ہوا مصنّف کا نسخہ موجود ہے، براہِ کرم اس سے رابطہ کریں، انہوں نے فرمایا: وہ شخص کسی کو دکھاتا ہی نہیں ہے۔ ۱۲ شرف قادری

(۲)۔ کہتے ہیں جو چیز طلب کے بعد حاصل ہو اس کی قدر زیادہ ہوتی ہے، اگر ابتدا ہی میں مصنّف کا مکمل نسخہ اور اس میں ''حدیثِ نور'' مل جاتی تو ملت اسلامیہ کو وہ مسرت اور شادمانی حاصل نہ ہوتی، جو دیوانہ وار کوششوں، ہزاروں دعاؤں، آرزوؤں اور امنگوں کے بعد ملنے پر حاصل ہو رہی ہے۔ ۱۲ شرف قادری

جلد عطا فرمادی، ہم اس کے اس احسان وکرم کا شکر یہ کس طرح ادا کریں؟

یہ تحفہ ہمیں ایک مرد صالح (یکے از اولیائے کرام) ہمارے دینی بھائی فاضل علامہ ڈاکٹر سید محمد امین میاں برکاتی قادری حفظہ اللہ تعالیٰ (امام احمد رضا بریلوی کے پیر خانے کے موجودہ سجادہ نشین اور علی گڑھ یونیورسٹی کے پروفیسر) کے ذریعے موصول ہوا۔ (اور ہمارے دل مسرت وشادمانی سے لبریز ہو گئے)۔ اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ہمیں اس نسخے میں حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت کردہ ''حدیث نور'' بھی مل گئی اور اس کی سند بھی مل گئی۔ (۱) اور چھپے ہوئے نسخے اور قلمی نسخے کے مقابلے سے یہ بھی ظاہر ہو گیا کہ (بیروت سے) چھپے ہوئے نسخے کی ابتدا سے دس باب غائب ہیں، جیسے کہ قارئین کرام کو اس تحقیق میں دونوں نسخوں کے مقابلے سے معلوم ہو جائے گا۔ یہ بھی واضح ہو گیا کہ ''حدیث نور'' صحیح ہے، جسے امام عبد الرزاق، معمر سے وہ ابن منکدر سے اور وہ حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ:

''میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے کس چیز کو پیدا کیا تھا؟ تو آپ نے فرمایا: جابر! وہ تمہارے نبی کا نور تھا''۔

ہم پر یہ حقیقت بھی منکشف ہو گئی کہ ہمارے آقا و مولا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سب سے پہلی مخلوق ہیں، یعنی عالم ارواح میں سب سے پہلے آپ کی روح اقدس پیدا کی گئی اور عالمِ اجسام میں سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام کا جسم مبارک پیدا کیا گیا، کیوں کہ حضرت آدم علیہ السلام آپ کے مظاہر میں سے ایک مظہر ہیں اور روح کے لیے ضروری ہے کہ اس کا مظہر پہلے ظاہر ہو، اس لیے حضرت آدم علیہ السلام تصویر وتدبیر میں پہلے ظاہر ہوئے اور عالم امر اور تقدیر میں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پہلے تھے، کیوں کہ آپ حقیقتوں کی حقیقت، اور تمام مغربوں میں مشرقوں کے سراج منیر ہیں۔

حدیث جابر تو گویا آیتِ مشکوٰۃ (جو مقدمے کی ابتدا میں لکھی گئی ہے) کی تفسیر ہے، حافظ ابن ناصر الدین دمشقی نے اپنی قلمی کتاب (المولد النبوی) میں اس آیت کی تفسیر احادیث مبارکہ سے کی ہے اور ہم نے وہ روایات تخریج کے ساتھ اپنی کتاب (نور البدایات وختم النہایات) میں بیان کر دی ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا ہے کہ ہمیں اپنی جناب کے ان علما کے زمرے میں شامل فرمادے جن

---

(۱)۔ بلکہ نبی اکرم ﷺ کے کثیف سائے کی نفی کی روایت بھی اپنی سند کے ساتھ مل گئی فالحمد للہ تعالیٰ۔ ۱۲ شرف قادری

کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے حق کو ظاہر اور باطل کو خائب وخاسر کیا ہے اور ہمیں اس شریعت مقدسہ کے خادموں میں قبول فرمائے۔

اس مقدمہ کو ختم کرنے سے پہلے یہ ضروری ہے کہ اس گوہر گراں مایہ کی تحقیق کے بارے میں کچھ عرض کردوں۔

(۱)۔ میں نے اپنی ہمت اور استطاعت کے مطابق احادیث کے حوالے درج کیے ہیں۔

(۲)۔ جب مجھے کسی حدیث کا حوالہ نہیں ملا تو میں نے سند پر گفتگو کر کے اس پر حکم لگا دیا ہے کہ وہ کس مرتبے کی حدیث ہے۔

(۳)۔ کم استعمال ہونے والے الفاظ کے معانی کی مختصر وضاحت کی ہے، البتہ ضرورت کے وقت لمبی گفتگو بھی کی ہے۔

(۴)۔ آخر میں حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ارشادات کی فہرست مرتب کی ہے۔

علم شریف کا خادم
ڈاکٹر عیسیٰ ابن عبداللہ ابن محمد بن مانع حمیری
سابق ڈائریکٹر محکمہ اوقاف وامور اسلامیہ، دبئی
پرنسپل امام مالک کالج برائے شریعت وقانون، دبئی

مخطوطے کا تعارف

مصنّف عبدالرزاق کی پہلی جلد کے آخر میں بتایا گیا ہے کہ اسے اسحاق بن عبدالرحمٰن سلیمانی نے نقل کیا، یہ نقل ۹؍رمضان المبارک سن ۹۳۳ ہجری کو بروز پیر بغداد شریف میں مکمل ہوئی۔۔۔۔۔۔اللہ تعالیٰ بغداد مقدس کو ظالموں کے پنجے سے رہائی عطا فرمائے۔پہلی جلد ایک سو تراسی (۱۸۳) اوراق پر مشتمل ہے، رسم الخط معمول کے مطابق ہے، اس پر نقطے لگائے ہوئے ہیں، اس کا تعلق دسویں صدی ہجری سے ہے، اس زمانے کی تحریرات کے ساتھ مقابلہ کرنے اور تحقیق کے بعد ہی ہماری محتاط رائے قائم ہوئی ہے، جیسے کہ مخطوط (الف)، (ب)، (ج) میں واضح کیا گیا ہے۔اس مخطوطے کے ابواب کی ترتیب اس طرح ہے:

(۱)۔باب فی تخلیق نور محمد ﷺ۔ نور مصطفیٰ ﷺ کی تخلیق کے بیان میں۔

(۲)۔باب فی الوضوء۔ وضو کے بارے میں۔

(۳)۔باب فی التسمیة فی الوضوء۔ وضو میں بسم اللہ شریف پڑھنے کے بارے میں۔

(۴)۔باب إذا فرغ من الوضوء۔ جب وضو سے فارغ ہو۔

(۵)۔باب فی کیفیة الوضوء۔ وضو کی کیفیت کے بیان میں۔

(۶)۔باب فی غسل اللحیة۔ وضو میں داڑھی کے دھونے کے بیان میں۔

(۷)۔باب فی تخلیل اللحیة فی الوضوء۔ وضو میں داڑھی کے خلال کے بیان میں۔

(۸)۔باب فی مسح الرأس فی الوضوء۔ وضو میں سر کے مسح کے بیان میں۔

(۹)۔باب فی کیفیة المسح۔ مسح کے طریقے کے بیان میں۔

(۱۰)۔باب فی مسح الاذنین۔ کانوں کے مسح کے بیان میں۔

(۱۱)۔باب فی غسل الذراعین۔ کلائیوں کے دھونے کے بیان میں۔

یہ وہ باب ہے جس سے (بیروت کے) مطبوعہ نسخے کی ابتدا ہوئی ہے، اس کا مطلب یہ ہوا کہ مطبوعہ نسخہ مکمل نہیں بلکہ ناقص ہے اور اس کی ابتدا سے دس باب غائب ہیں۔قلمی نسخے کی پہلی جلد کا مطبوعہ نسخے کے ساتھ مقابلہ کرنے سے یہ حقیقت سامنے آئی ہے کہ قلمی نسخہ عام طور پر مطبوعہ نسخے سے زیادہ صحیح ہے،

خصوصًا اعظمی صاحب کی تحقیق کے ساتھ چھپنے والے نسخے میں بعض الفاظ محقق کی گرفت میں نہیں آسکے تھے، وہ اس مخطوطے کے ذریعے واضح ہو گئے ہیں۔

مثلاً (باب سؤر المرأة) میں حدیث نمبر ۳۸۴ ہے:

عن ابن جریج قال: قلت لعطاء: لقیت المرأة علی الماء۔

جب کہ مخطوطے میں ہے (تغیب المرأة) اور یہی صحیح ہے، ایمن ازہری کی تحقیق (۱) والا نسخہ اسی کی تائید کرتا ہے۔

اسی طرح (باب المسح بالراس) میں حدیث نمبر ۸ کے مطبوعہ نسخے میں یہ الفاظ ہیں: عن ابن عمر انه کان یمسح رأسه مرة) جب کہ مخطوط نسخے میں ہے۔ (مرة واحدة)

اسی طرح تحقیق کے ساتھ چھپے ہوئے دونوں نسخوں میں (باب المسح بالأذنین) میں حدیث نمبر ۲۵ کے بعد یہ سند نہیں ہے، جب کہ مخطوط نسخے میں درج ذیل سند موجود ہے۔ (عبد الرزاق عن ابن جریج قال أخبرنی نافع عن ابن عمر مثله)

مخطوطے کی پہلی جلد درج ذیل باب اور حدیث پر مکمل ہوئی ہے، (باب وضوء المریض) یہ باب مریض کے وضو کے بیان میں ہے، عبدالرزاق روایت کرتے ہیں معمر سے وہ ابن ابی نجیح سے اور وہ مجاہد سے وہ اس آیت کریمہ (وإنْ کنتم مرضٰی أو علی سفر أوجاء احد منکم من الغائط) کے بارے میں کہا کرتے تھے کہ جسے جنابت لاحق ہوجائے اور اسے پانی کے استعمال کرنے سے جان کا خطرہ ہو تو جس طرح مسافر کو پانی نہ ملے تو اسے تیمم کی اجازت ہے، اسی طرح بیمار کے لیے بھی تیمم کی اجازت ہے۔

ایک باب ہے (باب من قال لا یتوضأ مما مست النّار) جو حضرات کہتے ہیں کہ آگ کی پکی ہوئی چیز کھانے سے وضو لازم نہیں آتا، اس میں حدیث نمبر ۶۵۴ میں یہ الفاظ ہیں (فیقرب عشاءه) جب کہ مخطوط نسخے میں ہے (فیقرب لنا عشاءه)

(باب الدود یخرج من الانسان) میں حدیث نمبر ۶۳۲ یہ ہے: عبدالرزاق عن الثوری عن رجل عن عطاء (مثله) دونوں مطبوعہ نسخوں میں لفظ (مثله) نہیں ہے، جب کہ مخطوط نسخے میں

(۱) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ''مصنف'' پر دو فاضلوں نے تحقیق کی ہے اور دونوں نسخے چھپے ہوئے ہیں۔ ۱۲ شرف قادری

موجود ہے اور ایمن از ہری نے بھی اس کی نشاندہی کی ہے۔

(باب من قال لا يتوضأ مما مست النّار) کی حدیث نمبر ۶۳۴، چھپے ہوئے نسخے میں اس طرح ہے: "عبدالرزاق عن معمر عن الزهری عن عمرو بن امية الضمری عن ابيه أنه رأى رسول اللهﷺ احتز من كتف فأكل"۔

لیکن قلمی نسخے میں اس طرح ہے۔"عبدالرزاق عن معمر عن الزهری عن جعفر بن عمرو ابن امية عن أبيه أنه رأى رسول الله صلى الله تعالىٰ وسلم"

(ایک راوی (جعفر) کا نام شائع ہونے سے رہ گیا ہے، جب کہ قلمی نسخہ میں موجود ہے اور یہی صحیح ہے، جیسے کہ ''مصنّف'' کے محقق ایمن نصرالدین از ہری نے بیان کیا ہے انہوں نے کہا کہ لفظ (جعفر) اصل نسخے سے غائب ہے لیکن ہم نے سنن ترمذی اور مسند امام احمد کی مدد سے اسے درست کر دیا ہے، اور نسخہ (ع) میں عمرو بن اُمیۃ ہے، دیکھیے از ہری کی تحقیق والا نسخہ۔(۱۔۱۲۷)

ایک باب ہے (باب من قال لا يتوضأ مما مست النار) اس میں حدیث نمبر ۱۵ یہ ہے: عن ابن المنكدر قال: سمعته يحدث عن جابر (أنه كان اكل عمر من جفنة ثم قام فصلىٰ ولم يتوضا) جب کہ مخطوط نسخے میں ہے (أنه قال: أكل عمر من جفنة) (یعنی اس میں لفظ کان نہیں بلکہ قال ہے) اور یہی صحیح ہے اور عبارت کا سیاق اسی کی تائید کرتا ہے، مصنّف کے محقق ایمن از ہری نے بھی اس کا ذکر کیا ہے دیکھیئے۔(۱/۱۳۱)

(باب الرجل يحدث بين ظهرانی وضوئه) چھپے ہوئے نسخے میں حدیث نمبر ۷۰۴ اس طرح ہے: عن ابن جريج قال: قال عطاء: إن توضأ رجل ففرغ من بعض اعضائه وبقىٰ بعض فأحدث، وضوء مستقبل۔

لیکن قلمی نسخے میں یہ اس طرح ہے: عن ابن جريج قال: قلت لعطاء إن توضأ رجل ففرغ من بعض أعضائه وبقى بعض فأحدث، قال: عليه وضوء مستقبل، (یعنی مطبوعہ نسخہ میں "قال: عليه" کے الفاظ غائب ہیں)

اور صحیح وہی ہے جو قلمی نسخے میں ہے۔

پھر قلمی نسخہ میں ابواب ترتیب وار ہیں اور احادیث ابواب کے مطابق ہیں، جب کہ مطبوعہ نسخہ میں

باب تو ہے (باب القول اذا فرغ من الوضوء)لیکن اس کے تحت اس شخص سے متعلق احادیث لائی گئی ہیں جس کے ہاتھ کٹے ہوئے ہوں اسی طرح باب ہے اس شخص کے وضو کا جس کے ہاتھ کٹے ہوئے ہوں، اس کے تحت وضو سے فارغ ہونے سے متعلق احادیث درج کردی گئی ہیں۔اس سے مطبوعہ نسخہ کی بے ترتیبی کا پتہ چلتا ہے، دیکھیے مطبوعہ نسخہ حبیب الرحمٰن اعظمی کی تحقیق کے ساتھ (۱ / ۱۸۵)، البتہ ازہری نے اس غلطی کا ازالہ کردیا ہے، (۱ / ۱۴۵)

مخطوط میں ہے: نعیم بن ہبار، جب کہ مطبوعہ نسخہ میں ہے نعیم بن حماد (۱۰ / ۱۸۷) کہا جاتا ہے کہ اس راوی کو ابن حمار، ابن ہبار، ابن ہمار، ابن ہدار اور ابن خمار کہا جاتا ہے، لیکن صحیح یہ ہے کہ یہ ''ہمار'' ہے جیسے کہ ابن ابی حاتم نے الجرح والتعدیل میں بیان کیا، ابن حجر نے اصابہ (۱۰ / ۱۸۷) میں اس کی تائید کی، دیکھیے حدیث نمبر ۷۳۷ (باب المسح علی الخفین والعمامة) (اس میں نعیم بن حمار ہے)

(باب المسح علی الخفین) کے تحت حدیث نمبر ۷۲۶ کے مطبوعہ نسخے میں یہ الفاظ ہیں۔(فلم ارجع الیه شیئًا) جب کہ مخطوط میں ہے (فلم ارجع الیه فی شیئٍ فی شان الخفین)اور یہی درست ہے۔

پھر مخطوط کے ہر صفحہ پر سولہ سطریں ہیں، جب کہ پہلے صفحہ اور مخطوط کے بعض درمیانی صفحات پر تیرہ تیرہ سطریں ہیں، اور ہر سطر میں گیارہ سے تیرہ تک کلمات ہیں، میں نے پہلی جلد کا مقابلہ کیا تو اس میں ایک لغوی غلطی سامنے نہیں آئی۔

یہ وہ تحقیق ہے جو مخطوط کے مطالعہ کرنے سے ہمارے سامنے آئی ہے، ہمارے سامنے جو نسخہ ہے اس پر کسی سماع وغیرہ کی نشان دہی نہیں کی گئی، یہ کامل نسخہ ہے، اس کی صرف پہلی اور دوسری جلد میری ملکیت میں ہے، فیصلہ قارئین اور ماہرین پر چھوڑتا ہوں اور ان کے سامنے گم گشتہ حصہ رکھتا ہوں، امید ہے کہ قارئین کرام مقابلہ کرتے وقت جو نئی بات نوٹ کریں گے اس سے مجھے مطلع کریں گے، اللہ تعالیٰ ہی ہمارے مقصد کو صحیح طور پر جانتا ہے اور وہ بہترین یار و مددگار ہے۔

تذکرہ امام عبدالرزاق صنعانی (۱)

نام ونسب اور تعلیم:

حافظ الحدیث امام ابوبکر عبدالرزاق، بن ہمام، بن نافع الحمیر ی الصنعانی الیمنی ،ثقہ حفاظ حدیث اور اصحاب تصانیف میں سے تھے، ۱۲۶ھ میں صنعا (یمن) کے علم وفضل اور تقوٰی وطہارت والے گھرانے میں پیدا ہوئے ،ان کے والدین یمن کے عبادت گزار اور اولیاء میں سے تھے، انہوں نے ساٹھ سے زیادہ حج کیے۔

امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ تعالیٰ یمن ہی میں پلے بڑھے، وہاں کے اکابر علما مثلاً والد ماجد ہمام بن نافع اور معمر بن راشد سے علم حاصل کیا، سات سال معمر بن راشد سے استفادہ کرتے رہے، پھر علم حاصل کرنے اور تجارت کی غرض سے حجاز مقدس، شام اور عراق چلے گئے۔

مشائخ: امام عبدالرزاق نے اپنے زمانہ کے بہت سے مشائخ سے علم حاصل کیا، اکابر ائمہ سے استفادہ کرنے کے لیے دوسرے شہروں کا سفر کیا اور کثیر التعداد مشائخ سے روایت کی، چند اساتذہ کے نام درج ذیل ہیں: (۲)

(۱)۔ امام حافظ الحدیث معمر بن راشد ازدی، ان کی کنیت ابوعروہ، اور والد کی کنیت ابوعمرو بصری تھی، امام حسن بصری کے جنازے میں شریک ہوئے انہوں نے علم حاصل کیا اور حدیث شریف کی روایت کی۔

---

(۱)۔ ان کے تذکرہ کے لیے دیکھیے:

طبقاتِ کبری، ابن سعد (۵۔۵۴۸) تاریخ کبیر امام بخاری (۶۔۱۳۰) الجرح والتعدیل (۶۔۳۸) الثقات، ابن حبان (۸۔۴۱۲) میزان الاعتدال (۲۔۶۰۹) المغنی (۲۔۳۹۳) الکاشف (۲۔۱۷۱) تاریخ الاسلام (وفیات ۲۱۱۔۲۲۰) تہذیب التہذیب (۲۔۵۷۲) تقریب التہذیب (۱۱۸۳) لسان المیز ان (۷۔۲۸۷) شذرات الذہب (۲۔۲۷) الکنی والاسماء، دولابی (۱۔۱۱۹) الکامل فی الضعفاء، ابن عدی (۵۔۱۹۴۸) رجال صحیح البخاری، کلاباذی (۲۔۴۹۶) رجال صحیح مسلم، ابن منجویہ (۲۔۸) الجمع بین الصحیحین (۳۲۸) الکامل فی التاریخ (۶۔۴۰۶) التبسر ۃ (۳۔۲۷۰) وفیات الاعیان (۳۔۲۱۶) تہذیب الکمال (۱۸۔۵۲) البدایہ والنہایہ (۱۰۔۲۶۵) شرح علل الترمذی، ابن رجب (۲۔۵۷۷) النجوم الزاہرۃ (۲۔۲۰۲) التاریخ از ابن معین بروایۃ الدوری (۲۔۳۶۲) العیون والحقائق (۳۔۳۷۱)

(۲)۔ یادرہے کہ امام عبدالرزاق امام ابوحنیفہ کے بھی شاگرد ہیں، دیکھیے عقود الجمان از علامہ محمد بن یوسف صالحی شافعی صفحہ ۱۲۶۔ ۱۲ شرف قادری

ابوحاتم رازی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ''سند حدیث چھ مشائخ پر ختم تھی، معمر نے ان سے ملاقات کی اور ان سے حدیث لکھی میرے علم میں نہیں ہے کہ معمر کے علاوہ کسی نے ان سب سے حدیث حاصل کی ہو، حجاز سے (۱) زہری اور (۲) عمرو بن دینار، کوفہ سے (۳) ابواسحٰق اور (۴) اعمش، بصرہ سے (۵) قتادہ اور یمامہ سے (۶) یحیی بن کثیر، معمر کی وفات ماہ رمضان ۱۵۴ھ میں ہوئی۔ رحمہم اللہ تعالیٰ۔ (۱)

(۲)۔ حافظ الحدیث امام ابوعبداللہ سفیان بن سعید ثوری کوفی، اپنے زمانہ کے باعمل علما کے سردار تھے، صحاح ستہ کے مصنفین نے ان کی روایات اپنی کتابوں میں درج کی ہیں، کہا جاتا ہے کہ ان کے اساتذہ کی تعداد چھ سو ہے، ان کے شاگردوں اور ان کے روایت کرنے والوں کی تعداد بیس ہزار سے زیادہ ہے، حافظ ابوبکر خطیب فرماتے ہیں کہ وہ مسلمانوں کے اماموں میں سے ایک امام اور اکابر علمائے دین میں سے تھے، ان کی امانت اور دیانت پر اجماع ہے، لہذا ان کے تزکیے کی ضرورت نہیں، حافظہ اور یادداشت مضبوط تھی، معرفت وسیع، ضبط مستحکم تھا اور صاحب زہد و ورع تھے، ۱۶۱ھ میں بصرہ میں راہیٔ ملک بقا ہوئے۔ رحمۃ اللہ علیہ۔ (۲)

(۳) حافظ الحدیث امام ابوسفیان بن عیینہ کوفی، علم حدیث حاصل کیا اور نوعمری ہی میں آگے روایت کرنا شروع کر دیا، اکابر علما و مشائخ سے ملاقات ہوئی اور ان سے وسیع علم حاصل کیا، اسے خوب اچھی طرح محفوظ کیا، تصنیف و تالیف کا کام کیا اور طویل عمر پائی۔

بے شمار مخلوق خدا نے ان سے علم حاصل کیا، سند کی بلندی ان پر ختم تھی، دور دراز کے شہروں سے لوگ سفر کر کے ان کے پاس حاضر ہوتے، امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے سفیان بن عیینہ سے بڑا عالم اور مفتی نہیں دیکھا، ماہ رجب ۱۹۸ھ میں دنیا سے رخصت ہوئے۔ اور حجون میں دفن کیے گئے۔ (۳)

---

(۱)۔ الجرح والتعدیل۔ (۸۔۲۵۶)

نوٹ: ان کا تذکرہ دیکھیے تہذیب التہذیب، (۱۴۔۱۲۷) تہذیب الکمال، (۱۱۔۱۵۴) اور سیر اعلام النبلاء، (۶۰۔۲۲۹)

(۲)۔ تہذیب التہذیب، (۲/۵۶) تہذیب الکمال، (۱۱۔۱۵۴) اور سیر اعلام النبلاء، (۷۔۲۲۹)

(۳) تہذیب التہذیب، (۲/۵۹) تہذیب الکمال، (۱۱/۱۷۷) اور سیر اعلام النبلاء، (۸/۴۵۴)

(۴) شیخ الاسلام، امام ابوعبداللہ مالک بن انس حمیری اصحی، امام دار الہجرہ اور صاحب المؤطا ۹۳ھ میں پیدا ہوئے، اسی سال رسول اللہ ﷺ کے خادم حضرت انس کی وفات ہوئی، دس سال سے کچھ زیادہ عمر تھی جب انہوں نے علم حاصل کرنا شروع کیا، اکیس سال کی عمر میں انہیں فتوٰی دینے اور مسند تدریس سجانے کے لائق قرار دے دیا گیا، دوردراز سے علم کے پیاسے ان کی خدمت میں اپنی علمی پیاس بجھانے کے لیے حاضر ہوئے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی اکرم ﷺ کے حوالہ سے بیان کرتے ہیں: آپ نے فرمایا قریب ہے کہ لوگ دوردراز سے اونٹوں پر سفر کر کے علم حاصل کرنے کے لیے آئیں گے تو انہیں عالم مدینہ سے بڑا کوئی عالم نہیں ملے گا۔(۱)

ابن عیینہ سے عالم مدینہ کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا: اس سے مراد امام مالک بن انس ہے، ماہ ربیع الاول ۱۷۹ھ میں وفات پائی اور جنت البقیع میں مدفون ہوئے۔ رحمۃ اللہ علیہ۔(۲)

(۵) حافظ الحدیث امام عبدالملک بن عبدالعزیز بن جریج اموی مکی، صاحب تصانیف کثیرہ، کہا گیا ہے کہ وہ پہلے عالم ہیں جنہوں نے مکہ معظّمہ میں علم کو مرتب کیا، انہوں نے حضرت عطا، نافع مولی ابن عمر، عکرمہ وغیرہم سے حدیث روایت کی، صحاحِ ستہ، مسند امام احمد اور معجم طبرانی اور الاجزاء میں ان کی روایات وافر مقدار میں موجود ہیں، امام ابن جریج تہجد گزار اور بکثرت عبادت کرنے والے بزرگ تھے علی بن مدینی فرماتے ہیں کہ میں نے غور کیا تو یہ حقیقت سامنے آئی کہ سند کا مرکز ومحور چھ حضرات ہیں، ان چھ حضرات کا تذکرہ کرنے کے بعد فرمایا ''ان حضرات کا علم اصحاب تصنیف کی طرف منتقل ہوگیا، جن میں سے اہل مکہ میں عبدالملک بن جریج تھے، ان کی کنیت ابوالولید تھی، ۱۴۹ھ میں انتقال ہوا''۔(۳)

(۶) حافظ الحدیث امام عبدالرحمٰن عبداللہ بن مبارک حنظلی مروزی اکابر علما میں سے اور اپنے زمانہ میں ''امیر المتقین'' تھے، سفر کر کے حرمین شریفین، شام، مصر، عراق، جزیرہ اور خراسان گئے اور ہر جگہ

---

(۱)۔ مسند امام احمد، (۱۳/ ۳۸۵) امام ترمذی، (۵/ ۴۷) باب ماجاء فی عالم المدینۃ، مستدرک حاکم، (۱/ ۱۶۸) صحیح ابن حبان، (۹/ ۵۳)

(۲)۔ تہذیب التہذیب، (۴/ ۶) تہذیب الکمال، (۲۷/ ۹۱) سیر اعلام النبلاء، (۸/ ۴۸)

(۳)۔ تہذیب التہذیب، (۲/ ۶۱۶) تہذیب الکمال، (۱۸/ ۳۳۸) اور سیر اعلام النبلاء، (۶/ ۳۲۵)

حدیث کی روایت کی ان کی روایت کردہ حدیث بالاتفاق حجت ہے، ان کی روایات مسانید اور اصول میں موجود ہیں، انہوں نے متعدد مفید کتابیں لکھیں، مثلاً کتاب الزہد والرقائق، کتاب الجہاد اور مسند، حاکم فرماتے ہیں وہ دنیا بھر میں امام العصر اور علم، زہد و شجاعت اور سخاوت میں افضل ترین شخصیت تھے۔ ماہ رمضان المبارک ۱۸۱ھ فرات کے کنارے ''ہیت مدینہ'' میں فوت ہوئے۔ وہاں ان کا مزار مبارک مشہور ہے جس کی زیارت کی جاتی ہے۔(۱)

(۷) امام ابوعمرو بن عبدالرحمن بن عمرو اوزاعی اپنے زمانہ میں شام کے محدثین اور فقہا کے امام تھے بڑے متقی، صاحب فضیلت و امانت اور وسیع علم والے عالم تھے۔ ان کا مستقل اور مشہور مذہب تھا اس پر شام اور اندلس کے علما نے عمل کیا پھر وہ ناپید ہو گیا، امام احمد فرماتے ہیں کہ امام سفیان ثوری اور امام اوزاعی امام مالک کے پاس حاضر ہوئے، جب وہ رخصت ہوئے تو انہوں نے فرمایا: ان دونوں میں سے ایک اپنے ساتھی سے علم میں زیادہ ہے، لیکن امامت کے لائق نہیں اور دوسرا یعنی امام اوزاعی امامت کے لائق ہیں، ۱۵۷ھ میں دنیا سے رحلت فرما گئے۔(۲)

(۸) امام زاہد، فضیل بن عیاض بن مسعود تمیمی خراسانی، حرم کعبہ کے معتکف اور دنیا بھر کے اولیا اور عبادت گزاروں میں سے ایک تھے۔ سمرقند میں پیدا ہوئے، کوفہ میں حدیث شریف لکھی، پھر مکہ معظمہ چلے گئے اور ۱۸۷ھ میں وہاں انتقال ہوا۔(۳)

(۹) فقیہ محدث ابویزید ثور بن یزید کلاعی حمصی حمص کے عظیم عالم، ان کی بہت سی روایات بخاری شریف میں ہیں، مضبوط حافظے والے حافظ الحدیث تھے۔ ۱۵۳ھ میں اللہ تعالیٰ کے جوارِ رحمت میں چلے گئے۔(۴)

ان کے چند دوسرے مشائخ کے نام یہ ہیں: اسرائیل ابن یونس ابن اسحٰق السبعی الکوفی، جعفر بن سلیمان الضبعی، ذکریا بن اسحٰق مکی اور معتمر بن سلیمان ابوبکر بن عیاش اور داؤد بن قیس الفراء۔ ان

---

(۱)۔ تہذیب التہذیب، (۲/ ۶۱۶) تہذیب الکمال، (۱۶/ ۵) اور سیر اعلام النبلاء، (۶/ ۳۷۸)

(۲)۔ تہذیب التہذیب، (۲/ ۵۳۷) تہذیب الکمال، (۱۷/ ۲۸۱) اور سیر اعلام النبلاء، (۷/ ۱۰۷)

(۳)۔ تہذیب التہذیب، (۳/ ۴۰۰) تہذیب الکمال، (۲۳/ ۲۸۱) اور سیر اعلام النبلاء، (۸/ ۴۲۱)

(۴)۔ تہذیب الکمال، (۴/ ۴۱۸) اور سیر اعلام النبلاء، (۶/ ۳۴۴)

کے علاوہ دوسرے بہت سے مشائخ ہیں جن کا تفصیلی ذکر طوالت کا باعث ہوگا۔

تلامذہ:

امام عبدالرزاق سے بے شمار لوگوں نے علم حاصل کیا، جن کا تفصیلی احاطہ کرنا بہت مشکل ہے، چند مشاہیر کا ذکر کیا جاتا ہے۔

(۱)۔شیخ الاسلام امام عبداللہ احمد بن محمد بن حنبل شیبانی مروزی، مشہور ائمہ (اور ائمہ اربعہ) میں سے ایک تھے، ماہ ربیع الاول ۱۶۴ھ میں پیدا ہوئے، ۱۵ سال کی عمر میں تحصیل علم میں مصروف ہوئے یہ وہی سال تھا جس میں امام مالک کی وفات ہوئی، امام شافعی نے فرمایا کہ میں بغداد سے نکلا تو میں نے اپنے پیچھے احمد بن حنبل سے بڑا عالم ان سے بڑا فقیہ اور ان سے بڑا کوئی متقی نہیں چھوڑا، ماہ ربیع الاول ۲۴۱ھ میں ان کا وصال ہوا، وفات کے وقت انہوں نے وصیت کی کہ ان کی زبان پر نبی اکرم ﷺ کی مقدس بال رکھ دیئے جائیں، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔(۱)

(۲) امام ابو یعقوب اسحٰق بن ابراہیم مخلد حنظلی مروزی معروف با بن راہویہ، مسلمانوں کے ائمہ اور علمائے دین میں سے ایک جلیل القدر عالم اور حفاظ حدیث کے سردار تھے، علم حدیث وفقہ، حافظہ، صداقت اور زہد وورع سب چیزیں ان میں جمع تھیں۔۱۶۱ھ میں پیدا ہوئے، عراق، حجاز مقدس، یمن اور شام کا سفر کیا امام ابن خزیمہ نے فرمایا اللہ کی قسم اگر اسحٰق تابعین کے زمانہ میں ہوتے تو وہ ان کے حافظے، علم وفقاہت کا اعتراف کرتے، ۲۳۸ھ میں سفر آخرت پر روانہ ہوئے۔(۲)

(۳)۔امام ابوزکریا یحیٰی ابن معین بن عون المری البغدادی اکابر مشاہیر میں سے تھے اپنے زمانہ کے محدثین کے امام تھے اور اپنے معاصرین میں ممتاز شخصیت کے مالک تھے۔۱۵۸ھ میں پیدا ہوئے، حافظ ابوبکر خطیب نے فرمایا وہ امام، عالم، حافظ الحدیث، ثقہ اور مضبوط حافظے والے تھے، امام بخاری نے فرمایا: ۲۳۳ھ میں ان کی وفات ہوئی۔ اور انہیں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے تختے پر غسل دیا گیا اس وقت ان کی عمر ۷۷ سال تھی۔(۳)

---

(۱) تہذیب التہذیب، (۱۔۴۳) تہذیب الکمال، (۱۔۷ ۴۳) اور سیر اعلام النبلاء، (۱۱۔۷۷۱)

(۲) تہذیب التہذیب، (۱۔۱۱۲) تہذیب الکمال، (۲۔ ۳۷۳) اور سیر اعلام الاعلام، (۱۱۔ ۳۵۸)

(۳) تہذیب التہذیب، (۴۔ ۳۸۹) تہذیب الکمال، (۱۳۔ ۵۴۳) اور سیر اعلام النبلاء، (۱۱۔۷۱)

(۴)۔امام ابوالحسن علی بن عبداللہ ابن جعفر بصری معروف بابن المدینی ، یہ عروہ ابن عطیہ سعدی کے آزاد کردہ غلام اور کثیر التصانیف عالم تھے،ان کا علم بڑا وسیع تھا، بصرہ میں ۱۶۱ھ میں پیدا ہوئے، ابوحاتم رازی فرماتے ہیں:ابن المدینی حدیث اور عللِ حدیث کی معرفت کے لحاظ سے لوگوں میں پہاڑ کی حیثیت رکھتے تھے، امام احمد بن حنبل بطور تعظیم ان کا نام نہیں لیتے تھے، بلکہ انہیں کنیت سے یاد کرتے تھے، میں نے کبھی نہیں سنا کہ امام احمد نے ان کا نام لیا ہو، ۲۳۴ھ میں ''سامراء'' میں ان کا وصال ہوا۔(۱)

(۵)۔امام ابوعثمان عمرو بن محمد بن بکیر الناقد البغدادی، چند حفاظ حدیث میں سے ہیں، ان سے امام بخاری، مسلم، ابوداؤد، ابوزرعہ، ابوحاتم وغیرہم نے حدیث روایت کی ۲۳۲ھ میں بغداد میں وفات پائی۔(۲)

(۶)۔امام ابوبکر احمد بن منصور بن سیار رمادی بغدادی، مضبوط حافظے والے حافظ الحدیث تھے، انہوں نے امام عبدالرزاق کی تصانیف کی ان سے روایت کی، انہوں نے اپنی تاریخ میں فرمایا: میں نے امام عبدالرزاق سے ۲۰۴ھ میں علم حاصل کیا، انہوں نے مسند لکھی، ابن مخلد فرماتے ہیں کہ رمادی جب بیمار ہوتے تو وہ بیماری کا علاج یوں کرتے کہ محدثین ان کے پاس بیٹھ کر انہیں احادیث سناتے تھے۔ ۲۶۵ھ رحلت فرمائی۔ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ۔(۳)

(۷)حافظ الحدیث امام ابوبکر محمد بن ابان بن وزیر بلخی، معروف بہ حَمْدَوَیہ، دس سال سے زیادہ عرصے تک حضرت وکیع کے پاس رہ کر احادیث لکھتے رہے، امام احمد بن حنبل کے بیٹے عبداللہ فرماتے ہیں کہ ہمارے پاس ایک شخص بلخ سے آیا، جسے محمد بن ابان کہا جاتا تھا میں نے اپنے والد سے اس کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے اسے پہچان لیا اور بتایا کہ وہ ہمارے ساتھ عبدالرزاق سے پڑھا کرتے تھے، چنانچہ ہم نے ان سے حدیث لکھی۔ ۲۴۵ھ میں بلخ میں ان کی وفات ہوئی۔(۴)

---

(۱) تہذیب التہذیب،(۳/۱۷۶) تہذیب الکمال،(۱۲/۵) اور سیر اعلام النبلاء،(۱۱/۴۱)

(۲) تہذیب التہذیب،(۳/۳۰۱) تہذیب الکمال،(۴۲/۲۱۳) اور سیر اعلام الاعلام،(۱۱/۱۴۷)

(۳) تہذیب التہذیب،(۱/۴۸) تہذیب الکمال،(۱/۴۹۲) اور سیر اعلام النبلاء،(۱۲/۳۸۹)

(۴) تہذیب التہذیب،(۳/۴۸۷) تہذیب الکمال،(۲۴/۲۹۶) اور سیر اعلام النبلاء،(۱۱/۱۱۷)

امام عبدالرزاق سے روایت کرنے والے بے شمار اہل علم میں سے چند نام یہ ہیں: (۱) احمد بن ازہر نیشاپوری (۲) ابومسعود احمد بن الفرات رازی۔ (۳) احمد بن فضالہ نسائی۔ (۴) حسن بن علی خلال۔ (۵) اسحاق بن منصور کوسج۔ (۶ عبد بن حمید اور (۷) محمد بن رافع نیشاپوری وغیرہم۔

ان کے بارے میں اربابِ علم کے تاثرات:

ابوزرعہ دمشقی، ابوالحسن بن سُمیع سے اور وہ احمد بن صالح مصری سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے امام احمد بن حنبل سے پوچھا کہ کیا آپ نے عبدالرزاق سے بہتر حدیث جاننے والا کوئی عالم دیکھا؟ تو انہوں نے فرمایا: نہیں، ابوزرعہ کہتے ہیں عبدالرزاق ان علما میں سے ہیں جن کی حدیث معتبر ہے۔

ابوبکر اثرم امام احمد بن حنبل سے روایت کرتے ہیں کہ عبدالرزاق جو حدیث معمر سے روایت کرتے ہیں وہ میرے نزدیک ان بصریوں کی روایت سے زیادہ محبوب ہے۔

ابن عدی نے کہا کہ عبدالرزاق کے بہت سے شعبے ہیں اور کثیر التعداد حدیثیں ہیں۔ مسلمانوں کے ائمہ اور مستند علماء سفر کر کے ان کے پاس گئے ہیں اور انہوں نے ان سے احادیث نوٹ کی ہیں، تاہم ان کی نسبت شیعہ ہونے کی طرف کی گئی ہے، انہوں نے فضائل میں کئی حدیثیں روایت کی ہیں جن کی موافقت دوسرے محدثین سے نہیں پائی گئی۔ یہ وہ بڑا اعتراض ہے جو ان پر فضائل کی ان احادیث اور بعض لوگوں کے خلاف احادیث کی راویت کرنے کے سلسلے میں کیا گیا ہے، جہاں تک ان کے سچے ہونے کا تعلق ہے تو مجھے امید ہے کہ ان میں کوئی حرج نہیں ہے۔

علامہ ذہبی نے سیر اعلام النبلاء میں ان کے بارے میں لکھا ہے: بڑے حافظ الحدیث، اپنے زمانہ کے نامور عالم، مستند اور شیعہ عالم تھے، میزان میں ہے کہ وہ مشہور اور ثقہ عالم تھے۔

ابن حبان نے ''الثقات'' میں لکھا ہے کہ انہوں نے تصنیف وتالیف کا کام کیا، حدیثیں روایت کیں اور علمی مذاکرات کیے، جب وہ اپنی یادداشت سے حدیث بیان کرتے تو خطا کر جاتے تھے، علاوہ ازیں ان میں تشیُّع بھی پایا جاتا تھا۔

علامہ ابن حجر ''التقریب'' میں فرماتے ہیں کہ: ثقہ، حافظ الحدیث اور مشہور مصنف تھے، آخر عمر میں نابینا ہو گئے تھے تو ان کے حافظے میں تبدیلی آ گئی تھی، شیعہ مائل تھے۔ (وکان فیہ التشیُّع)

میں کہتا ہوں کہ عبدالرزاق اہل سنت کے امام تھے، ان کا تشیُّع محمود تھا اور دلیل شرعی سے متجاوز

نہیں تھا، ان سے نہ توسبّ وشتم منقول ہے اور نہ ہی لعنت۔(۱)

تصانیف:

علما نے بیان کیا ہے کہ امام عبدالرزاق نے بہت سی کتابیں لکھی ہیں، ان میں سے چند ایک کے نام یہ ہیں:

(۱)۔السنن: فقہ الفقہ۔

(۲)۔المغازی۔

(۳)۔تفسیر قرآن: ڈاکٹر مصطفیٰ مسلم کی تحقیق کے ساتھ چار جلدوں میں مکتبہ چار جلدوں میں مکتبہ الرشد سے چھپی ہے۔

(۴)۔الجامع الکبیر: حدیث شریف میں، جو ''مُصَنَّف'' کے نام سے معروف ہے، ہمارے سامنے اس کا وہ نسخہ ہے جو شیخ حبیب الرحمٰن اعظمی کی تحقیق کے ساتھ فہرستوں سمیت تیرہ جلدوں میں چھپا ہے، اس کے علاوہ ایک نسخہ دار الکتب العلمیۃ بیروت کا چھپا ہوا بھی ہے جو فہرستوں سمیت بارہ جلدوں میں چھپا ہے اور اس پر ایمن نصر الدین ازہری نے تحقیق کی ہے۔

(٥)۔تزکیۃ الارواح عن مواقع الفلاح۔

(٦)۔کتاب الصلاۃ۔

(۷)الامالی فی آثار الصحابۃ: یہ چھوٹی سی جلد میں مجدی سید ابراہیم کی تحقیق کے ساتھ مکتبۃ القرآن سے چھپی ہے۔(۱)

وفات:

امام عبدالرزاق صنعانی بھرپور علمی اور تصنیفی زندگی گزارنے کے بعد، ۱۵رشوال ۲۱۱ھ کو اللہ تعالیٰ کے جوارِ رحمت میں پہونچ گئے، اس طرح ان کی عمر پچاسی سال بنتی ہے۔رحمۃ اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً۔

---

(۱)۔ دوراول میں ''تشیع'' کے لفظ کا اطلاق اہل بیت کرام سے والہانہ محبت رکھنے والوں پر کیا جاتا تھا، جب کہ خلفاء ثلاثہ کے بے ادبوں اور گستاخوں کو رافضی کہا جاتا تھا، امام عبدالرزاق کے بارے میں امام اہل سنت امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے

حدیث جابر پر الفاظ و بیان کے کمزور ہونے کا الزام لگانے والوں کے بارے میں عظیم الشان علماء کے ارشادات

نورِ مصطفیٰ ﷺ کے ہر مخلوق سے پہلے ہونے سے متعلق حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت کردہ حدیث کے بارے میں عصر حاضر کے بعض محدثین نے بڑی باتیں کی ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ہم کہتے ہیں کہ متقدمین اور متاخرین علماء حدیث نے اپنی تصانیف میں تصریح ہے کہ کسی حدیث کو محض الفاظ کی کمزوری یا معنی کی کمزوری کی بنا پر رد نہیں کر دیا جائے گا۔ اس کے لیے انہوں نے اپنی کتابوں میں کچھ شرائط بڑی صراحت کے ساتھ بیان کی ہیں۔

دیکھیے حافظ بغدادی اپنی کتاب ''الکفایۃ'' میں بیان کرتے ہیں کہ دوسری قسم یعنی وہ حدیث جس کا فساد معلوم ہو، اس کی پہچان کا طریقہ یہ ہے کہ عقلیں ان کے موضوع کے صحیح ہونے کے اور ان میں بیان کردہ دلائل کا انکار کریں، مثلاً اجسام کے قدیم ہونے یا صانع کی نفی کی خبر دی گئی ہو وغیر ذالک، یا وہ ایسی حدیث ہو جو قرآن پاک کی نص یا سنّتِ متواترہ یا اجماع امت کے مخالف ہو یا امور دینیہ میں سے کسی ایسے امر کی خبر دی گئی جس کا جاننا مکلفین پر فرض ہو اور ان کا کوئی عذر قابلِ قبول نہ ہو، جب ایسی چیز کا بیان ایسے طریقے سے کیا جائے کہ نہ تو اس چیز کا علم بدیہی لازم آئے اور نہ ہی استدلالی تو اس سے بھی اس کا باطل ہونا ثابت ہو جائے گا، کیوں کہ اللہ تعالیٰ مکلفین پر ایسی چیز کا علم فرض نہیں فرماتا جس کا علم خبر

گزشتہ سے پیوستہ:

ہیں: بعض منصفان شیعہ مثل عبدالرزاق محدث، صاحب ''مصنف'' نے باوصف تشیع، تفضیل شیخین اختیار کی اور کہا جب خود مولا (علی) کرم اللہ وجہہ الاسنیٰ انہیں اپنے نفس کریم پر تفضیل دیتے تو مجھے اس اعتقاد سے کب مَفر ہے؟ مجھے یہ گناہ کیا تھوڑا ہے کہ علی سے محبت رکھو ں اور علی کا خلاف کروں؟ (اقامۃ القیامہ، مکتبہ قادریہ، لاہور صفحہ ۱۵ اور الصواعق المحرقہ از علامہ ابن حجر مکی صفحہ ۶۲)

امام احمد رضا بریلوی ان کے بارے میں لکھتے ہیں: امام اجل سیدنا امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے شاگرد اور امام اجل سیدنا امام احمد بن حنبل کے استاذ اور امام بخاری و مسلم کے استاذ الاستاذ حافظ الحدیث، احد الاعلام عبدالرزاق ابوبکر بن ہمام۔

(مجموعہ رسائل (مسئلہ نور و سایہ) طبع لاہور، صفحہ ۷) ۱۲۔شرف قادری

(۱) دیکھیے ہدیۃ العارفین (۵۔۵۶۶) اور معجم المؤلفین از عمر رضا کحالہ (۵۔۲۱۹)

منقطع سے حاصل ہورہا ہو اور وہ اس قدر ضعیف ہو کہ اس کے صحیح ہونے کا علم نہ ہو تو بدیہی ہو اور نہ ہی استدلالی، اور اگر اللہ تعالیٰ کو علم ہوتا کہ بعض وہ عبادات جن کا علم مکلفین پر فرض ہے ان کے بارے میں وارد ہونے والی روایات اس قدر ضعیف ہوں گی اور حدیث کے منقطع ہونے اور اس قدر ضعیف ہونے کی صورت میں اس کے صحیح ہونے کا علم یقینی ممکن ہی نہیں ہوگا تو اللہ تعالیٰ اس کے علم کی فرضیت ہی ختم فرما دیتا ، یا وہ کسی بڑے امر اور عظیم واقعے کی خبر ہو مثلاً کسی علاقے کے تمام لوگ اپنے امام کے خلاف بغاوت کریں گے، ایسی خبر ایسے طریقے سے مروی ہو جس سے علم یقینی حاصل نہ ہو سکے تو اس سے اس خبر کا فساد معلوم ہوگا، کیونکہ عادت اسی طرح جاری ہے کہ ایسی خبریں کثیر لوگوں کی زبانی نقل کی جاتی ہیں۔(۱)

ابن صلاح نے فرمایا: کئی لمبی لمبی حدیثیں وضع کی گئی ہیں، ان کے الفاظ اور معانی کی کمزوری ان کے موضوع ہونے کی نشان دہی کرتی ہے۔(۲)

اس پر علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے رد کیا کہ الفاظ کی کمزوری حدیث کے موضوع ہونے کی دلیل نہیں ہے، اس لیے کہ روایت بالمعنی جائز ہے، ہاں اگر راوی یہ تصریح کردے کہ یہ بعینہ حدیث کے الفاظ ہیں اور وہ الفاظ فصاحت کے منافی ہوں یا ان کی اعراب تو جیہ کوئی نہ ہو تو یہ موضوع ہونے کی دلیل ہوگا، غور کرنے سے جو بات سمجھ میں آتی ہے یہ ہے کہ حضرت مصنف (ابن صلاح) کا مقصد یہ نہیں ہے کہ صرف لفظوں کا کمزور ہونا یا صرف معانی کا کمزور ہونا موضوع ہونے کی دلیل ہے ، بلکہ ان کے کلام کے ظاہر سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ الفاظ و معانی دونوں کی کمزوری موضوع ہونے کی علامت ہے۔

لیکن اس پر یہ اشکال وارد ہوسکتا ہے کہ بعض اوقات الفاظ فصیح ہوتے ہیں اور معنی کمزور ہوتا ہے (تو اس کے بارے میں کیا کہا جائے گا ؟) لیکن یہ صورت نادر ہوتی ہے اور محض یہ صورت موضوع ہونے کی دلیل نہیں ہے، ہاں اگر لفظ و معنیٰ دونوں ہی کمزور ہوں تو بقول قاضی ابوبکر باقلانی یہ موضوع ہونے کی دلیل ہوگی۔(۳)

---

(۱)۔ کتاب الکفایۃ فی علم الروایہ، صفحہ ۵۱

(۲)۔ مقدمہ ابن صلاح صفحہ ۸۹

(۳)۔ النکت لابن حجر (۲۔۸۴۴) اور توضیح الافکار از امام صنعانی (۲۔۹۳)

امام محدث محمد عبدالحی لکھنوی لکھتے ہیں: محدثین جو کہتے ہیں کہ کہ یہ حدیث صحیح ہے اور یہ حدیث حسن ہے، تو اس سے ان کی مراد یہ ہوتی ہے کہ ظاہر سند کو دیکھتے ہوئے ہمیں جو کچھ معلوم ہوا ہے وہ یہ ہے، یہ مطلب نہیں ہے کہ واقع اس حدیث کا صحیح ہونا قطعی ہے، کیوں کہ ہوسکتا ہے کہ باوثوق آدمی خطا کر جائے یا بھول جائے۔

اسی طرح ان کا یہ کہنا کہ یہ حدیث ضعیف ہے تو اس سے ان کی مراد یہ ہے کہ اس میں صحیح ہونے کی شرطوں کا پایا جانا ہمیں معلوم نہیں ہوسکا، یہ مطلب نہیں ہوتا کہ وہ واقع میں جھوٹ ہے، کیوں کہ ہوسکتا ہے کہ ایک جھوٹا شخص سچ بیان کررہا ہو یا کثرت سے خطا کرنے والا درست بات بیان کررہا ہو، یہ وہ قول صحیح ہے جس کے اکثر اہلِ علم قائل ہیں، اسی طرح عراقی شرح الفیہ وغیرہ میں ہے۔(۱)

شیخ محدث سید احمد بن الصدیق الغماری ''فتح الملک العلی بصحۃ حدیث باب مدینۃ العلم علی'' رضی اللہ عنہ میں فرماتے ہیں کہ کسی حدیث پر جو یہ حکم لگایا جاتا ہے کہ یہ ''منکر'' ہے اور اس کی کوئی اصل نہیں ہے تو اس کی پہچان کی چند صورتیں ہیں۔

ایک وجہ تو وہ ہے جو ظاہر و باہر ہے اور اس کو ہر وہ شخص پہچان سکتا ہے جسے حدیث کا فہم حاصل ہے، مثلاً لفظ و معنی دونوں کا کمزور ہونا۔ نیز اس کا لایعنی باتوں پر مشتمل ہونا، کسی معمولی کام پر سخت ترین وعید کا بیان کرنا یا کسی معمولی کام پر عظیم ترین وعدے کا بیان کرنا وغیرہ امور جو کتبِ موضوعات اور اصول حدیث میں بیان کیے گئے ہیں۔

دوسری وجہ مخفی ہوتی ہے جسے تجربہ کار محدث ہی جان سکتا ہے، اور اس میں دو امر اہم ہیں۔ پہلا امر یہ ہے کہ ایک مجہول یا مستور راوی روایت کرنے میں منفرد ہو، یا ایک راوی حفظ اور شہرت کے اس مقام تک نہ پہونچا ہو کہ جس روایت میں کسی دوسرے راوی کا شریک ہونا ضروری ہو اس میں اس کا منفرد ہونا قابل برداشت ہو، یا اس کی اصل میں مطلقاً تفرد پایا گیا ہو مشہور حفاظ میں سے کسی ایک شیخ کی نسبت تفرد پایا جائے، جیسے امام مسلم نے اپنی صحیح کے مقدمے میں فرمایا ہے کہ ایک محدث کسی حدیث کے روایت کرنے میں منفرد ہو تو اس کے قبول کرنے کے بارے میں اہل علم کا جو مذہب ہمیں معلوم ہے وہ یہ ہے کہ

(۱)۔ الرفع والتکمیل (۱۳۶) اور شرح الفیہ للعراقی (۱۔۱۵)

وہ ثقہ علما اور حفاظ کی روایت کردہ حدیث کے کچھ حصّے میں بھرپور موافقت کرے، اس کے بعد اگر وہ کچھ حصّہ روایت کرے جو اس کے ساتھیوں کے پاس نہیں ہے تو اس کی زیادتی قبول کی جائے گی۔

امام زہری جلیل القدر محدث ہیں اور ان کے بہت سے شاگرد حافظ الحدیث بھی ہیں اور ان کی روایات کے علاوہ دوسرے محدثین کی روایات کو بھی خوب محفوظ کرنے والے ہیں، اسی طرح ہشام بن عروہ نامور محدث ہیں، ان دونوں کی روایات اہلِ علم کے نزدیک معروف ومقبول ہیں، ان کے شاگردوں نے ان کی اکثر روایات بالاتفاق نقل کی ہیں، اب اگر کوئی شخص ان دونوں سے یا دونوں میں سے ایک سے چند ایسی حدیثیں روایت کرتے جنہیں ان کا کوئی شاگرد بھی نہیں جانتا، اور وہ ان کے پاس صحیح احادیث میں شریک بھی نہیں ہے تو ایسے لوگوں کی حدیث کا قبول کرنا جائز نہیں ہے۔

اسی لیے آپ دیکھیں گے کہ محدثین ایک راوی کو اس قسم کے الفاظ کے ساتھ ضعیف قرار دیتے ہیں کہ اس نے ایسی حدیثیں روایت کی ہیں جن کے ساتھ موافقت نہیں کی جاسکتی یا وہ ثقہ حضرات سے ایسی غریب حدیثیں روایت کرتا ہے جن میں وہ منفرد ہے، یہاں تک کہ وہ مشائخ سے ایسی احادیث بیان کرتا ہے جو ان کی روایت سے معروف نہیں ہیں، وہ حدیثیں اگر چہ اپنی جگہ صحیح بلکہ متواتر ہی کیوں نہ ہوں، لیکن محدثین مذکورہ بالا قسم کے راویوں کی روایت کو ضعیف اور جھوٹ قرار دیتے ہیں، مثلاً امام دارقطنی نے غرائب امام مالک میں سے ایک حدیث ابوداؤد اور ابراہیم بن فہد کے حوالے سے بیان کی، انہوں نے قعنبی سے، انہوں نے امام مالک سے، انہوں نے نافع سے اور انہوں نے حضرت ابن عمر سے، انہوں نے مرفوعًا بیان کیا کہ مسلمان کے لیے جائز نہیں کہ وہ اپنے بھائی کو تین دن سے زیادہ چھوڑے رکھے، امام دارقطنی نے فرمایا کہ یہ حدیث باطل ہے۔ (یعنی اس سند سے)

اسی طرح وہ حدیث جسے احمد بن عمر زنجویہ نے ہشام بن عمار سے، انہوں نے امام مالک سے، انہوں نے نافع سے انہوں نے ابن عمر سے مرفوعًا روایت کیا۔ سمندر کا پانی پاک کرنے والا اور اس کا مرا ہوا جانور (مچھلی) حلال ہے، اس حدیث کے بارے میں امام دارقطنی نے فرمایا کہ اس سند سے باطل ہے۔

ایک حدیث احمد بن محمد بن عمران کے حوالے سے نقل کی، انہوں نے عبداللہ ابن نافع صائغ سے، انہوں نے امام مالک سے، انہوں نے نافع سے، انہوں نے ابن عمر سے مرفوعًا روایت کیا کہ ہماری اس مسجد میں ایک نماز ہزار نماز سے افضل ہے، اس کے بارے میں فرمایا کہ اس سند سے ثابت نہیں ہے،

اور احمد بن محمد مجہول ہے۔ ایسے ہی وہ حدیث جسے حسن بن یوسف سے روایت کیا، انہوں نے بحر بن نصر سے انہوں نے ابن وہب سے، انہوں نے امام مالک سے، انہوں نے نافع سے اور انہوں نے ابن عمر سے مرفوعًا روایت کیا: آگ سے بچو اگر چہ کھجور کے ایک ٹکڑے کے ذریعے ہو، اس حدیث کے بارے میں دارقطنی نے فرمایا: یہ حدیث منکر ہے اور اس سند سے صحیح نہیں ہے۔ اور جب اس حدیث کو حافظ عراقی نے میزان کے ذیل میں نقل کیا تو اس کے بعد فرمایا: اس حدیث کے دوسرے راوی ثقہ ہیں، لیکن اس سند کے راوی پر عمدًا یا وہمًا ثقہ کی مخالفت کی تہمت ہے۔

حالانکہ یہ تمام حدیثیں صحیح ہیں اور سمندر والی روایت کے علاوہ باقی حدیثیں صحیحین میں روایت کی گئی ہیں، سمندر والی روایت مؤطا امام مالک میں ہے، اور اس کی متعدد سندیں ہیں جن کی بنا پر بعض حفاظِ حدیث نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔

اس کے بعد علامہ احمد بن الصدیق غماری نے فرمایا:

دوسرا امر یہ ہے کہ وہ حدیث اصول اور مشہور و معروف منقول کے خلاف ہو، جیسے ابن جوزی نے بعض محدثین سے روایت کیا کہ جب تم دیکھو کہ کوئی حدیث معقول، منقول یا اصول کے مخالف اور متصادم ہے تو جان لو کہ وہ موضوع ہے۔

جب محدثین ایسی حدیث پاتے ہیں تو اس کے موضوع ہونے کا حکم لگا دیتے ہیں اگر چہ اس کے راوی ثقہ ہی ہوں، یا وہ حدیث کی صحیح کتاب میں روایت کی گئی ہو، مثلاً وہ حدیث جسے امام مسلم نے عکرمہ ابن عمار سے، انہوں نے ابوزمیل سے، انہوں نے عبداللہ ابن عباس سے روایت کیا کہ مسلمان ابوسفیان کی طرف دیکھتے نہیں تھے اور نہ ہی ان کے پاس بیٹھتے تھے، چنانچہ انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں عرض کیا کہ آپ مجھے تین سعادتیں عطا فرما دیں، آپ نے فرمایا: ٹھیک ہے، انہوں نے عرض کیا کہ میرے پاس عرب کی حسین ترین خاتون، میری بیٹی ام حبیبہ ہے، میں اس کا نکاح آپ سے کرتا ہوں، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا صحیح ہے۔ (الحدیث) یہ حدیث واقع کے خلاف ہے، کیوں کہ تواتر سے ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ابوسفیان کے اظہار اسلام سے پہلے ان کی صاحبزادی ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح کر لیا تھا، اس میں محدثین اور علماء سیرت میں کوئی اختلاف نہیں ہے، اسی لیے ابن حزم اور ایک جماعت نے تصریح کی ہے کہ یہ حدیث موضوع ہے

،ایک جماعت نے اس کے متعدد جواب دئے ہیں لیکن ان میں کوئی جواب بھی ایسا نہیں جو کانوں کو اچھا لگے، ابن قیم نے وہ تمام جوابات جلاء الافہام میں بیان کیے ہیں اوران کا بطلان بیان کیا ہے۔

صحیح یہ ہے کہ یہ روایت موضوع ہے جو قصداً اور عمداً نہیں بلکہ سہو اور غلطی سے اس کتاب میں آ گئی ہے، اس قسم کی موضوع روایتیں صحیحین میں موجود ہیں، جیسے حافظ شمس الدین ابن جزری نے "المصعد الاحمد" میں ابن تیمیہ سے نقل کیا کہ موضوع کا مطلب وہ حدیث ہے کہ اس میں جس چیز کی خبر دی گئی ہو اس کا معدوم ہونا یقینی طور پر معلوم ہو، اگرچہ اسے بیان کرنے والے نے دیدہ دانستہ جھوٹ نہ بولا ہو، بلکہ غلطی سے اسے بیان کردیا ہو، موضوع کی یہ قسم مسند، بلکہ سنن ابوداؤد اور نسائی میں بھی موجود ہے، صحیح مسلم اور بخاری میں بھی اس قسم کے بعض الفاظ موجود ہیں۔

اسی طرح امام بخاری ومسلم نے جو شریک سے حدیث اسراء ومعراج روایت کی ہے اس میں کئی ایسے اضافے ہیں جو باطل ہیں اور جمہور کی روایت کے مخالف ہیں، ان میں شریک کو وہم ہوا ہے، تاہم امام مسلم نے اس کی سند تو بیان کی ہے، لیکن الفاظ نقل نہیں کیے، اسی طرح وہ حدیث جسے امام بخاری نے حضرت ابوہریرہ سے مرفوعًا روایت کیا ہے کہ قیامت کے دن ابراہیم اپنے چچا آذر سے اس حال میں ملاقات کریں گے کہ اس کے چہرے پر سیاہی اور غبار چھایا ہوا ہوگا۔ (الحدیث)

اس حدیث میں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام عرض کریں گے اے میرے رب! بے شک تو نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ تو مجھے قیامت کے دن بے وقار نہیں فرمائے گا، میرا چچا تیری رحمت سے بعید ہے، اس سے بڑی سبکی میرے لیے کیا ہوگی؟ (الحدیث)

محدثین نے اس پر اعتراض کیا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے فرمان (وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرَاهِيْمَ لِاَبِيْهِ اِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَهَا اِيَّاهُ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنْهُ)

ابراہیم نے اپنے چچا کے لیے جو استغفار کیا تھا، وہ محض اس لیے تھا کہ انہوں نے اس سے وعدہ کیا تھا اور جب اُن پر ظاہر ہو گیا کہ وہ اللہ کا دشمن ہے تو وہ اس سے بری ہو گئے۔

اسماعیلی نے کہا کہ اس حدیث کے صحیح ہونے میں اس اعتبار سے اشکال ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے علم میں ہے کہ اللہ تعالیٰ وعدہ خلافی نہیں کرتا، تو وہ اپنے چچا کی حالت کو وقار کے خلاف کس طرح قرار دیں گے؟ جب کہ انہیں اچھی طرح اس بات کا علم ہے کہ اللہ تعالیٰ کے وعدے کا خلاف نہیں ہوسکتا۔

اگر چہ حافظ ابن حجر نے اس کا جواب دیا ہے، دیکھیے فتح الباری تفسیر سورۂ شعراء۔

اسی طرح یعقوب بن سفیان نے زید بن خالد جہنی کی اس روایت پر اعتراض کیا ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: ابوحذیفہ! اللہ کی قسم! میں منافقین میں سے ہوں، یعقوب نے کہا کہ یہ ناممکن ہے۔

لیکن یہ اعتراض وارد نہیں ہوتا، کیونکہ حضرت فاروق اعظم نے یہ بات غلبۂ خوف کے وقت اور تدبیر الٰہی سے محفوظ نہ ہونے کے تصور کے تحت یا بطور تواضع کہی تھی، جیسے کہ حافظ ابن حجر نے فتح الباری کے مقدمے میں بیان کیا۔

اسی طرح امام مسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ حدیث روایت کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہفتے کے دن مٹی کو پیدا کیا، اس کے بعد دوسرے دنوں کا ذکر کیا۔ ناقدین حدیث نے اسے بھی موضوع قرار دیا، کیوں کہ یہ قرآن کی نص کے خلاف ہے، قرآن پاک میں ہے کہ کائنات چھ دنوں میں پیدا کی گئی، نہ کہ سات دنوں میں، مؤرخین کا اس پر اجماع ہے کہ ہفتے کے دن کوئی چیز پیدا نہیں کی گئی، امام بیہقی نے ''الاسماء والصفات'' میں اس کی علت کی نشان دہی کی ہے، بعض امور کی طرف ابن کثیر نے سورۂ بقرہ کی تفسیر میں اشارہ کیا ہے، اور یہ بھی بیان کیا کہ بعض راویوں نے غلطی سے اسے مرفوعًا روایت کر دیا ہے، دراصل حضرت ابو ہریرہ نے یہ روایت حضرت کعب الاحبار سے سنی تھی۔

اس کے علاوہ اس قسم کے بعض الفاظ صحیحین میں واقع ہوئے ہیں، ابن حزم نے اس طرح کے بہت سے الفاظ کی نشان دہی کی ہے۔

صحیحین کے علاوہ تو بہت ساری روایات ہیں، مثلاً ایک حدیث میں ہے کہ ایک شخص پانچ سو سال پہاڑ کی چوٹی پر عبادت کرتا رہا، اسی حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرمائے گا اسے میری دی ہوئی نعمتوں اور علم کا حساب کرو، فرشتے دیکھیں گے کہ صرف بینائی کی نعمت ہی اسے پانچ سو سال حاصل رہی، باقی جسم کی نعمتیں اس کے علاوہ تھیں، اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔ میرے بندے کو آگ میں ڈال دو۔ (الحدیث)

علامہ ذہبی نے کہا کہ یہ روایت باطل ہے کیوں کہ یہ اللہ تعالیٰ کے فرمان (اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ) تم ان اعمال کے سبب جو کرتے رہے ہو جنت میں داخل ہو جاؤ، اس بات کا تذکرہ انہوں نے میزان الاعتدال میں سلیمان بن ہرم کے تذکرے میں کیا۔

اس کے بعد شیخ ابن الصدیق فرماتے ہیں:

حافظ ابن حجر نے مشہور فقیہ ابن بطہ حنبلی کے جھوٹ اور اس اضافے کے موضوع ہونے پر استدلال کیا ہے جو اس نے اللہ تعالیٰ کی موسیٰ علیہ السلام سے ہم کلامی کی حدیث میں کیا ہے، وہ اضافہ یہ ہے: (حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا) ''یہ کون عبرانی ہے جو میرے ساتھ گفتگو کر رہا ہے'' وجہ استدلال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کلام کسی مخلوق کے مشابہ نہیں ہوسکتا (تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کیسے شبہہ ہو گیا؟) ان سے پہلے ابن جوزی نے بھی یہی بات کہی ہے۔

ابن حبان اپنی صحیح میں حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے یہ روایت لائے ہیں کہ مہر نبوت بندوق کی گولی کی طرح گوشت تھا، جس پر لکھا ہوا تھا "محمد رسول اللہ" علامہ ابن جوزی اور ذہبی نے اس کے باطل ہونے پر استدلال کیا کہ یہ مہر نبوت کی صفت بیان کرنے والی احادیث صحیحہ کے خلاف ہے۔

ایک حدیث میں ہے کہ ''جو شخص یہ کہے کہ میں عالم ہوں وہ جاہل ہے''۔ حافظ سیوطی نے اس کے باطل ہونے پر یہ استدلال کیا کہ یہ مقولہ تو صحابہ کرام اور تابعین کی ایک جماعت سے منقول ہے، اس مسئلے پر انہوں نے ایک رسالہ "اعذب المناهل" لکھا اور اس کے شواہد "الصواعق علی النواعق" میں بیان کیے۔

ابن جوزی نے اپنی کتاب ''موضوعات'' میں اس طریقے سے بہت سی حدیثوں پر موضوع ہونے کا حکم لگایا ہے، ذہبی کہتے ہیں کہ ان سے پہلے جوزرقانی نے اپنی ''موضوعات'' میں یہی طرز عمل اختیار کیا ہے کہ کچھ احادیث کو اس لیے باطل اور کمزور قرار دیا ہے کہ وہ صحیح حدیثوں کے مخالف ہیں، ان کی کتاب کا موضوع ہی یہی ہے جس کا انہوں نے نام رکھا ہے "الاباطيل والمناكير والصحاح المشاهير" وہ پہلے ایک باطل حدیث بیان کرتے ہیں، اس کی علّت بیان کرتے ہیں پھر کہتے ہیں: "باب فی خلاف ذالك" یہ بات اس حدیث کے خلاف ہے، پھر حدیث صحیح بیان کرتے ہیں جس کا ظاہر اس حدیث کے خلاف ہوتا ہے، ذہبی نے کہا ان کی بہت سی تنقیدوں پر اعتراضات ہیں۔

اسی طرح حافظ سیوطی نے اپنی تصنیف "اللآلی المصنوعة" کی ابتدا میں ان کے اس انداز کا تذکرہ کیا ہے۔

جب یہ بات واضح ہوگئی اور آپ کو معلوم ہو گیا کہ بعض اوقات راوی پر اس لیے جرح کی جاتی ہے

کہ وہ مُنکر اور موضوع حدیثیں روایت کر دیتے ہیں اور منکر اور موضوع ہونے کا علم ان کے تفرد (تن تنہا روایت کرنے) اور اصول کی مخالفت سے ہوتا ہے، اب یہ بھی جان لیجیے کہ بعض اوقات تمام یا بعض ناقدین تشدد اور غلو کا مظاہرہ بھی کر جاتے ہیں اور ہر تفرد کو منکر قرار دے دیتے ہیں یا ہر اس راوی کو ضعیف قرار دے دیتے ہیں جس سے تفرد صادر ہوا ہو اور بعض تو اس قدر مبالغہ کرتے ہیں کہ اس حدیث کو ہی جھوٹ قرار دیتے ہیں اور یہ طریقہ باطل اور مردود ہے۔

بعض ناقدین اس لیے ایک راوی کو مجروح قرار دے دیتے ہیں کہ اس نے ایک منکر حدیث روایت کی ہے، تنقید کو اتنی وسعت دینا بھی باطل اور مردود ہے۔ علامہ ذہبی نے احمد بن سعدان سے نقل کیا کہ انہوں نے احمد بن عتاب مروزی کے بارے میں کہا: وہ صالح شیخ ہیں جنہوں نے فضائل اور منکر احادیث روایت کی ہیں، اس کے بعد ذہبی کہتے ہیں کہ ہر وہ راوی جو منکر حدیث راویت کرے ضعیف نہیں ہوتا، پھر خود ذہبی کی توجہ اس طرف نہ رہی اور انہوں نے میزان الاعتدال میں حسین بن فضل بجلی کا ذکر کیا اور اس کے بعد کہا میں نے ان کے بارے میں کوئی اعتراض نہیں دیکھا لیکن حاکم نے ان کے ترجمہ میں متعدد منکر روایتیں بیان کی ہیں۔

حافظ ابن حجر نے لسان المیز ان میں ذہبی کا تعاقب کیا اور فرمایا: اس عالم کے اس کتاب میں ذکر کرنے کا کوئی مطلب نہیں ہے، کیوں کہ وہ اکابر اہل علم وفضل سے ہیں (کچھ گفتگو کے بعد فرمایا) جیسے کہ بعض ناقدین گمان کرتے ہیں کہ چوں کہ فلاں راوی اس حدیث کی روایت کرنے میں منفرد ہے، اس لیے تو اس حدیث کو اس کی منکر روایات میں شمار کر دیتے ہیں اور اس کے سبب اس پر جرح کرتے ہیں، حالاں کہ واقع میں وہ اعتراض سے بری ہوتا ہے، کیوں کہ اس حدیث کی روایت میں اس کے متابع موجود ہوتے ہیں، لیکن تنقید کرنے والوں کو اس کا علم نہیں ہوتا، اگر انہیں متابعت کرنے والوں کا علم ہوتا تو اس راوی پر جرح نہ کرتے۔ اور یہ بات بکثرت موجود ہے، اس کی تمام مثالیں تو کیا اکثر مثالیں بھی بیان کی جائیں تو طوالت ہو جائے گی۔

ابوحاتم نے ابن عمرو کے بارے میں کہا کہ وہ مجہول ہے اور جس حدیث کو اس نے بیان کیا ہے باطل ہے۔ حافظ ابن حجر نے مقدمہ میں اس پر تعاقب کرتے ہوئے کہا کہ وہ مجہول نہیں ہے اور حدیث کا دار ومدار اس پر نہیں ہے، کیوں کہ وہ اس کے روایت کرنے میں منفرد نہیں ہے، جس طرح دارقطنی نے

"المؤتلف والمختلف" میں بیان کیا۔

بعض اوقات کوئی نقاد، راوی پر متفرد ہونے کی بنا پر جرح کرتا ہے، پھر اسے دوسرا راوی موافقت کرنے والا مل جاتا ہے، تو اسے معلوم ہوتا ہے کہ جس راوی پر اس نے جرح کی تھی وہ اس سے بری ہے، پھر اس کی توثیق کر دیتا ہے، مثلاً حاکم نے مستدرک میں امام حسین کی شہادت کی حدیث کے بارے میں کہا کہ میں طویل عرصہ تک یہی گمان کرتا رہا کہ ابونعیم سے یہ حدیث روایت کرنے میں مسمعی اکیلے ہیں، یہاں تک کہ یہی حدیث ہمیں ابومحمد سبیعی نے بیان کی، انہوں نے کہا ہمیں عبداللہ ابن محمد بن ناجیہ نے بیان کیا، انہوں نے کہا کہ ہمیں حمید بن ربیع نے بیان کیا، انہوں نے کہا ہمیں یہ حدیث ابونعیم نے بیان کی۔ (یہاں تک کہ انہوں نے کہا) بعض اوقات ناقدین اس لیے جرح کرتے ہیں کہ راوی کی روایت کردہ حدیث منکر اور اصول کے مخالف ہے، حالاں کہ واقع میں وہ حدیث اس طرح نہیں ہوتی۔ اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ دو متعارض حدیثوں کے درمیان تطبیق تک ان کی رسائی نہیں ہوتی حالاں کہ معارض حدیث کو موضوع اس وقت قرار دیا جائے گا جب تطبیق نہ دی جا سکے، جیسے کہ اصول میں اس کی تصریح کی گئی ہے۔

دوسری وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ دو حدیثیں آپس میں متعارض ہیں، حالاں کہ نفس الامر میں تعارض نہیں ہوتا۔ ایسا بھی ناقدین کے یہاں کثرت سے ہوتا ہے، سید احمد غمار کا کلام کس قدر اختصار کے ساتھ ختم ہوا۔(۱)

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ جب کسی حدیث کی سند صحیح ہو تو اس پر فوراً منکر اور باطل ہونے کا اعتراض جڑ دینا جائز نہیں ہے، بلکہ غور و فکر اور مختلف روایتوں کے درمیان تطبیق کی کوشش کرنی چاہیے، کیوں کہ ہر علم والے کے اوپر ایک علم والا ہوتا ہے اور بعض اوقات ایک شخص کو وہ بات سمجھ آ جاتی ہے، جو دوسرے کو سمجھ نہیں آتی۔

اسی لیے ہمارے شیخ محدث سید عبدالعزیز ابن الصدیق الغماری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس گفتگو کی تائید کرتے ہوئے فرمایا جب ایک حدیث کی سند صحیح ہو اور اہل فن کے نزدیک طے شدہ قواعد کے مطابق

---

(۱)۔ "فتح الملک العلی بصحۃ حدیث باب مدینۃ العلم علی" رضی اللہ تعالیٰ عنہ (صفحہ ۸۰۔صفحہ ۹۰ تک مختصراً) از محدث علامہ سید احمد بن الصدیق الغماری۔

ثابت ہوتو اس کے بعد یہ بات کسی مسلمان کو زیب نہیں دیتی کہ وہ اس حدیث کے الفاظ کو محض اس لیے غریب قرار دے کہ اس کی عقل اسے سمجھنے سے قاصر ہے، بلکہ اس پر واجب ہے کہ راسخین فی العلم علماء کے طریقے کے مطابق کہے کہ میں نے اسے سنا اور اس پر سر تسلیم خم کیا، اور اگر انسان ہر حدیث میں اپنی عقل کو دخل دینے لگے تو وہ کسی بھی حدیث کی تصدیق نہیں کرے گا اور اس پر ایمان نہیں لائے گا، یوں اس کی دنیا بھی برباد اور آخرت بھی برباد ہوگی۔

حدیث شریف:

"مَنْ عَادٰى لِيْ وَلِيًّا فَقَدْ آذَنْتُهٗ بِالْحَرْبِ"۔ "جس نے میرے کسی ولی سے دشمنی رکھی میری طرف سے اس کے لیے اعلان جنگ ہے"۔ اس حدیث کے سلسلے میں علامہ ذہبی پر رد کرتے ہوئے شیخ محدث سید عبدالعزیز غماری فرماتے ہیں کہ ذہبی یہ کہتے ہیں کہ یہ حدیث صرف اسی سند سے روایت کی گئی ہے، مجھے معلوم نہیں کہ اس بات سے ان کا کیا مقصد ہے؟ کیا ان کا مقصد یہ ہے کہ حدیث صحیح ہونے کے لیے یہ شرط ہے کہ اس کی سندیں متعدد ہوں اور وہ متعدد کتب میں روایت کی گئی ہو، اگر یہ مقصد ہے تو اس شرط پر کوئی محدث بھی ان کے ساتھ موافقت نہیں کرے گا، بلکہ ان کے نزدیک صحیح حدیث وہ حدیث ہے جسے ایک ثقہ راوی دوسرے ثقہ راوی سے روایت کرے اور اس میں شذوذ اور علت خفیّہ نہ پائی جائے، محدثین نے حدیث کے صحیح ہونے کے لیے یہ شرط نہیں لگائی کہ وہ فرد نہ ہو۔

صحیح بخاری کی پہلی حدیث دیکھ لیجیے جس پر اکثر احکام شرعیہ کا دارومدار ہے۔ یعنی حدیث شریف (اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ) یہ حدیث فرد اور غریب ہے اس کی متعدد سندیں صرف یحییٰ ابن سعید انصاری سے ہیں، اس کے باوجود کسی محدث نے نہیں کہا کہ یہ اس بنا پر معلَّل ہے، بلکہ امام بخاری نے اسے اپنی صحیح میں درج کیا ہے اور امتِ مسلمہ نے اسے صرف قبول ہی نہیں کیا ہے، بلکہ اسے احکامِ شریعت کے اصول میں سے شمار کیا ہے، اس لیے ذہبی کا یہ کہنا کہ "یہ متن صرف اس سند سے روایت کیا گیا ہے" باطل ہے۔

علامہ سید عبدالعزیز نے مزید فرمایا کہ کسی محدث نے حافظ کے لیے یہ شرط نہیں لگائی کہ وہ کبھی بھی غلطی نہ کرے اور کبھی بھی وہم کا شکار نہ ہو، اور کبھی کسی ثقہ راوی کی مخالفت نہ کرے، اگر وہ یہ شرط لگاتے تو کبھی کسی بڑے سے بڑے محدث کو حافظ کا لقب نہ دیا جاسکتا، کیوں کہ یہ شرط انسانی طاقت سے باہر ہی نہیں، محال بھی ہے، ہاں ارباب عقول کے نزدیک قابل قبول اور عام اہلِ فن (محدثین) کے نزدیک مسلّم

ایک ہی شرط ہے اور وہ یہ کہ راوی کی درستی اس کی غلطی سے اور اس کا ضبط اس کے وہم سے زیادہ ہو، اسی طرح ثقہ محدثین کے ساتھ مخالفت کی نسبت اس کی موافقت زیادہ ہو، یہ وہ شرط ہے جو محدثین نے صاحب حفظ وضبط راوی کے بارے میں لگائی ہے، جب کوئی راوی اس صفت کا حامل پایا جائے تو وہ ان کے نزدیک حافظ بھی ہوگا اور ضابط بھی، اس کے باوجود اگر وہ چند احادیث میں مخالفت بھی کر جائے تو اسے نقصان نہیں ہوگا، یہ وہ مسئلہ ہے جو کتب فن (اصول حدیث) میں طے شدہ ہے، اللہ ہی صحیح راستے کی ہدایت دینے والا ہے۔(۱)

یہ تھا سید عبدالعزیز محدث کا کلام جسے ہم نے اختصار کے ساتھ نقل کیا ہے، اس سے یہ بات کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ حدیث کے بعض الفاظ پر منکر ہونے کا الزام لگانا بہت مشکل ہے اور یہ صرف ماہر اور بیدار مغز محدث ہی کا کام ہے، اس لیے اگر کسی شخص کو کسی لفظ میں اشکال پیش آجائے تو صحیح طریقہ یہ ہے کہ فوراً اس کا انکار نہ کردے، بلکہ توقف کرے اور اللہ تعالیٰ سے دعا مانگے، کیوں نکہ ہر علم والے سے اوپر ایک علم والا ہے۔





(۱)۔اثبات المزیۃ بأبطال کلام الذھبی فی حدیث من عادیٰ لی ولیّا (صفحہ ۱۱ سے صفحہ ۱۷ تک) از سید محمد عبدالعزیز بن الصدیق



مصنّف عبدالرزاق

کے گم شدہ ابواب

(اردو ترجمہ)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اے میرے رب! آسانی عطا فرما، دشواری پیدا نہ فرما اور خیر کے ساتھ پایۂ تکمیل تک پہونچا اور اے مشکلات کے دروازے کھولنے والے ہم تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔

کتاب الایمان (۱)

حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کے نور کی تخلیق کے بیان میں:

(۱) عبدالرزاق روایت کرتے ہیں معمر سے۔ (۲) وہ زہری سے۔ (۳) اور وہ سائب بن یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے، انہوں نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ نے ایک درخت پیدا فرمایا جس کی چار شاخیں تھیں، اس کا نام ''یقین کا درخت'' رکھا، پھر نور مصطفی ﷺ کو سفید موتی کے پردہ میں پیدا کیا جس کی مثال مور ایسی تھی اور اس قندیل کو اس درخت پر رکھا، نورِ مصطفیٰ ﷺ نے اس درخت پر ستّر ہزار سال کی مقدار اللہ تعالیٰ کی تسبیح پڑھی پھر اللہ تعالیٰ نے حیا کا آئینہ پیدا فرمایا اور اس کے سامنے رکھ دیا، جب مور نے اس میں دیکھا تو اسے اپنی صورت انتہائی حسین وجمیل دکھائی دی، اس نے اللہ تعالیٰ سے شرما کر پانچ مرتبہ سجدہ کیا، تو وہ سجدے ہم پر پانچ وقتوں میں فرض ہو گئے، اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ اور آپ کی امت پر پانچ نمازیں فرض فرمادیں۔

اللہ تعالیٰ نے اس نور کی طرف نظر فرمائی تو اللہ سے حیا کی وجہ سے اس نور کو پسینہ آگیا، چنانچہ آپ کے سر مبارک کے پسینے سے فرشتے، چہرۂ اقدس کے پسینے سے عرش، کرسی، لوح وقلم، شمس وقمر، حجاب، ستارے اور جو کچھ آسمان میں پیدا کیا گیا، آپ کے سینۂ مبارک کے پسینے سے انبیا، رسل، علما، شہدا اور صالحین پیدا کیے گئے، آپ کے ابروؤں کے پسینے سے مومن مردوں اور عورتوں، مسلمان مردوں اور عورتوں کی جماعت پیدا کی گئی، آپ کے کانوں کے پسینے سے یہود ونصاریٰ اور مجوسیوں وغیرہم کی روحیں پیدا کی گئیں، آپ کے پائے اقدس کے پسینے سے مشرق کی زمین اور جو کچھ اس میں ہے پیدا کیا گیا۔

پھر اللہ تعالیٰ نے نورِ مصطفیٰ ﷺ کو حکم دیا کہ آگے کی جانب دیکھیے، نورِ مصطفیٰ ﷺ نے آگے کی طرف دیکھا تو آگے نور دکھائی دیا، پیچھے بھی نور، دائیں جانب بھی نور اور بائیں جانب بھی نور دکھائی دیا، یہ

ابوبکر صدیق، عمر فاروق، عثمان غنی، اور علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہم تھے۔

پھر اس نور نے ستر ہزار سال تسبیح پڑھی، پھر اللہ تعالیٰ نے نورِ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کا نور پیدا کیا، پھر اس نور کی طرف نظر کی تو ان کی روحوں کو پیدا کیا تو انہوں نے پڑھا: "لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ" پھر اللہ تعالیٰ نے سرخ عقیق کی قندیل پیدا کی ،جس کے باطن سے اس کا ظاہر دکھائی دیتا تھا، پھر حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دنیا کی صورت جیسی صورت پیدا کی، اور اسے قیام کی حالت میں اس قندیل میں رکھا، اس کے بعد روحوں نے نورِ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے گرد تسبیح اور کلمۂ طیبہ پڑھتے ہوئے ایک لاکھ سال طواف کیا۔ پھر ان سب کو حکم دیا کہ اس صورت مقدسہ کی زیارت کریں، بعض نے آپ کا چہرۂ انور دیکھا تو امیر عادل بن گئے، بعض نے آپ کی آنکھیں دیکھیں تو وہ کلام اللہ کے حافظ بن گئے، بعض نے آپ کے ابرو دیکھے تو وہ خوش بخت بن گئے، بعض نے آپ کے رخسار دیکھے تو وہ محسن اور عقل مند بن گئے۔

بعض نے آپ کی ناک دیکھی تو وہ حکیم، طبیب اور عطّار بن گئے، بعض نے آپ کے ہونٹ دیکھے تو خوب صورت چہرے والے اور وزیر بن گئے، بعض نے آپ کا دہن مبارک دیکھا تو وہ روزے دار بن گئے، بعض نے آپ کے دانت مبارک دیکھے تو وہ حسین چہروں والے مرد عورتیں بن گئے بعض نے آپ کی زبان اقدس دیکھی تو وہ بادشاہوں کے سفیر بن گئے، بعض نے آپ کے بابرکت گلے کو دیکھا تو وہ واعظ، مؤذن اور نصیحت کرنے والے بن گئے، بعض نے آپ کی داڑھی شریف دیکھی تو مجاہد فی سبیل اللہ بن گئے۔ بعض نے آپ کی متوازن گردن دیکھی تو وہ تاجر بن گیا۔

بعض نے آپ کے دونوں بازو دیکھے تو وہ نیزے باز اور شمشیر زن بن گئے، بعض نے آپ کا دایاں بازوں دیکھا تو وہ خون نکالنے والے بن گئے، بعض نے آپ کا بایاں بازو دیکھا تو مجاہد اور جلاّد بن گئے، بعض نے آپ کی دائیں ہتھیلی دیکھی تو وہ صرّاف اور نقش و نگار بنانے والے بن گئے، بعض نے آپ کی بائیں ہتھیلی دیکھی تو وہ غلے کا ناپ تول کرنے والے بن گئے، بعض نے آپ کے دونوں ہاتھ دیکھے تو وہ سخی اور دانا بن گئے، بعض نے آپ کے دائیں ہاتھ کی پشت دیکھی تو وہ رنگ ریز بن گئے، بعض نے آپ کے بائیں ہاتھ کی پشت دیکھی تو وہ لکڑ ہارے بن گئے، بعض نے آپ کی انگلیوں کے پورے دیکھے تو وہ خوش نویس بن گئے، بعض نے آپ کے دائیں ہاتھ کی انگلیوں کی پشت دیکھی تو وہ درزی بن گئے، بعض

نے آپ کے بائیں ہاتھ کی انگلیوں کی پشت دیکھی تو وہ لوہار بن گئے۔

بعض نے آپ کا سینہ دیکھا تو وہ عالم ،شکر گزار اور مجتہد بن گئے ،بعض نے آپ کی پشت مبارک دیکھی تو وہ متواضع اورامر شریعت کوروشن کرنے والے بن گئے ،بعض نے آپ کی روشن پیشانی دیکھی تو وہ غازی بن گئے ،بعض نے آپ کا شکم اطہر دیکھا تو وہ قناعت پیشہ اور زاہد بن گئے ،بعض نے آپ کے دونوں گھٹنوں کو دیکھا تو وہ رکوع وسجود کرنے والے بن گئے بعض نے آپ کے پائے اقدس دیکھے تو شکاری بن گئے ،بعض نے آپ کے مقدس تلوے دیکھے تو پیدل چلنے کے عادی ہو گئے ،بعض نے آپ کا سایہ دیکھا تو وہ گویئے اور طنبورے والے بن گئے اور بعض بدقسمت وہ تھے جنہوں نے آپ کی طرف دیکھا ہی نہیں تو وہ فرعون وغیرہ کی طرح ربوبیت کے دعوی دار بن گئے ،بعض نے آپ کی طرف دیکھنے کی کوشش کی مگر وہ دیکھنے میں کامیاب نہیں ہو سکے تو وہ غیر مسلم یہودی اور عیسائی وغیرہ بن گئے۔

---

(۱)۔یہ عنوان مناسبت کے تحت ہم نے لگایا ہے۔

(۲)۔ یہ معمر بن راشداز دی حدانی بصری ہیں ،ان کی کنیت ابوعروہ اوران کے والد کی کنیت ابوعمرو ہے ،یمن کے باشندے حضرت حسن بصری کے جنازے میں شریک ہوئے ،ثابت بنانی ،قتادہ ،زہری ،عاصم احول ،زید بن اسلم اورمحمد بن منکدر وغیرہ سے روایت کرتے تھے، وہ مستند، ثقہ اور فاضل تھے ۱۵۴ھ میں فوت ہوئے ،دیکھیے طبقات ابن سعد۔(۵۔۵۴۶)

(۳) یہ ابوبکر محمد بن مسلم بن عبداللہ بن عبداللہ بن شہاب قرشی زہری مدنی تھے ،فقیہ اور حافظ الحدیث تھے، ان کی جلالت علمی اور حافظے کی مضبوطی پر اتفاق ہے، مشہور ائمہ میں سے ایک اور حجاز وشام کے نامور عالم تھے، انہوں نے حضرت عبداللہ ابن عمر، عبداللہ بن جعفر، انس جابر، سائب بن یزید، سعید بن مسیّب، سلیمان ابن یسار اور کثیر التعداد مشائخ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت کی ،۱۲۵ھ میں فوت ہوئے ،دیکھیے ۔طبقات ابن سعد (۴۔۱۲۶) تاریخ کبیر امام بخاری (۱۔۲۲۰) تاریخ صغیر (۱۔۳۲۰) الجرح والتعدیل (۸۔۷۱) الثقات از ابن حبان (۵۔۳۴۹) سیر اعلام النبلاء (۵۔۳۲۶) وفیات الاعیان (۱۲۱۔۱۴۰) العبر (۱۔۱۵۸) تذکرۃ الحفاظ (۱۔۱۰۸) التقریب (۶۲۹۶) تہذیب الکمال (۲۶۔۴۱۹) اور شذرات الذہب (۱۔۱۶۲)

(۴) مخطوط میں سائب بن زید لکھا ہوا ہے، لیکن صحیح سائب بن یزید ہے، یہ سائب بن یزید بن سعید ابن ثمامہ ہیں انہیں بن اسود کندی یا ازدی بھی کہا جاتا ہے ،’’ابن اخت النمر‘‘ کے عنوان سے معروف ہیں، صحابی ہیں ،انہوں نے متعدد حدیثیں حضور اکرم ﷺ سے روایت کی ہیں، علاوہ ازیں اپنے والد، حضرت عمر فاروق اور عثمان غنی سے بھی روایت کی ہے۔ وہ بیمار تھے ان کی خالہ انہیں نبی اکرم ﷺ کی بارگاہ میں لے گئیں، آپ نے ان کے سر پر دست شفقت پھیرا اور ان کے لئے دعا فرمائی، انہوں نے نبی

(۲)۔ عبدالرزاق روایت کرتے ہیں کہ ابن جریج (۱) سے، انہوں نے فرمایا: مجھے حضرت براء نے بیان فرمایا کہ میں نے کوئی چیز رسول اللہ ﷺ سے زیادہ حسین نہیں دیکھی۔

(۳)۔ عبدالرزاق روایت کرتے ہیں معمر سے، وہ یحییٰ ابن ابی کثیر (۲) سے، وہ ضمضم (۳) اور وہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے انہوں نے فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ سے زیادہ کوئی حسین نہیں دیکھا، یوں معلوم ہوتا تھا جیسے سورج آپ کی آنکھوں میں چل رہا ہو۔

(۴)۔ عبدالرزاق، ابن جریج (۴) سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے فرمایا مجھے نافع (۵) نے

گزشتہ سے پیوستہ: اکرم ﷺ کے وضو کا بچا ہوا پانی پیا اور مہر نبوت کی زیارت کی، امام بغوی نے نقل کیا کہ ان کے آزاد کردہ غلام حضرت عطاء نے بیان کیا کہ ان کے بال سر کے درمیان سے لے کر سر کے اگلے حصے تک سیاہ تھے، جب کہ باقی بال سفید تھے، عطاء نے عرض کیا کہ میں نے آپ سے زیادہ عجیب کسی کے بال نہیں دیکھے، حضرت سائب نے فرمایا: بیٹے تمہیں اس کی وجہ معلوم نہیں ہے، ہوا یہ کہ میں بچوں کے ساتھ کھیل رہا تھا کہ نبی اکرم ﷺ میرے پاس سے گزرے تو آپ نے میرے سر پر ہاتھ پھیرا اور فرمایا اللہ تعالیٰ تمہیں برکت عطا فرمائے، اس لیے یہ بال کبھی سفید نہیں ہوں گے، ام العلاء بنت شریح حضرمی ان کی والدہ اور علاء بن الحضرمی ان کے ماموں تھے، حضرت سائب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۸۲ھ میں اور بقول بعض علما ۹۰ھ کے بعد دنیا سے تشریف لے گئے، دیکھیے الاصابہ (۴۔۱۱۷) اسد الغابہ (۲۔۱۶۹) معجم الصحابہ للبغوی (۳۔۱۸۸) الاستیعاب (۲۔۵۷۶) اور الصحابہ از ابونعیم (۳۔۱۳۷۶)

---

(۱)۔ ابن جریج: ثقہ حافظ الحدیث تھے، لیکن تدلیس کرتے تھے، (یعنی استاذ کی بجائے اس کے استاذ کا نام ذکر کر دیتے تھے اس سے یہ تاثر پیدا ہوتا ہے کہ یہ براہِ راست اس کے شاگرد ہیں۔ ۱۲ شرف قادری) لیکن اس جگہ تو انہوں نے خبر دینے کی تصریح کر دی ہے، اس حدیث کو امام مسلم نے "باب صفة النبی ﷺ" میں روایت کیا ہے (وأنّه كان أحسن الناس وجها) آپ کا چہرۂ انور تمام انسانوں سے زیادہ حسین تھا، (۴۔۱۸۱۸) مسلم شریف کی حدیث کا ترجمہ یہ ہے: رسول اللہ ﷺ کا قد میانہ تھا، کندھوں کے درمیان فاصلہ زیادہ تھا (یعنی باڈی بہت وسیع تھی) زلفیں کان کی لو کو چھو رہی تھیں، آپ نے (دھاریدار) سرخ حُلّہ پہن رکھا تھا، میں نے آپ سے زیادہ حسین کوئی چیز نہیں دیکھی (ﷺ) اسے امام بخاری نے روایت کیا (۳۔۱۳۰) نمبر (۳۳۵۸) ابوداؤد (۴۔۴۰۹) نسائی (۸۔۱۸۳) ابویعلی (۳۔۲۶۲) امام احمد (۳۰۔۴۲۲) لہٰذا حدیث صحیح ہے۔

(۲)۔ ابونصر یحییٰ ابن ابی کثیر طائی یمامی، بنوطے کے آزاد کردہ غلام تھے، حضرت ضمیم سے روایت کرتے تھے لیکن تدلیس و ارسال سے کام لیتے تھے۔ دیکھیے تقریب (۷۶۳۲)

(۳)۔ ضمضم بن جوس یمامی: انہوں نے حضرت ابوہریرہ اور عبداللہ ابن حنظلہ سے روایت کی، وہ ثقہ تھے۔ (التقریب ۲۹۔تہذیب التہذیب ۲۔۲۳۰)

خبر دی کہ ابن عباس نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کا (تاریک) سایہ نہیں تھا، آپ کبھی سورج کے سامنے کھڑے نہیں ہوئے مگر آپ کی روشنی سورج کی دھوپ پر غالب ہوتی، اور کبھی چراغ کے سامنے کھڑے نہیں ہوئے مگر آپ کی روشنی چراغ پر غالب ہوتی۔(۱)

(۵)۔ عبدالرزاق روایت کرتے ہیں یحییٰ ابن العلاء سے، وہ طلحہ سے وہ عطا سے اور وہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا چہرۂ انور چاند کے ہالے کی طرح تھا۔(۲)

گزشتہ سے پیوستہ: (۴)۔ یہ عبدالملک بن عبدالعزیز ابن جریج اموی مکی، ثقہ اور فاضل تھے، تدلیس اور ارسال سے کام لیتے تھے ۱۴۹ھ میں وفات پائی۔ دیکھیے التقریب (۴۱۹۳) تہذیب التہذیب (۲۔۶۱۶) اور تہذیب الکمال (۱۸۔۳۳۸)

(۵)۔ ابوعبداللہ مدنی، حضرت عبداللہ ابن عمر بن خطاب کے آزاد کردہ غلام تھے، ایک غزوہ ابن عمر نے انہیں زخمی کر دیا تھا، مستند اور مشہور فقیہ تھے۔ ۱۱۷ھ میں وفات پائی۔ دیکھیے (التقریب ۷۰۸۶، تہذیب الکمال ۲۹۔۲۹، تہذیب التہذیب ۴۔۲۱۰)

---

(۱)۔ اس حدیث کی سند صحیح ہے، اس کا تذکرہ امام سیوطی نے خصائص کبریٰ میں کیا ہے، جس پر ہراس نے تحقیق کی ہے (۱۔۱۶۹) اور اس کی نسبت حکیم ترمذی کی طرف کی ہے کہ انہوں نے یہ حدیث ابن ذکوان سے روایت کی۔ حکیم ترمذی کی جو قلمی اور مطبوعہ کتب ہمارے سامنے موجود ہیں ان میں ہمیں یہ حدیث نہیں ملی، امام سیوطی نے جو روایت خصائص الکبریٰ میں بیان کی ہے اس کا ترجمہ یہ ہے: سورج اور چاند کی روشنی میں رسول اللہ ﷺ کا سایہ نہیں تھا، ابن سبع نے فرمایا کہ نبی اکرم ﷺ کی خصوصیات میں سے ہے کہ آپ کا سایہ زمین پر نہیں پڑتا تھا، چوں کہ آپ نور ہیں اس لیے جب آپ سورج یا چاند کی روشنی میں چلتے تو آپ کا سایہ دکھائی نہیں دیتا تھا، بعض علما نے فرمایا اس کی تائید نبی اکرم ﷺ کی اس دعا سے ہوتی ہے کہ اے اللہ! مجھے نور بنا دے۔ امام مقریزی نے یہ کلام امتاع الاسماع (۱۰۔۳۰۸) خیضری نے اپنی کتاب ''اللفظ المکرم بخصائص النبی ﷺ (۲۔۲۳۵) قسطلانی نے مواہب لدنیہ (۲۔۳۰۷) صالحی نے سبل الہدی والرشاد (۲۔۹۰) اور عمر بن عبداللہ سراج الدین نے اپنی کتاب ''غایۃ السول فی خصائص الرسول ﷺ'' میں نقل کیا۔ امام عبدالرزاق کی روایت کا ذکر امام زرقانی نے مواہب لدنیہ کی شرح (۴۔۲۲۰) میں کیا، انہوں نے فرمایا: ابن مبارک اور ابن جوزی نے ابن عباس سے روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ کا سایہ نہیں تھا اور آپ جب بھی سورج کے سامنے کھڑے ہوئے تو آپ کی روشنی سورج کی روشنی پر غالب آ گئی، اور جب بھی آپ چراغ کے سامنے کھڑے ہوئے تو آپ کی روشنی چراغ کی روشنی پر غالب آ گئی (اھ) لہذا البانی کا اس حدیث کو ضعیف قرار دینا درست نہیں ہے، اور پھر اس نے جو حجت بازی کی ہے وہ قابل توجہ نہیں ہے، بلکہ وہ تو آدمی کو گمراہی تک پہونچا دیتی ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں باطن کی خرابیوں اور ضمیر کے اندھیروں سے بچائے۔

(۶)۔ عبدالرزاق روایت کرتے ہیں ابن جریج سے، وہ فرماتے ہیں کہ مجھے حضرت براء نے بیان فرمایا کہ میں نے کسی شخص کو (دھاریدار) سرخ حُلّہ پہنے ہوئے اور بالوں میں کنگھی کیے ہوئے رسول اللہ ﷺ سے زیادہ حسین نہیں دیکھا۔ آپ کے مقدس بال کندھوں کے قریب تھے۔(۱)

(۷)۔ عبدالرزاق راویت کرتے ہیں ابن جریج سے، وہ حضرت عطاء سے وہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا چہرہ سب لوگوں سے زیادہ حسین اور رنگ سب سے زیادہ چمکدار تھا۔(۲)

(۸)۔ عبدالرزاق روایت کرتے ہیں معمر سے وہ ایوب سے، وہ ابوقلابہ سے اور حضرت عابر بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کی زیارت کی، آپ نے (دھاری دار) سرخ حُلّہ زیب تن کیا ہوا تھا، میں کبھی آپ کے چہرۂ مبارک کو دیکھتا اور کبھی چاند کو، میری نظر میں آپ کا چہرۂ اقدس چاند سے زیادہ حسین تھا۔(۳)

(۹)۔ عبدالرزاق روایت کرتے ہیں امام مالک سے، وہ عبداللہ ابن ابی بکر سے کہ سالم بن عبداللہ نے ام معبد سے روایت کرتے ہوئے انہیں خبر دی، کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی صفت بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ آپ دور سے دیکھنے میں سب لوگوں سے زیادہ پیارے اور سب سے زیادہ حسین تھے۔ اور قریب سے دیکھنے میں سب سے زیادہ بلند آواز (بارعب) اور سب سے زیادہ خوب صورت تھے۔(۴)

گزشتہ سے پیوستہ: (۲)۔ اس حدیث کو امام بخاری نے ''باب صفۃ النبی ﷺ'' میں روایت کیا (۳/ ۱۳۰۴) نمبر (۳۳۵۹) مسلم (۴۔۱۸۱۹) نمبر (۲۳۳۸) ابن حبان (۱۴۔۱۹۶) حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا چہرۂ پرنور سب سے زیادہ حسین اور آپ کا خلق سب سے زیادہ عمدہ تھا، نسائی سنن کبری (۶۔ ۲۶۳) رویانی مسند میں (۲۔۳۹۲) حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے۔

---

(۱)۔ اس کی تخریج حدیث نمبر ۲ میں کی جا چکی ہے۔

(۲)۔ اس حدیث کی تخریج حدیث نمبر ۵ کے تحت کی جا چکی ہے۔

(۳)۔ اس حدیث کو حاکم نے المستدرک (۴۔۲۰۷) رومانی نے مسند (۱/ ۴۴) بیہقی نے شعب الایمان (۲۔۱۵۱) اور طبرانی نے معجم کبیر (۲۔۲۰۶) میں روایت کیا۔

(۴)۔ طبقات کبریٰ از ابن سعد (۱۔۲۳۱)

(۱۰)۔ عبدالرزاق روایت کرتے ہیں معمر سے اور وہ ابن جریج (۱) سے کہ حضرت براء بکثرت یہ درود شریف پڑھا کرتے تھے۔اے اللہ! رحمتیں نازل فرما اپنے انوار کے سمندر اور اپنے اسرار کی کان حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ اور آپ کی آل پر۔(۲)

(۱۱)۔ حضرت عبدالرزاق روایت کرتے ہیں ابن تیمی سے ،وہ اپنے والد(۳) سے اور وہ حضرت حسن بصری سے کہ وہ کثرت سے درود شریف پڑھا کرتے تھے: اے اللہ! اس ذات اقدس پر رحمتیں نازل فرما جن کے نور سے پھول کھلے ہیں ،ایسی رحمتیں نازل فرما جو آپ کے چہرۂ انور کی رونق کو دوبالا کردیں۔(۴)

(۱۲)۔ عبدالرزاق فرماتے ہیں کہ مجھے ابن عیینہ نے خبر دی امام مالک سے کہ وہ ہمیشہ یہ درود پاک پڑھا کرتے تھے: اے اللہ! ہمارے آقا محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر رحمتیں نازل فرما جن کا نور تمام مخلوق سے پہلے تھا۔(۵)

(۱۳)۔ عبدالرزاق کہتے ہیں کہ مجھے یحییٰ ابن ابی زائدہ (۶) نے سلیمان بن یسار (۷) سے خبر

---

(۱)۔ ان کا تذکرہ حدیث نمبر ۴ کے تحت گزر چکا ہے۔

(۲)۔ اس حدیث کی سند منقطع ہے، کیوں کہ ابن جریج کی ملاقات حضرت براء سے نہیں ہوئی۔

(۳)۔ ابن تیمی: یہ معمر بن سلیمان بن طرخان تیمی تھے،ان کی کنیت ابو محمد اور وہ بصری تھے،ان کا لقب طفیل تھا اور ثقہ تھے (۱۸۷ھ) میں فوت ہوئے ،دیکھیے التقریب (۶۷۸۵) تہذیب التہذیب (۴۔۱۱۷) تہذیب الکمال (۲۸۔۲۵۰) ان کے والد سلیمان بن طرخان تیمی بصری تھے،ان کی کنیت ابوالمعمر تھی ،وہ ثقہ اور عبادت گزار تھے ،انہوں نے حضرت انس بن مالک ، طاؤس، حسن بصری اور ثابت بنانی وغیرہم سے روایت کی ، ۱۴۳ھ میں فوت ہوئے ،دیکھیے التقریب (۲۵۷۵) تہذیب (۲۔۹۹) تہذیب الکمال (۱۲۔۵)

(۴)۔ اس کی سند صحیح ہے۔ (۵)۔اس کی سند بھی صحیح ہے۔ (۶)۔یہ ابوسعید یحییٰ ابن زکریا ابن ابی زائدہ ہمدانی کوفی ہیں،ثقہ اور مضبوط حافظے والے تھے ،۱۸۳ھ یا ۱۸۴ھ میں فوت ہوئے ،دیکھیے التقریب (۷۵۴۸) تہذیب التہذیب (۴۔۳۵۳) تہذیب الکمال (۳۱۔۳۰۵) (۷)۔ یہ ابوایوب سلیمان یسار ہلالی مدنی تھے، یہ ام المؤمنین میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے آزاد کردہ غلام تھے، کہا جاتا ہے کہ حضرت ام سلمہ کے مکاتب تھے، ثقہ، فاضل اور سات فقہاء میں سے ایک تھے، انہوں نے حضرت میمونہ، ام سلمہ، عائشہ، زید بن ثابت، ابن عباس، ابن عمر اور جابر وغیرہم رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت کی، سن ایک سو ہجری کے بعد وفات پائی، بعض نے کہا اس سے پہلے فوت ہوئے۔دیکھیے التقریب (۲۶۱۹) تہذیب (۲۔۱۱۲) تہذیب الکمال (۱۲۔۱۰۰)

دی، انہوں نے کہا کہ مجھے ابوقلابہ(۱) نے تعلیم دی کہ ہر نماز کے بعد سات مرتبہ یہ درود شریف پڑھا کروں: اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى اَفْضَلِ مَنْ طَابَ مِنْهُ النُّجَارُ ۔ (۲) اے اللہ! اس ذات اقدس پر رحمتیں نازل فرما جن کی بدولت اصل طیب وطاہر ہوا اور فخر سر بلند ہوا اور جن کی پیشانی کے نور سے چاند جگمگا اٹھے اور جن کے دائیں ہاتھ کی سخاوت (عند جود یمینه)(۳) کے سامنے بادل اور دریا شرمسار ہو گئے۔

(۱۴)۔ عبدالرزاق روایت کرتے ہیں کہ ابن جریج (۴) سے، انہوں نے فرمایا: مجھے زیاد (۵) نے فرمایا کہ تم صبح وشام یہ درود شریف پڑھنا نہ بھولنا: اے اللہ! اس ذات اقدس پر رحمتیں نازل فرما جن سے نہریں جاری ہوئیں اور انوار پھوٹے اور اسی ذات اقدس میں حقائق نے ترقی کی اور آدم علیہ السلام کے علوم نازل ہوئے۔

(۱۵)۔ عبدالرزاق روایت کرتے ہیں معمر (۶) سے، وہ ابن ابی زائدہ (۷) سے، وہ ابن

(۱)۔ یہ ابوقلابہ عبداللہ ابن زید بن عمرو جرمی بصری، ثقہ اور فاضل تھے، بکثرت مرسلاً روایت کرتے تھے، منصب قضا سے چھڑانے کے لیے شام چلے گئے تھے، وہیں ۱۰۴ھ اور بعض نے کہا اس کے بعد فوت ہوئے، التقریب (۳۳۳۳) تہذیب التہذیب (۲۔۹ ۳۳) تہذیب الکمال (۱۴۔ ۵۴۲)

(۲)۔ اصل نسخہ میں بخار ہے، غالباً صحیح وہی ہے جو ہم نے لکھا ہے (نُجار) النجر، النجار اور النُّجار کا معنی اصل اور حسب ہے، لسان العرب (۵۔ ۱۹۳) بعض جگہ ''ردفیہ الفخار'' آیا ہے، اس لیے لفظ ''بخار'' کا کوئی مطلب نہیں ہے، اور یہ کاتب کی غلطی ہے۔ واللہ اعلم۔ اس کی تائید دلائل الخیرات میں امام جزولی کے قول سے ہوجاتی ہے، انہوں نے لکھا ہے: اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مَنْ طَابَ مِنْهُ النُّجَارُ۔ دیکھیے دلائل الخیرات (۱۴۲۔ ۱۴۳) اور اس کی شرح مطالع المسرات۔ (۴۱۰۔۴۱۱)

(۳)۔ اصل نسخہ میں ''جنوذ'' ہے اور غالبا (جود) ہی صحیح ہے جو ہم نے متن میں لکھا ہے، جیسے دلائل الخیرات (۱۴۲۔ ۱۴۳) اور مطالع المسرات (۴۱۲۔ ۴۱۳) میں ہے، غالباً نبی اکرم ﷺ کی عظیم سخاوت کا بیان کرنا مقصود ہے، کیوں کہ آپ کی بخشش آندھی سے زیادہ تیز تھی، ممکن ہے اس جگہ لفظ ''جنوب'' ہو۔ (جنوب یمینه) اسے بگاڑ کر جنود بنا دیا گیا ہو، جنوب جمع ہے جَنْبٌ کی یعنی انسان کی ایک جانب، سائڈ، دیکھیے۔ الغریبین از ابن سلام (۱۔۱۸۱۔ ۱۸۲ب، خ ط) لسان العرب (۱۔۲۷۵)

(۴)۔ ان کا تذکرہ حدیث نمبر ۱۰ کے تحت کیا جا چکا ہے۔

(۵)۔ یہ ابوعبدالرحمٰن زیاد بن سعد بن عبدالرحمٰن خراسانی ہیں، ابن جریج کے شریک تھے، پہلے مکہ معظمہ میں رہے، پھر یمن گئے، ثقہ اور مستند ہیں، ابن عیینہ نے فرمایا زہری کے شاگرد میں مضبوط ترین یادداشت والے تھے، ان سے امام مالک، جریج، ابن عیینہ اور ہمام وغیرہم نے روایت کی۔ دیکھیے التقریب (۲۰۸۰) اور تہذیب التہذیب (۱۔۷ ۶۴)

(۶)۔ ان کا تذکرہ حدیث نمبر ا کے تحت گزر چکا ہے۔ (۷)۔ ان کا تذکرہ حدیث نمبر ۱۳ کے تحت گزر چکا ہے۔

عون (۱) سے روایت کرتے ہیں کہ مجھے میرے شیخ (ابن عون) نے تعلیم دی کہ میں رات یہ درود شریف پڑھا کروں: اے اللہ اس ذات اقدس پر رحمت نازل فرما جن کے نور سے تو نے ہر شے کو پیدا فرمایا۔ (۲)

(۱۶)۔ عبدالرزاق ابن جریج سے اور وہ سالم (۳) سے روایت کرتے ہیں کہ مجھے سعید ابی سعید (۴) نے تعلیم دی کہ میں ہمیشہ یہ درود شریف پڑھا کروں: اے اللہ! غم کو دور کرنے والی، اندھیرے کو منکشف کرنے والی، نعمت کو عطا کرنے والی اور رحمت بانٹنے والی ہستی پر رحمت کاملہ نازل فرما۔

(۱۷)۔ عبدالرزاق معمر سے وہ زہری سے، وہ سالم سے اور وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے ان دو آنکھوں سے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت کی اور آپ تمام تر نور تھے، بلکہ (نورٌ مِّنْ نُّوْرِ اللهِ) آپ ایسے نور تھے جسے اللہ تعالیٰ نے بلا واسطہ اپنے نور سے پیدا کیا تھا (مَنْ رَّآهُ بَدِيْهَةً) (۵) جو شخص پہلے پہل آپ کی زیارت کرتا وہ مرعوب ہو جاتا اور جو بار بار آپ کی زیارت کرتا وہ

(۱)۔ یہ ابوعون عبداللہ ابن عون بن ارطبان مُزنی بصری تھے، انہوں نے حضرت انس بن مالک کی زیارت کی، لیکن اس حدیث کا سننا ثابت نہیں ہے، ثقہ، مضبوط حافظے والے، فاضل اور علم و عمل اور عمر میں ایوب کے معاصر تھے، ان سے اعمش، ثوری، شعبہ ابن مبارک، ابن زائدہ اور وکیع وغیرہم نے روایت کی ۱۵۰ھ میں وفات پائی، التقریب (۹) تہذیب التہذیب (۲۔۳۹۸) اور تہذیب الکمال (۱۵۔۳۹۴)

(۲)۔ اس کی سند منقطع ہے، کیوں کہ معمر، ابن ابی زائدہ سے روایت نہیں کرتے۔

(۳)۔ یہ ابونضر سالم بن ابی امیہ تیمی مدنی ہیں، ثقہ اور مستند تھے، مرسلاً روایت کرتے تھے، ۱۲۹ھ میں فوت ہوئے۔ تقریب (۲۱۶۹) تہذیب التہذیب (۱۔۶۷۴) اور تہذیب الکمال (۱۰۔۱۲۷)

(۴)۔ یہ سعید بن ابوسعید ہیں، ابوسعید کا نام کیسان مقبری مدنی ہے، وہ مدینہ منورہ کی ایک عورت کے مکاتب تھے ان کی نسبت ہے مدینہ منورہ کے ایک مقبرہ (قبرستان) کی طرف، یہ اس کے قریب رہتے تھے ۱۲۰ھ کے آس پاس وفات ہوئی دیکھیے التقریب (۲۳۲۱) تہذیب التہذیب (۲۔۲۲) اور تہذیب الکمال (۱۰۔۴۶۶)

(۵)۔ اصل نسخے میں بدیہا ہے، غالبًا صحیح (بدیھۃ) ہے جو ہم نے متن میں درج کیا ہے، غالبًا اس جگہ کاتب کی غلطی ہے۔

دل کی گہرائی سے آپ سے محبت کرنے لگتا۔(۱)

(۱۸)۔ عبدالرزاق معمر (۲) سے وہ ابن منکدر سے (۳) اور وہ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ (۴) سے روایت کرتے ہیں: (عبدالرزاق عن معمر عن ابن المنکدر عن جابر قال: سَالتُ رسول اللہ ﷺ عَنۡ اَوَّلِ شیئٍ خلقہ اللہُ تعالیٰ؟ فَقَالَ ھُوَ نُوۡرُ نَبِیِّكَ یاجابر خلقہ اللہُ'' میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے کس چیز کو پیدا فرمایا؟ آپ نے فرمایا: اے جابر! اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے تیرے نبی کے نور کو پیدا فرمایا، پھر اس میں ہر خیر کو پیدا کیا اور ہر شے کو اس کے بعد پیدا کیا، اور جب اس نور کو پیدا کیا تو اسے اپنے سامنے مقامِ قرب میں بارہ ہزار سال قائم کیا، پھر اسے چار قسمیں بنایا، تو ایک قسم سے عرش اور کرسی کو پیدا کیا، ایک قسم سے عرش کے حاملین اور کرسی کے خازنوں کو پیدا کیا۔(۵)

---

(۱)۔اس حدیث کی سند صحیح ہے، حضرت معمر کا تذکرہ حدیث نمبر ا کے تحت گزر چکا ہے جہاں تک اس سند کا تعلق ہے۔(الزہری عن سالم عن ابیہ) تو یہ ان صحیح ترین سندوں میں سے ہے جن کا تذکرہ امام احمد بن حنبل اور اسحاق بن راہویہ جیسے حفاظِ حدیث نے کیا ہے، جیسے کہ امام نووی کی کتاب ارشاد طلاب الحقائق (۱۔۱۱۲) میں ہے، امام ترمذی (۵۔۵۹۹) اور ابن ابی شیبہ نے مصنف (۶۔۳۲۸) میں اس حدیث کو بالمعنی حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا وہ جب نبی اکرم ﷺ کی صفت بیان کرتے تھے تو کہتے تھے کہ آپ نہ تو بہت لمبے تھے اور نہ ہی بہت چھوٹے، بلکہ آپ کا قد مبارک درمیانہ (یہاں تک کہ فرمایا) جو شخص آپ کی پہلے پہلی زیارت کرتا وہ مرعوب ہوجاتا اور جو آپ سے میل جول رکھتا وہ آپ سے محبت کرتا، آپ کی صفت بیان کرنے والا ہر شخص یہ کہتا کہ میں نے آپ جیسا نہ آپ سے پہلے دیکھا اور نہ آپ کے بعد۔ (۲)۔ان کا تذکرہ حدیث نمبر ا کے تحت گزر چکا ہے۔

(۳)۔ یہ ابوعبداللہ محمد بن منکدر بن عبداللہ ابن ہُدیر مدنی اور مشہور ائمہ میں سے ایک ہیں انہوں نے حضرت جابر بن عبداللہ، ابو ہریرہ، سیدہ عائشہ، ابن عباس اور ابن عمر وغیرہم رضی اللہ عنہم سے روایت کی اور ان سے بے شمار مخلوق نے روایت کی، ان میں زید بن اسلم، زہری، ثوری، ابن عیینہ اور اوزاعی شامل ہیں، یہ ثقہ اور فاضل ہیں، ۱۳۰ھ میں فوت ہوئے۔ دیکھیے التقریب (۶۳۲۷) تہذیب التہذیب (۳۔۷۰۹) اور تہذیب الکمال (۲۶۔۵۰۳)

(۴)۔ یہ حضرت جابر بن عبداللہ بن عمرو بن حرام بن سلمہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے، ان کی کنیت ابوعبداللہ اور ابوعبدالرحمٰن ہے، نبی اکرم ﷺ سے بکثرت روایت کرنے والے صحابہ میں سے ایک ہیں، یہ خود بھی صحابی تھے اور ان کے والد بھی، بیعت عقبہ کے موقع پر حاضر ہونے والوں میں یہ بھی شامل تھے، انیس غزوات میں نبی اکرم ﷺ کی معیت میں حاضر ہوئے، یہ مدینہ منورہ میں وفات پانے والے آخری صحابی ہیں، کہا جاتا ہے کہ انہوں نے چورانوے سال عمر پائی۔ دیکھیے الاصابۃ (۲۔۴۵) استیعاب از ابن عبدالبر (۱۔۲۱۹) اور اسدالغابہ (۱۔۲۵۶) میں کہتا ہوں کہ ان ثقہ اور اکابر کے حالات کے مطالعہ کے بعد واضح ہوجاتا ہے کہ اس حدیث کی سند صحیح ہے۔

(۵)۔اس جگہ تیسری قسم کا بھی ذکر ہونا چاہیے۔ ۱۲ اشرف قادری

چوتھی قسم کو مقام محبت میں بارہ ہزار سال رکھا، پھر اسے چار حصے کیا، ایک قسم سے قلم کو، ایک سے لوح کو اور ایک قسم سے جنت کو پیدا کیا، پھر چوتھی قسم کو مقامِ خوف میں بارہ ہزار سال رکھا اور اسے چار حصے کیا، ایک حصے سے فرشتوں کو، ایک سے سورج کو اور ایک حصے سے چاند اور ستاروں کو پیدا کیا، پھر چوتھے حصے کو مقام رجا میں بارہ ہزار سال رکھا، پھر اسے چار حصے کیا، ایک سے عقل، ایک سے علم وحکمت اور عصمت وتوفیق کو پیدا کیا۔(۱)

چوتھی جزء کو بارہ ہزار سال مقامِ حیا میں قائم کیا پھر اللہ تعالیٰ نے اس کی طرف نظر فرمائی تو اس نور کو پسینہ آ گیا اور اس سے نور کے ایک لاکھ چوبیس ہزار قطرے ٹپکے۔(۲) اللہ تعالیٰ نے ہر قطرے سے کسی نبی یا رسول کی روح کو پیدا فرمایا۔

پھر انبیائے کرام کی روحوں نے سانس لیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے سانسوں سے قیامت تک ہونے والے اولیاء، شہداء، ارباب سعادت اور اصحاب اطاعت کو پیدا فرمایا۔

پس عرش اور کرسی میرے نور سے، کرّ وبیاں میرے نور سے، فرشتے اور اصحاب روحانیت میرے نور سے، جنت اور اس کی نعمتیں میرے نور سے، ساتوں آسمانوں کے فرشتے میرے نور سے، سورج، چاند اور ستارے میرے نور سے، عقل اور توفیق میرے نور سے، رسولوں اور انبیاء کی روحیں میرے نور سے، شہداء، سعداء اور صالحین میرے نور سے پیدا ہوئے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے بارہ ہزار پردے پیدا فرمائے اور میرے نور یعنی چوتھی جزء کو ہر پردے میں ایک ہزار سال رکھا، یہ عبودیت، سکینہ، صبر، صدق اور یقین کے مقامات تھے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس نور کو ہر پردے میں ایک ہزار سال غوطہ دیا، اور جب اللہ تعالیٰ نے اس نور کو ان پردوں سے نکالا تو اسے زمین پر اتار دیا، تو جس طرح اندھیری رات میں چراغ سے روشنی ہوتی ہے، اس طرح اس نور سے مشرق سے لے کر مغرب تک کی فضا منوّر ہو گئی۔

پھر اللہ تعالیٰ نے زمین سے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا، تو وہ نور ان کی پیشانی میں رکھ دیا، ان

(۱)۔ اس جگہ بھی تیسری جز کا ذکر ہونا چاہیے۔ ۱۲ اشرف قادری

(۲)۔ مصنّف کے نسخے میں الفاظ میں تقدیم وتاخیر کی وجہ سے کچھ الفاظ ساقط ہو گئے ہیں، ہم نے شیخ اکبر محی الدین ابن عربی کی کتاب ''تلقیح الفهوم'' (خ ل ۱۲۰ ب) کی عبارت درج کر دی ہے کہ کیوں کہ وہ نص کی عبارت سے مضبوط ہے۔ ۱۲

سے وہ نور حضرت شیث علیہ السلام کی طرف منتقل ہوا، وہ نور طاہر سے طیّب کی طرف اور طیّب سے طاہر کی طرف منتقل ہوتا رہا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اسے حضرت عبداللہ ابن عبدالمطلب کی پشت تک پہونچادیا اور وہاں سے ہماری والدہ حضرت آمنہ بنت وہب کے رحم کی طرف منتقل کیا، پھر ہمیں اس دنیا میں جلوہ گر کیا اور ہمیں رسولوں کا سردار، انبیا کا خاتم، تمام جہانوں کے لیے رحمت مجسم اور روشن اعضاء وضو والوں کا قائد بنایا، اے جابر! اس طرح تیرے نبی کی ابتدا تھی۔(۱)

(۱)۔ شیخ اکبر محیی الدین ابن عربی نے یہ حدیث ان ہی الفاظ کے ساتھ اپنی کتاب ''تلقیح الفہوم'' (خ ۱۲۸/ الف) میں بیان کی، خرگوشی نے ''شرف المصطفی'' (ا۔۳۰۷) میں اسے حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے بالمعنی روایت کیا، عجلونی نے ''کشف الخفاء'' (ا۔۳۱۱) میں اس کا ذکر کیا اور بتایا کہ اسے عبدالرزاق نے اپنی سند کے ساتھ حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت کیا، اسی طرح امام قسطلانی نے مواہب لدنیہ (ا۔۷۱) میں عبدالرزاق کے حوالے سے بیان کیا، عبدالملک بن زیادۃ اللہ طبنی نے ''فوائد'' میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت سے ایک طویل حدیث میں روایت کیا کہ اے عمر! جانتے ہو ہم کون ہیں؟ ہم وہ ہیں جن کا نور اللہ تعالیٰ نے ہر شے سے پہلے پیدا کیا اس نور نے سجدہ کیا تو وہ سات سو سال تک سجدے ہی میں رہا، پس اے عمر! ہر شے سے پہلے ہمارے نور نے سجدہ کیا اور یہ بات بطور فخر نہیں کہی گئی، اے عمر! جانتے ہو ہم کون ہیں؟ ہم وہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے عرش ہمارے نور سے پیدا کیا، کرسی ہمارے نور سے پیدا کی، لوح وقلم ہمارے نور سے پیدا کیے، شمس وقمر ہمارے نور سے پیدا کئے، آنکھوں کا نور ہمارے نور سے پیدا کیا، مخلوقات کے سروں میں پائی جانے والی عقل ہمارے نور سے پیدا کی، مومنوں کے دلوں میں معرفت کا نور ہمارے نور سے پیدا کیا اور یہ بطور فخر بیان نہیں کیا، اس روایت کا تذکرہ سید محمد جعفر کتانی نے اپنی کتاب ''العلم النبوی'' (ل خ ۲۔۱۳۳) میں کیا۔

حدیث جابر کے معنی ومطلب پر کیے جانے والے اشکالات کا جواب امام حلوانی نے اپنی کتاب ''مواکب ربیع'' (۲۷۔۳۳) میں دیا ہے، آئندہ سطور میں ان کی تحریر ملاحظہ ہو:

انہوں نے فرمایا:

یہ حدیث مختلف روایات سے مروی ہے، اس میں پانچ اشکال ہیں:

پہلا اشکال:

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نورِ مصطفیٰ ﷺ ہر چیز سے پہلے ہے، یہ اس حدیث کے مخالف ہے جو متعدد سندوں سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پانی کے پیدا کرنے سے پہلے کسی چیز کو پیدا نہیں کیا، اسی طرح ایک حدیث میں آیا ہے اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے ہماری روح کو پیدا کیا، ایک حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے قلم کو پیدا کیا، ایک حدیث میں ہے کہ سب سے پہلے لوح کو پیدا کیا اور ایک روایت میں ہے کہ سب سے پہلے عقل کو پیدا کیا، یہ احادیث حدیثِ نور کے مخالف ہیں، پھر یہ روایات آپس میں بھی تو ایک دوسری کے مخالف ہیں، ان میں تطبیق کیسے دی جائے گی؟

جواب: یہ ہے کہ نورِ مصطفیٰ ﷺ مطلقاً سب سے پہلے ہے، جیسے کہ گزشتہ احادیث کی تفصیلات اس دعوے پر دلالت کرتی ہیں، یہی وجہ ہے کہ علما کے اقوال اس پر متفق ہیں، اس کے علاوہ باقی چیزوں کا اول ہونا نسبی ہے، پس پانی نور شریف کے علاوہ باقی چیزوں سے پہلے ہے، ایک حدیث میں ہے کہ ''ہر شے پانی سے پیدا کی گئی ہے''۔ اسے امام احمد نے روایت کیا اور اسے صحیح قرار دیا، اس حدیث کا بھی یہی مطلب ہے کہ ہر شے سے مراد نور شریف کے علاوہ اشیاء ہیں۔

جنّات کا آگ سے اور فرشتوں کا نور یا ہوا سے پیدا کیا جانا اس حدیث کے مخالف نہیں ہے، کیوں کہ علماے طبعیین نے بیان کیا کہ پانی حرارت کی وجہ سے بخار بن جاتا ہے بخار ہوا اور ہوا آگ بن جاتی ہے، لہذا آگ کے پانی سے پیدا ہونے کا انکار نہیں کیا جا سکتا، اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے سبز درخت میں پانی اور ہوا کو جمع فرما دیا۔

رہیں وہ روایات جن میں روح شریف، قلم اعلیٰ اور لوح محفوظ کی اولیت کا ذکر ہے تو یہ بعد والی مخلوقات کے اعتبار سے اولّیت ہے، یا یہ مطلب ہے کہ ان میں سے ہر چیز اپنی جنس سے پہلے ہے، یعنی روح اقدس دوسری روحوں سے پہلے، قلم دوسرے قلموں سے پہلے اور لوح محفوظ دوسری لوحوں سے پہلے، ہاں سب سے پہلے عقل اور سب سے پہلے نور شریف کے پیدا کیے جانے پر دلالت کرنے والی روایات میں کوئی مخالفت نہیں ہے، کیوں کہ حقیقت محمدیہ کو کبھی عقل سے تعبیر کیا جاتا ہے اور کبھی نور سے، جیسے کہ علامہ شعرانی نے ''الیواقیت والجواہر'' میں بیان کیا ہے، بلکہ متعدد علما نے بیان کیا کہ یہ سب نور شریف کے نام ہیں۔

اس نور کے نورانی ہونے اور انوار کا فیضان کرنے کے اعتبار سے اسے نور کہا جاتا ہے اور اس اعتبار سے

کہ وہ بادشاہوں کے قلموں کی طرح علوم کے نقوش کا سبب ہے اور احکام اس کے تابع ہوکر جاری ہوتے ہیں، اسے قلم کہا جاتا ہے اور اس اعتبار سے کہ علوم کا مظہر ہے، اسے لوح کہا جاتا ہے اور اس میں عقل کی فراوانی کے اعتبار سے اسے عقل کہا جاتا ہے اور اس اعتبار سے کہ وہ وجود کائنات اور اس کی حسّی اور معنوی زندگی کا سبب ہے تو اسے روح اور پانی کہا جاتا ہے۔

(میں کہتا ہوں) اس لیے نبی اکرم ﷺ کا نام آیت کریمہ (وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ) میں رحمت رکھا گیا ہے، جیسے کہ ایک آیت (فانظر الٰی آثار رحمۃ اللہ کیف یحیی الارض بعد موتہا) میں پانی کو رحمت کہا گیا ہے، نیز نور اور پانی میں موج زن ہونے اور پھیلاؤ میں مشابہت پائی جاتی ہے، یہاں تک کہ ایک حدیث میں نور کو پانی کی صفت (چھڑکنے) کے ساتھ موصوف کیا گیا ہے، وہ حدیث یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کو اندھیرے میں پیدا کیا، پھر ان پر نور کے چھینٹے مارے، اسی لیے بعض علماء نے حضرت رزین کی روایت کردہ حدیث میں واقع لفظ "عماء" کی تفسیر نور محمدی (علی صاحبہ الصلاۃ والسلام) سے کی ہے، حضرت رزین فرماتے ہیں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! مخلوق کو پیدا کرنے سے پہلے ہمارا رب کہاں تھا؟ فرمایا: ''کان فی عماء'' (اس کا مطلب بعد میں آرہا ہے۔ ۱۲ قادری) اس کے اوپر بھی ہوا نہیں تھی اور اس کے نیچے بھی ہوا نہیں تھی، پھر پانی پر اپنا عرش پیدا فرمایا، اس حدیث کو امام ترمذی وغیرہ نے روایت کیا ہے، بعض علماء نے فرمایا کہ عماء کی اصل بارش برسانے والا رقیق یا سفید یا بلند بادل ہے، اور نور شریف بارش برسانے والے رقیق بادل کے ساتھ اس اعتبار سے مشابہت رکھتا ہے کہ نور شریف متقدمین اور اکثر متاخرین کے زمانے میں مخفی رہنے کے باوجود سبب حیات تھا، نیز نور مبارک اپنی وضاحت اور تابندگی کے اعتبار سے سفید بادل کے مشابہ ہے اور اپنے حسّی اور معنوی کمالات کے اعتبار سے تمام مخلوقات سے بلند و بالا ہے اس لحاظ سے بلند بادل کے مشابہ ہے۔

چوں کہ ہوا عماء کے لوازم میں سے ہے جس کا معنی بادل ہے، اور اس بادل کے ساتھ ہوا کا وجود نہیں تھا، کیوں کہ اس وقت تو اللہ تعالیٰ نے کوئی مخلوق پیدا نہیں کی تھی، اس لیے فرمایا کہ نہ تو اس کے اوپر ہوا تھی اور نہ ہی اس کے نیچے ہوا تھی، تاکہ معلوم ہو جائے کہ اس نور کی بادل کے ساتھ ہر وجہ کے اعتبار سے مشابہت نہیں ہے، اسی طرح بعض اہل علم نے فرمایا۔

اس تقریر کے مطابق (کان فی عماء) میں لفظ "فی"، "مع" کے معنی میں ہے، جس سے ایسی مصاحبت سمجھی جاتی ہے جو اتصال (اور ظرفیت) سے پاک ہے، کیوں کہ اتصال اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق نہیں ہے۔

پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت رزین کو یہ جواب (کان فی عماء) دیا، حالاں کہ انہوں نے جو سوال کیا تھا (کہ اس وقت اللہ کہاں تھا؟) اس کا یہ جواب نہیں ہے، دراصل یہ حکیمانہ اندازِ جواب اختیار فرمایا اور انہیں بتادیا کہ اسے مسئلے میں زیادہ نہیں الجھنا چاہیے، کیوں کہ اللہ تعالیٰ اَیْنَ (اور کہاں) سے پاک ہے، یہ سوال تو اس مخلوق کے بارے میں کیا جانا چاہیے جو وجود وشہود میں سب سے پہلے تھی۔

حدیث کا دوسرا مطلب:

بعض علما نے فرمایا کہ دراصل سوال یہ تھا ک ہمارے رب کا عرش کہاں تھا؟ بطورِ توسیع مضاف حذف کردیا گیا، جس طرح (واسأل القریۃ) میں مضاف محذوف ہے، (اصل میں اھلَ القریۃ تھا) اس کی دلیل نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد ہے جو ایک روایت میں واقع ہے۔ (وَكَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَاءِ) (اور اللہ تعالیٰ کا عرش پانی پر تھا) جب آپ نے (فِیْ عَمَاءٍ) فرمایا تو وہ خاموش ہوگئے اور یہ سوال نہیں اٹھایا کہ "عَماء" کے پیدا کرنے سے پہلے کہاں تھا؟ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا سوال خالق کے بارے میں نہیں تھا، بلکہ مخلوق کے بارے میں تھا۔ اس لیے "عَماء" سے مراد پانی ہے، لفظ "عَماء" (جس کا معنی بادل ہے) بول کر پانی مراد لیا گیا ہے۔ کیوں کہ بادل پانی کا محل ہے (یعنی مجاز مرسل کے طور پر محل بول کر حال مراد لیا گیا ہے۔ ۱۲ قادری)

حدیث کا تیسرا مطلب:

بعض علمانے فرمایا: سوال اپنے ظاہر پر ہے اور اَیْنِیت (ظرفیت) مجازی ہے اور "عَماء" مرتبۂ احدیت ہے۔ اس کے علاوہ بھی اس حدیث کے مطالب بیان کیے گئے ہیں، اکثر علماء اس بات کے قائل ہیں کہ یہ متشابہات میں سے ہے اور اس کا علم (اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے سپرد ہے۔

علامہ عبدالوہاب شعرانی کا موقف:

الیواقیت والجواہر میں فتوحات مکیہ سے استفادہ کرتے ہوئے فرمایا کہ علی الاطلاق سب سے پہلی مخلوق ہباء ہے، اس کی تائید حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ارشاد سے ہوتی ہے جسے قصری نے روایت کیا ہے اور جس کا ذکر اس سے پہلے کیا جاچکا ہے۔ لیکن الیواقیت کے بیان پر ایک واضح اعتراض وارد ہوتا ہے، کیوں کہ فضا کا وجود زمین کے پھیلانے اور آسمان کو بلندی عطا کرنے کے درمیان اور پانی کے وجود کے بعد تھا، اس لیے فضا کی اولیت حقیقی نہیں بلکہ بعض اشیا کی نسبت سے ہے، ہمارے اس دعوے کی دلیل یہ ہے کہ شیخ اکبر کی فتوحات مکیہ میں اس بات کی تصریح موجود ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سب سے پہلے موجود ہیں، انہوں

نے فرمایا کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے ہباء (مادۂ کائنات) کو پیدا کیا اور اس میں تمام حقیقتوں سے پہلے جو چیز پیدا کی وہ حقیقت مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تھی، کیوں کہ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے علم ازلی کے مطابق کائنات کو ظاہر کرنے کا ارادہ کیا تو عالم (کائنات) اس مقدس ارادے سے حقیقت کلیۃ پر نازل ہونے والی ایک قسم کی تجلیات تنزیہ کے ذریعے متاثر ہوا تو وہ ہباء پیدا ہوئی اور یہ ایسے ہے جیسے چونے اور گچ کا ڈھیر لگا دیا گیا ہو، تا کہ اس میں جیسی شکلیں اور صورتیں چاہے بنادے (گویا مخلوقات کا مٹیریل پیدا فرمایا۔ ۱۲ اشرف قادری) پھر اللہ تعالیٰ نے اس پر اپنے نور کی تجلی فرمائی، جب کہ عالم اس میں بالقوۃ موجود تھا، تو ہر شے نے نور سے قریب ہونے کے مطابق اس تجلی کے نور سے نورانیت حاصل کی، جیسے چراغ کے نور سے گھر کا گوشہ روشن ہوجاتا ہے، پس اس نور سے قرب کے مطابق ہر چیز نے نورانیت کو قبول کیا، جتنا قرب زیادہ تھا، اتنا ہی اس نے نورانیت کو زیادہ قبول کیا، اور حقیقت مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بڑھ کر کوئی اس کے قریب نہیں تھا، اس لیے مادے سے پیدا ہونے والی تمام چیزوں سے زیادہ حقیقت محمدیہ نے ہی نورانیت کو قبول کیا۔ اس طرح نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کائنات کے ظہور کے لیے مبدا اور پہلے موجود تھے، اور اس مادے میں سب انسانوں سے زیادہ آپ کے قریب، تمام انبیا کے رازوں کے جامع حضرت علی ابن ابی طالب تھے۔

دوسرا اشکال:

اگر نور کو سب سے پہلے پیدا کیا گیا ہو تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ تنہا پیدا کیا گیا تھا، اب دو ہی صورتیں ہیں کہ وہ عرض تھا یا جوہر؟ اگر عرض تھا جیسے کہ نور (روشنی) کی شان ہے تو اس پر اعتراض وارد ہوگا کہ عرض تو صرف محل میں پایا جاتا ہے (جب کہ اس وقت کوئی دوسری مخلوق موجود ہی نہیں تھی) اور اگر ہم کہیں کہ وہ جوہر تھا جیسے کہ بعض محققین نے اس بنیاد پر کہا ہے کہ جہاں اللہ تعالیٰ چاہتا تھا وہ نور چلا جاتا تھا، تو اس پر اشکال وارد ہوگا کہ اس سے پہلے یا اس کے ساتھ ایک خلا کا ہونا ضروری ہے جسے وہ پُر کرے، بہر صورت تنہا اس کا وجود نا قابل تصور ہے۔ اس لیے اسے پہلی مخلوق نہیں کہا جا سکتا۔

دوسری بات یہ ہے کہ حدیث شریف میں ہے کہ ''اس وقت لوح بھی نہیں تھی'' اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نور کے ساتھ وقت بھی موجود تھا، یہ بات بھی اس کی اولیت کے خلاف ہے۔

جواب:

اس اعتراض کا جواب دو طرح ہے:

(۱)۔ جو بھی صورت ہو اس نور کے تنہا پائے جانے میں کوئی حرج نہیں، کیوں کہ یہ وجود ان امور میں سے تھا جو خلاف عادت ہوتے ہیں، لہذا اس کا قیاس ان چیزوں پر نہیں کیا جائے گا جو ہماری عقلوں میں آتی ہیں، یہ قیاس کس طرح صحیح ہوگا؟ جب کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: قسم ہے اس ذات اقدس کی جس نے ہمیں سچا نبی بنا کر بھیجا، ہمیں حقیقۃً ہمارے رب کے سوا کسی نے نہیں پہچانا۔

جہاں تک وقت مذکور کا تعلق ہے تو وہ امر تخیلی ہے، کیوں کہ فلاسفہ کہتے ہیں کہ زمانہ آسمان (نمبر ۹) کی حرکت کی مقدار کا نام ہے اور اس وقت تو نہ کوئی مخلوق تھی اور نہ ہی کوئی حرکت۔

ایک اور جواب جو اس کے قریب ہے یہ ہے کہ وہ نور ان جواہر مجردہ میں سے تھا جو عناصر اربعہ میں سے کسی بھی عنصر کے مادے اور اس کے عوارض مثلاً مکان میں متحیز ہونے سے پاک ہیں۔

(میں کہتا ہوں) کہ یہ جواب اس صورت میں صحیح ہوسکتا ہے جب مجردات کو جوہر و عرض کے علاوہ موجودات کی تیسری قسم شمار کیا جائے، چناں چہ فلاسفہ اور اہل سنت جماعت میں سے امام غزالی، حلیمی، راغب اصفہانی اور بعض صوفیہ اس کے قائل ہیں، فلاسفہ کا کہنا ہے کہ مجردات نہ تو خود متحیز ہوتے ہیں اور نہ ہی کسی متحیز کے ساتھ قائم ہوتے ہیں، انہوں نے ان کا نام ''جواہر روحانیہ'' رکھا ہے، اور عقول و ارواح کو اسی زمرے میں شمار کیا ہے، ان کے نزدیک عقول و ارواح قائم بنفسہا تو ہیں، لیکن متحیز نہیں ہیں، بلکہ اجسام کے ساتھ ان کا تعلق تدبیر اور تصرّف والا ہے، یہ نہ تو اجسام میں داخل ہیں اور نہ ہی خارج ہیں۔ لیکن جمہور اہل سنت ان کے قائل نہیں ہیں اور جن حضرات نے اس مسئلے میں فلاسفہ کی تائید کی ہے ان کی طرف توجہ نہیں کرتے۔ امام علامہ عارف باللہ عبدالوہاب شعرانی نے اس قول کے باطل ہونے کی تصریح کی ہے۔

(۲)۔ ہوسکتا ہے کہ جس خلا میں وہ نور متحیز ہوا ہو وہ اس کے ساتھ ہی پیدا ہوا ہو اور اس میں کوئی حرج نہیں ہے، کیوں کہ وہ اسی نور کی ایجاد کا تتمّہ ہے۔ لہذا یہ امر نور کے مطلقاً اول ہونے کے منافی نہیں ہے، جیسے کہ ہم اس سے پہلے اس کی آمد و رفت کی طرف اشارہ کر چکے ہیں۔

تیسرا اشکال:

یہ ہے کہ (مِنْ نُوْرِہٖ) میں اضافت لامیہ ہے یا بیانیہ؟ اگر اضافت لامیہ ہو تو اصل عبارت اس طرح ہوگی (من نور لہ تعالیٰ) اب اشکال یہ پیدا ہوگا کہ وہ نور اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ قائم تھا یا نہیں؟ اگر کہو کہ قائم تھا تو ذات باری تعالیٰ کا جسم ہونا لازم آئے گا، کیوں کہ نور اجسام کے ہی ساتھ قائم ہوتا ہے، دوسرا اشکال یہ پیدا

ہوگا کہ وہ نورِ باری تعالیٰ قدیم ہے یا حادث؟ اگر قدیم ہے تو (جب وہ نور نور مصطفیٰ ﷺ کے لیے مادہ بنے گا تو) قدیم کا حادث کے لیے مادہ ہونا لازم آئے گا اور اگر کہو کہ وہ حادث ہے (اس کے باوجود ذات باری تعالیٰ کے ساتھ قائم ہے) تو حادث کا قدیم کے ساتھ قائم ہونا لازم آئے گا۔ دوسری خرابی یہ لازم آئے گی (کہ وہ حادث نور مخلوق ہوگا اور نور محمدی سے پہلے ہوگا) تو ایک مخلوق کا نور محمدی سے پہلے ہونا لازم آئے گا اور یہ حدیث کی نص کے خلاف ہوگا۔

اور اگر کہو کہ وہ نورِ ذاتِ باری تعالیٰ کے ساتھ قائم نہیں ہے تو بھی اس میں دو احتمال ہیں کہ وہ قدیم ہے یا حادث؟ اگر قدیم ہے تو قدیم کا حادث کے لیے مادہ ہونا لازم آئے گا، جیسے اس سے پہلے بیان کیا جا چکا ہے اور اگر کہو کہ حادث ہے، تو ایک مخلوق کا نور محمدی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے پہلے ہونا لازم آئے گا، یہ اشکال بھی اس سے پہلے گزر چکا ہے۔

اور اگر کہا جائے کہ (من نورہ) کی اضافت بیانیہ ہے، تو اصل عبارت یوں ہوگی (من نور ھو ذاتہ) جیسے (اللہ نور السمٰوات والارض) میں ہے (اور حدیث کا مطلب ہوگا کہ نور محمدی ﷺ اس نور سے پیدا ہوا جو ذات باری تعالیٰ کا عین ہے) تو اس سے ذات باری تعالیٰ کا منقسم ہونا اور حادث (نور محمدی ﷺ) کے لیے مادہ ہونا لازم آئے (اور یہ بھی باطل ہے)

جواب:

ہم پہلی شق اختیار کرتے ہیں کہ یہ اضافت لامیہ ہے اور اس وقت نور سے مراد وہ نور نہیں جو عرض ہے، بلکہ اس سے مراد ظہور ہے، جیسے کہ اہل علم نے اللہ تعالیٰ کے اسم مبارک (نور) کی تفسیر کرتے ہوئے کہا ہے کہ جو خود ظاہر ہے اور دوسرے کو ظاہر کرنے والا ہے، مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نور محمدی ﷺ کو اپنے ظہور سے (یعنی بلاواسطہ) پیدا فرمایا، برخلاف باقی تمام مخلوقات کے کہ وہ اس نور شریف کے ظہور کے واسطے سے پیدا ہوئیں۔ اس صورت میں لفظ "من" ابتدائیہ ہے اور اس سے یہی متبادر ہے۔

یہ جواب سید عبدالرحمٰن عیدروس نے "شرح الصلاۃ الشجریہ" میں دیا ہے، یہ جواب زیادہ ظاہر ہے، دوسرا جواب یہ ہے کہ اضافت بیانیہ ہے اور "من" میں دو احتمال ہیں: (۱) ابتدائیہ ہو، اب مطلب ہوگا (من ذاتہ) لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات نور محمدی ﷺ کے لیے مادہ ہے، بلکہ یہ مطلب ہے کہ قدرت الٰہیہ کا تعلق اس نور کے ساتھ براہ راست ہوا اور اس کے وجود میں کسی چیز کا واسطہ نہیں تھا۔ (۲) ''مِنْ''

یاء کے معنی میں ہو، یعنی بذاتہ اور کسی واسطے کے بغیر، یہ جواب اگرچہ صحیح ہے لیکن اس میں تکلف اور بُعد ہے۔

ایک اور جواب اور اس کا تجزیہ:

بعض حضرات نے یہ جواب دیا کہ یہ اضافت لامیہ ہے اور مطلب یہ ہے کہ نور محمدی ﷺ اس نور سے پیدا کیا گیا اور آپ کے لیے پہلے پیدا کیا گیا تھا، پھر اس کی نسبت آپ کی طرف کی گئی، بتانا یہ تھا کہ وہ نور عظیم چیز ہے، اور اس کی دربار الٰہی سے خاص مناسبت ہے، رہا یہ سوال کہ پھر تو ایک مخلوق کا اس نور سے پہلے ہونا لازم آ گیا، تو یہ سوال وارد نہیں ہوتا، کیوں کہ ممکن ہے کہ وہ نور پیدا ہی اس لیے کیا گیا ہو کہ وہی نور محمدی ﷺ ہو، پس وہ نور ہی نور محمدی ﷺ ہوگا لیکن اس کا نام نور محمدی ﷺ اس وقت رکھا گیا جب ارادہ الٰہی کا تعلق مخلوق کے ظاہر کرنے سے ہوا۔ اب (خَلَقَ نُوْرَ نَبِيِّكَ مِنْ نُوْرِهٖ) کا مطلب یہ ہوگا کہ اس نور کو دوسری صورت عطا کی۔ اس کے قرب میں اضافہ کیا اور اس کا نام "نور محمد" ﷺ رکھا۔ (ان کا کلام ختم ہوا)

اس جواب پر یہ اشکال وارد ہوتا ہے کہ تمام احادیث سے متبادر یہی معلوم ہوتا ہے کہ خَلَقَ کا معنی معدوم کو پیدا کرنا ہے، نہ کہ موجود کو نئی صورت دینا، اسے قریب کرنا اور اس کا نام رکھنا، دوسری بات یہ ہے کہ یہ سب باتیں اگر قرآن وحدیث سے ثابت نہ ہوں تو ان سے خاموش رہنا ہی بہتر ہے۔ بلکہ اصل تصویر کے بارے میں کوئی حدیث وارد نہیں جس پر اعتماد کیا جائے، اگرچہ حدیث میں آیا ہے کہ نور شریف کو مقام قرب میں بارہ ہزار سال رکھا گیا اور نبی اکرم ﷺ کا نام مخلوق کے پیدا کرنے سے دو ہزار سال پہلے رکھا گیا۔

فاضل مذکور نے جو یہ فرمایا کہ پہلے نور پیدا کیا، جسے دوسری صورت دی گئی اور اس کا نام "نور محمد" رکھا گیا، غالبًا یہ سوچ اس حدیث مرفوع سے لی گئی ہے جس میں آیا ہے کہ میں نے عرض کیا: اے میرے رب! تو نے مجھے کس چیز سے پیدا کیا ہے؟ فرمایا: اے حبیب! میں نے اپنے اس نور کی سفیدی کی صفائی کی طرف نظر کی، جسے میں نے اپنی قدرت سے پیدا کیا، اپنی حکمت سے اسے بغیر کسی سابق مثال کے پیدا کیا، اس کی عزت افزائی کے لیے میں نے اس کی نسبت اپنی عظمت کی طرف کی اور میں نے اس سے ایک جز نکالی اور اسے تین حصوں میں تقسیم کیا، پہلی قسم سے آپ کو اور آپ کے اہل بیت کو پیدا کیا، دوسری قسم سے آپ کی ازواج مطہرات اور صحابہ کو پیدا کیا، تیسری قسم سے آپ کے محبت والوں کو پیدا کیا۔ جب قیامت کا دن ہوگا تو میں نور کو اپنے نور کی طرف لوٹا دوں گا، آپ کو، آپ کے اہل بیت کو، آپ کے صحابہ کو اور آپ کے اہل محبت کو رحمت سے اپنی جنت میں داخل کر دوں گا، اور اے حبیب! میری طرف سے انہیں یہ خوش خبری دے دیجیے۔

غور کیجیے کہ اس حدیث کے یہ الفاظ ''میں نے آپ کو اور آپ کے اہل بیت کو پیدا کیا'' یہاں سے لے کر تقسیم کے آخر تک کے الفاظ اس فاضل کے جواب کے منافی ہیں، ان کے جواب کا مطلب یہ ہوا ہے کہ نور محمدی ﷺ سے پہلے ایک اور نور تھا، لیکن اس روایت کے مطابق تو وہ نور، نور محمدی ﷺ اور اس کے غیر کی طرف منقسم ہوا، تو یہ نور اس نور کا عین نہ ہوا علاوہ ازیں اگر یہ روایت ثابت ہو تو اس کی تاویل کر کے اسے دوسری روایات کے موافق بنانا چاہیے، نہ کہ برعکس۔

ایک جواب یہ دیا گیا ہے کہ (من نورہ) سے مراد یہ ہے کہ نور محمدی ﷺ اس چیز سے پیدا کیا گیا جو قدیم اور اللہ تعالیٰ کی صفات کی طرح ازل سے موجود ہے، اسے مجازاً نور سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اس پر یہ اشکال وارد ہوتا ہے کہ اس سے قدیموں کا متعدد ہونا لازم آتا ہے۔ مزید یہ کہ ایسی چیز کا ثابت کرنا لازم آتا ہے جس کا قرآن و حدیث کی رو سے کوئی ثبوت نہیں ہے۔

چوتھا اشکال:

یہ ہے کہ امام عبدالرزاق کی روایت میں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کرنے کا ارادہ کیا تو نور کو چار حصوں میں تقسیم کیا، پہلی جز سے قلم، دوسری سے لوح، تیسری سے عرش کو پیدا کیا، یہاں تک کہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے پہلی شے سے آسمانوں کو، دوسری سے زمینوں کو پیدا فرمایا۔'' اس سے معلوم ہوتا ہے کہ لوح محفوظ کو عرش سے پہلے اور آسمانوں کو زمینوں سے پہلے سے پیدا کیا، حالاں کہ علماء کی ایک جماعت نے کہا کہ صحیح یہ ہے کہ نور محمدی ﷺ کے بعد سب سے پہلے پیدا کیا گیا، اس کے بعد عرش، اس کے بعد قلم اور اس کے بعد لوح محفوظ کو پیدا کیا گیا، اسی طرح زمین آسمانوں سے پہلے پیدا کی گئی۔

جواب: (واللہ تعالیٰ اعلم)

حدیث شریف کے ان الفاظ ''پہلی جزء سے قلم کو پیدا کیا'' سے گنتی اور بیان میں پہلی جزء مراد ہے وجود میں پہلی جزء مراد نہیں ہے، گویا نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ ایک جزء سے قلم کو پیدا کیا اور ایک قسم سے لوح محفوظ کو، اسی طرح ثانی اور ثالث کے بارے میں کہا جائے گا، پھر اس جگہ عطف واؤ کے ساتھ ہے، جو ترتیب کا تقاضا نہیں کرتی، لہذا نور کی ایک قسم سے پانی کا قلم سے پہلے پیدا کرنا، پھر عرش، پھر قلم اور اس کے بعد لوح محفوظ کا پیدا کرنا، اس حدیث کا منافی نہیں ہے اسی طرح زمین کی پیدائش کا آسمان سے پہلے ہونا بھی اس حدیث کے خلاف نہیں ہے، تاہم آپ جانتے ہیں کہ آسمان کا مادہ دھواں زمین سے پہلے پیدا کیا گیا تھا، اس

لیے زمین کی سبقت کا اشکال وارد نہیں ہوگا۔

علما کی ایک جماعت نے مخلوق کی پیدائش کے لحاظ سے جس ترتیب کو صحیح قرار دیا ہے، اس کی دلیل صحیح بخاری کی مرفوع حدیث ہے، جس میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ موجود تھا اور اس کے علاوہ کوئی چیز موجود نہیں تھی، جب کہ اس کا عرش پانی پر تھا اس میں اشارہ ہے کہ کائنات کی ابتدا پانی اور عرش سے ہوئی، لیکن نور شریف صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد، اس سے پہلے حضرت ابورزین رضی اللہ عنہ کی روایت گزر چکی ہے، جسے امام احمد اور ترمذی نے روایت کیا اور امام ترمذی نے اسے صحیح قرار دیا، اس حدیث میں ہے کہ پانی عرش سے پہلے پیدا کیا گیا، حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ پانی ہوا کی پشت پر تھا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہوا بھی عرش سے پہلے پیدا کی گئی تھی۔

اس سلسلے میں اس سے بھی زیادہ صریح وہ حدیث ہے جو ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے پانی کو پیدا کرنے کا ارادہ کیا تو نور سے ایک یاقوت پیدا کیا، جس کی موٹائی ساتوں آسمانوں اور زمینوں جتنی تھی، پھر اسے بلایا تو وہ خطاب الٰہی کی ہیبت کے خوف سے پگھل کر پانی ہوگیا، وہ اللہ تعالیٰ کے خطاب کے خوف سے قیامت تک کانپتا اور لرزتا رہے گا۔ پھر ہوا کو پیدا کیا اور پانی کو اس کی پشت پر سوار کردیا، پھر عرش کو پیدا کیا اور اسے پانی کی پشت پر رکھ دیا۔

ابن عباس ہی سے ایک روایت ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کرنے کا ارادہ فرمایا، اس وقت کوئی مخلوق نہیں تھی، اس قادر و قیوم نے ایک نور پیدا کیا، اس نور سے تاریکی پیدا کی، اس تاریکی سے ایک اور نور پیدا کیا اور اس نور سے ایک سبز یاقوت پیدا کیا جس کی موٹائی سات آسمانوں، سات زمینوں اور جو ان کے درمیان ہے، سب کے برابر تھی، پھر اللہ تعالیٰ نے اس یاقوت کو خطاب کیا، جب یاقوت نے اللہ تعالیٰ کا کلام سنا تو خوف سے پانی ہوگیا، اس ہیبت کی دہشت اور خوف کی وجہ سے پانی دوسرے پانی کے اوپر چڑھ گیا، پھر اللہ تعالیٰ نے ہوا کو پیدا کیا، اور پانی کو ہوا کی پشت پر رکھ دیا، پھر عرش کو پیدا کیا اور اسے پانی کے اوپر رکھ دیا۔

اللہ تعالیٰ نے عرش کی ایک ہزار زبانیں پیدا کیں، ہر زبان ایک ہزار انداز سے اپنے خالق کی تسبیح اور حمد کرتی ہے، اللہ تعالیٰ نے عرش کی پیشانی پر لکھا: بے شک میں اللہ ہوں، میرے سوا کوئی معبود نہیں، میں یکتا ہوں، میرا کوئی شریک نہیں محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میرے عبد مکرم اور رسول ہیں، جو شخص میرے رسولوں پر ایمان لایا اور اس نے میرے وعدے کی تصدیق کی میں اسے جنت میں داخل کروں گا۔

پھر عرش کے دو ہزار سال بعد کرسی کو ایسے جوہر سے پیدا کیا جو اس جوہر سے مختلف تھا جس سے عرش کو پیدا کیا تھا، عرش کے پیٹ میں کرسی کی حیثیت ایسی ہے جیسے جنگل کے درمیان ایک چھلہ پھینک دیا گیا ہو، اسی طرح آسمان اور زمینیں کرسی کے پیٹ میں اس چھلے کی طرح ہیں جو جنگل کے درمیان پھینک دیا گیا ہو۔

پھر قلم کو نور سے پیدا کیا، اور اسے زمین سے لے کر آسمان تک کے فاصلے کی لمبائی عطا کی، پس وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہو گیا، پھر لوح محفوظ کو پیدا کیا، وہ بھی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سربسجود ہو گئی، پھر ان دونوں کو فرمایا کہ اپنے سر اٹھاؤ، قلم کے لیے تین سو ساٹھ دندانے پیدا کیے، ہر دندانہ علوم کے تین سو ساٹھ سمندروں سے مدد لیتا ہے، لوح محفوظ سبز زمرد کی ہے، اس کی دو جانبیں یاقوت کی ہیں، اللہ تعالیٰ نے قلم کو حکم دیا: لکھ، اس نے عرض کیا، میرے رب! کیا لکھوں؟ فرمایا: لوح محفوظ میں لکھ، پس اللہ تعالیٰ قیامت کے دن تک ہونے والی چیزیں لکھواتا ہے، اس حدیث کو اسحاق ابن بشر نے مقاتل بن سلیمان سے، انہوں نے ضحاک بن مزاحم سے، انہوں نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا، لیکن اسحاق، مقاتل اور ضحاک کی طرح ضعیف ہے اور اگر ضحاک کی توثیق بھی کی گئی ہو تو ان کی ملاقات ابن عباس سے نہیں ہوئی، اس لیے یہ سند منقطع ہے۔

پانچواں اشکال:

یہ ہے کہ حقیقت محمدیہ حدیث میں بیان کی گئی قسموں میں سے ایک قسم ہے، یعنی تقسیموں کے بعد چوتھی جز، حالاں کہ ایک حقیقت تقسیم نہیں ہوا کرتی، سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا حقیقت محمدیہ تمام قسموں کا مجموعہ ہے، یا آخری قسم ہے؟ اگر تمام قسموں کا مجموعہ ہو تو لازم آئے گا کہ ایک حقیقت تقسیم ہو جائے (حالاں کہ ایسا نہیں ہو سکتا) اور اگر آخری قسم ہے تو منقسم ہونے کا کیا مطلب؟

جواب: دو طرح ہے۔

(۱)۔ حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ نور شریف پر حقیقت ہبائیہ (مادہ تخلیق) سے یا کسی اور چیز سے اس لیے اضافہ کیا گیا کہ اس نور مبارک کے انوار و تجلیات سے امداد اور ضیاء حاصل کرے، چناں چہ وہ اضافہ ضیاباری سے فیض یاب ہو گیا، تو اس سے فلاں، فلاں چیز پیدا کی گئی، اس لیے یہ انقسام صوری ہے ،حقیقت میں انقسام نہیں ہے، حقائق کے باہمی امتیاز کے باوجود یہ صرف امداد اور انوار کا حاصل کرنا ہے، اس کی مثال ایک چراغ کی ہے جس سے بہت سے چراغ روشن ہوتے ہیں اور وہ اپنی حالت پر باقی رہتا ہے، اسی طرح علامہ بوصیری اشارہ فرماتے ہیں:

اَنْتَ مِصْبَاحُ کُلِّ فَضْلٍ فَمَا　　تَصْدُرُ اِلَّا عَنْ ضَوْءِكَ الْاَضْوَاءُ

''آپ ہر فضیلت کے سراج منیر ہیں، چناں چہ تمام روشنیاں آپ ہی کی روشنی سے پھوٹتی ہیں''۔

(۲)۔ اس جواب کے مطابق بھی انقسام صوری ہے، نبی اکرم ﷺ کا نور حقائق پر ان کے مراتب کے مطابق چمکتا تھا، ان میں سے کوئی حقیقت زیادہ نور حاصل کرتی تھی اور کوئی کم، اس طرح مظہر میں انقسام ظاہر ہو جاتا، جب آپ کا نور کسی حقیقت پر چمکتا اور وہ آپ کے نور سے منور ہو جاتی، تو یوں معلوم ہوتا کہ یہاں دو نور ہیں ایک مفیض اور ایک مَفاض، اس طرح ظاہر میں تعدد پیدا ہو جاتا، جب کہ پہلے ایک ہی نور تھا، اور در حقیقت اس جگہ تعدد نہیں ہے۔ بلکہ نور منور ہونے کے قابل چیز پر چمکا تو وہ منور ہو گئی، بعض اوقات یہ قابل اپنی قوت کے مطابق منور ہونے کی صلاحیت رکھنے والی چیزوں پر چمکتا ہے تو وہ اس کے ذریعے منور ہو جاتی ہیں، اس طرح وسائط کے ذریعے انقسام صوری بھی متعدد ہو جائے گا، امام بیہقی کی روایت میں اسی طرف اشارہ ہے: پھر انبیاء کی روحوں نے سانس لیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے سانسوں سے اولیاء کی روحیں پیدا فرما دیں''۔ اس کی مثال ایسے ہے جیسے سورج کا نور ستاروں پر چمکتا ہے تو ستارے اپنی روشنی زمین پر بکھیر دیتے ہیں، یہ اس قول کے مطابق ہے کہ تمام ستارے سورج کے نور سے منور ہوتے ہیں، ان کا نور ذاتی نہیں ہے۔ اسی طرح امام بوصیری اشارہ کرتے ہیں۔

فَاِنَّكَ شَمْسٌ وَّالْمُلُوْكُ كَوَاكِبٌ
اِذَا ظَهَرَتْ لَمْ يُبْدِ مِنْهُنَّ كَوْكَبٌ

''آپ آفتاب ہیں اور بادشاہ ستارے ہیں اور جب سورج ظاہر ہوتا ہے تو ستارے دکھائی نہیں دیتے''۔

یا اس کی مثال سورج کے نور کی شعاعوں کی طرح ہے جو پانی یا شیشے کی بوتلوں پر پڑتی ہیں تو ان کے سامنے آنے والے درخت اور دیواریں روشن ہو جاتی ہیں، پس سورج کا نور اپنی جگہ جگمگا رہا ہے اور اس سے کوئی چیز جدا نہیں ہوئی، اس مناسبت سے مجھے ایک خوب صورت شعر یاد آ رہا ہے۔ ؎

تَرَاءٰی وَمِرْاٰةُ السَّمَاءِ صَقِيْلَةٌ
فَاَثَّرَ فِيْهَا وَجْهُهٗ صُوْرَةَ الْبَدْرِ

''آسمان کا آئینہ چوں کہ شفاف تھا اس لیے جب میرا ممدوح آمنے سامنے ہوا تو اس کا چہرہ چودھویں کے چاند کی طرح اس میں نقش ہو گیا''۔

حضرت غوث زماں شیخ عبدالعزیز دباغ (صاحب ابریز) رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نور شریف کے حقائق میں جلوہ فگن ہونے کو انہیں سیراب کرنے سے تعبیر کیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ ہمارا مطلب یہ نہیں ہے کہ سیراب کرنے سے وہ نور کچھ کم ہو جاتا ہے، کیوں کہ دوسری اشیاء کے مستفید اور مستنیر ہونے سے انوار اپنی جگہوں سے جدا نہیں ہوتے۔ (اھ) یہ تقریر پہلے جواب کے ساتھ مناسبت رکھتی ہے، لیکن سیدی عبداللہ عیّاشی نے اپنی ''رحلت'' (سفرنامے) میں کہا ہے کہ دوسرا جواب ہی صحیح ہے اور کشف سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے۔

میں (شیخ عیسیٰ مانع) کہتا ہوں کہ یہ بھی احتمال ہے کہ دونوں صورتیں ظاہر ہوئی ہوں، کبھی پہلی اور کبھی دوسری، کیوں کہ غوث دباغ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو فرمایا ہے وہ بھی کشف سے فرمایا ہے، ہاں دوسری صورت کی تائید مواہب لدنیہ کی روایت سے ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب نبی اکرم ﷺ کا نور پیدا فرمایا تو اسے انبیائے کرام کے انوار کی طرف نظر کرنے کا حکم دیا، جب آپ کے نور نے انبیائے کرام علیہم السلام کے نور کی طرف نظر کی تو آپ کا نور ان پر چھا گیا، اللہ تعالیٰ نے ان انوار کو قوتِ گویائی عطا کی تو انہوں نے عرض کیا کہ اے ہمارے رب! یہ کس کا نور ہم پر چھا گیا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہ محمد بن عبداللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نور ہے، اگر تم اُن پر ایمان لاؤ تو میں تمہیں انبیا بنادوں گا، انہوں نے عرض کیا کہ ہم ان پر اور ان کی نبوت پر ایمان لائے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کیا تمہارا گواہ بن جاؤں؟ انہوں نے عرض کیا: جی ہاں، یہی بیان ہے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں (وَاِذْ اَخَذَ اللهُ مِيْثَاقَ النَّبِيِّينَ (سے) الشَّاهِدِيْنَ۔ (تک) (اھ)

صاحب مواہب نے جو فرمایا ہے کہ ''جب اللہ تعالیٰ نے آپ کا نور پیدا فرمایا'' تو غالبا اس سے ان کی مراد یہ ہے کہ جب اس نور کی تخلیق کو مکمل کیا اور اس پر نبوت وغیرہ کمالات کا فیضان کیا، صرف نور کا پیدا کرنا مراد نہیں ہے اب اس عبارت کا یہ مطلب نہیں نکلے گا کہ دوسرے انبیا کے انوار آپ کے نور سے پہلے پیدا کیے گئے تھے، کیوں کہ کسی چیز پر حکم لگایا جائے تو اس کا تقاضا یہ ہوتا ہے کہ وہ چیز پہلے موجود ہو (جب حدیث مذکور کے مطابق نبی اکرم ﷺ کا نور پیدا کرنے کے بعد حکم دیا کہ انبیائے کرام کے انوار کی طرف نظر کریں تو اس سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ انوار پہلے پیدا کیے جا چکے تھے، اس لیے اس عبارت کی توجیہ کی گئی ہے۔ ۱۲ قادری) یا یہ مطلب ہے کہ اس نور کو حکم دیا کہ آئندہ زمانے میں جب انبیائے کرام علیہم السلام کے انوار پیدا کیے جائیں تو ان کی طرف نظر کرنا۔

دوسری صورت کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے جس میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کو اندھیرے

میں پیدا کیا، پھران پر اپنے نور کی روشنی ڈالی، اس دن اس نور سے جسے حصہ مل گیا وہ ہدایت پا گیا اور جو محروم رہا وہ گمراہ ہوگیا، اس حدیث کو امام ترمذی وغیرہ نے روایت کیا اور اسے صحیح قرار دیا، اس لیے اگر کہا جائے کہ ''خلق'' سے مراد وہ حقائق ہیں جن کا تذکرہ اس سے پہلے ہو چکا ہے، اور وہ نور جوان پر ڈالا گیا اس سے مراد نور محمدی ہو تو یہ قریب الی الفہم ہے، جیسے کہ گزر چکا، حدیث شریف کا یہ جملہ (وَمَنْ اَخطَاہٗ ضَلَّ) (اور جو اس نور سے محروم رہا وہ گمراہ ہوگیا) ہمارے بیان کردہ مطلب کے مخالف نہیں ہے، کیوں کہ ممکن ہے کہ یہ مطلب ہو کہ جسے اس نور کا بعض حصہ یعنی ''امدادِ ہدایت'' مل گیا وہ ہدایت یافتہ ہوا اور جو اس امداد سے محروم رہا وہ گمراہ ہوگیا (کہنے کا مقصد یہ ہے کہ وہ نور سب پر جلوہ گر ہوا، لیکن اس کی ہدایت کسی کسی کے حصے میں آئی۔ ۱۲ قادری)

حدیث شریف میں جو (مِنْ ذٰلِكَ النور) یہ (مِنْ) معنوی اعتبار سے اسم ہے اور اس کا معنی بعض ہے، اور (اَخْطَأَ) کی ضمیر بھی اسی کی طرف راجع ہے، اور لفظ ''مَنْ اَصَابَ'' کا فاعل ہے، خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس نور کی شعاعیں تو سب مخلوق پر ڈالیں، تاکہ اس کے ذریعے ان کی ذاتیں یا ان کے مادے درست ہو جائیں، لیکن ہدایت والی امداد سب کو نہیں، بلکہ بعض کو ملی۔

بعض علمائے کرام نے فرمایا کہ حدیث شریف میں واقع لفظ خلق سے مراد وہ عالم ذارت ہے جسے (اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ) یوم الست گواہ بنایا گیا تھا (یعنی اس دن تمام انسانوں کو حضرت آدم علیہ السلام کی پشت سے چیونٹیوں کی صورت میں برآمد کیا اور ان سے عہد لیا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ تو انہوں نے کہا: ہاں تو ہمارا رب ہے۔ ۱۲ قادری)

اور وہ نور جس کا چھڑکاؤ کیا گیا اس سے مراد ہدایت کا لطف وکرم ہے، بارش کی ابتدا قطروں (پھوار) سے ہوتی ہے، پھر موسلا دھار بارش برستی ہے۔

بعض علما نے حدیث شریف کا ایک تیسرا مطلب بیان کیا کہ ممکن ہے مخلوق سے مراد جنات اور انسان ہوں اور اندھیرے سے مراد برائی کا حکم دینے والے نفس کا اندھیرا ہو اور نور سے مراد قائم کیے گئے دلائل وشواہد اور ڈرسنانے والی آیات ہوں جو نازل کی گئیں۔ یہ مطلب بہت ہی بعید ہے، خصوصًا حدیث شریف میں ہے (فمن اصابہ من ذٰلك النور یومئذ) (یہ اس توجیہ کے موافق نہیں ہے کیوں کہ دلائل وشواہد سے جو لوگ فائدہ اٹھائیں گے وہ دنیا میں فائدہ اٹھائیں گے، اس دن فائدہ نہیں اٹھایا جب اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو تاریکی میں پیدا کیا۔ ۱۲ قادری) ہم نے جو مطلب ابتدا میں بیان کیا اللہ تعالیٰ نے چاہا تو وہ حقیقت کے زیادہ قریب

ہوگا۔ اگرچہ ہم نے نہیں دیکھا کہ کسی عالم نے اس کی طرف اشارہ کیا ہو۔

حضرت غوث دباغ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ انبیائے کرام علیہم السلام اور اس امت کے مؤمنین وغیرہم اس نور شریف سے آٹھ سیراب کیے گئے۔

(۱)۔ عالم ارواح میں جب اللہ تعالیٰ نے تمام روحوں کو پیدا کیا تو اس وقت سیراب کیا (میں کہتا ہوں) کہ اسی لیے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ہم تمام روحوں کے باپ ہیں اور ہم اللہ تعالیٰ کے نور سے ہیں اور مومن ہمارے نور کا فیض ہیں، ہم نے جو اس سے پہلے بیان کیا ہے یہ حدیث اس کی تائید کرتی ہے، کیوں کہ ''جملہ ارواح'' گمراہوں کی روحوں کو بھی شامل ہیں، یہی بات غوث دباغ نے کہی ہے۔

(۲)۔ جب اللہ تعالیٰ نے روحوں کو الگ الگ کیا اور صورتیں عطا کیں، تو ہر روح کو صورت دینے کے وقت سیراب کیا۔

(۳)۔ ''الستُ بربکم'' کے دن، پس آپ نے ہر جواب دینے والے کو سیراب کیا، ہاں بعض کو کم سیراب کیا اور بعض کو زیادہ، اس لیے وہ مراتب میں مختلف ہوئے، یہاں تک کہ ان میں سے انبیائے کرام، اولیائے عظام وغیرہم ہوئے، رہے کفار تو انہوں نے ہدایت کا وہ پانی پینا پسند نہ کیا اور جب پینے والوں کی سعادت کو دیکھا تھا تو شرمندہ ہوئے اور اندھیروں سے پانی مانگا، اللہ تعالیٰ کی پناہ۔ (میں کہتا ہوں) کہ اس سے دوسرے قول کی تائید ہوتی ہے۔

(۴)۔ جب ماؤں کے پیٹوں میں صورت دی گئی، اس وقت سیراب کیا، تاکہ جوڑ نرم ہوں، آنکھیں اور کان کھل جائیں، اگر سیراب نہ کیے جاتے تو یہ سب کچھ حاصل نہ ہوتا۔

(۵)۔ روح پھونکنے کے وقت سیراب کیا، ورنہ روح داخل نہ ہوتی، اس کے باوجود وہ فرشتوں کے دباؤ سے داخل ہوتی ہے اور اگر اللہ تعالیٰ اسے حکم نہ دیتا اور وہ اس حکم کو نہ پہچانتی تو فرشتہ اسے آدمی کی ذات میں داخل نہ کر سکتا۔

(۶)۔ جب بچہ پیٹ سے برآمد ہوتا ہے، اس وقت اسے القا کیا جاتا ہے کہ کھانا منہ سے ہے، اگر اسے سیراب نہ کیا جاتا تو وہ کھا نہ سکتا۔

(۷)۔ پہلے پہل دودھ پینے کے لیے پستان کو منہ میں لیتے وقت (میں کہتا ہوں کہ) اس کی حکمت بیان نہیں کی، غالبا وہ یہ ہے کہ بچہ ایک ہی خوراک یعنی دودھ کا عادی بن جائے یہاں تک کہ دوسری غذائیں کھانے

کے قابل ہوجائے۔

(۸)۔ قیامت کے دن جب اٹھائے جانے کے وقت صورتیں دی جائیں گی،اس وقت سیراب کیا جائے گا، تاکہ ذوات قائم ہوجائیں ،حضرت غوث دباغ نے فرمایا کہ آخری پانچ صورتوں میں مومنوں کی ذوات کے ساتھ غیر مسلموں کی ذوات بھی شریک ہوتی ہیں،اگر ایسا نہ ہوتا تو دوزخ چل کر دنیا میں ان کے پاس آجاتی اورانہیں کھاجاتی ،قیامت کے دن بھی ان کی پیش قدمی نہیں کرے گی اورانہیں کھائے گی نہیں یہاں تک کہ ان کی ذوات نے اس نورمبارک سے جو درستی اورخوبی حاصل کی ہوگی اسے جدا کردے گی ،مختصر یہ کہ آٹھ میں سے صرف تیسری صورت ہے جس میں غیر مسلم فیض یاب نہیں ہوئے ،ہاں انبیائے کرام علیہم السلام اورتمام مومن تمام صورتوں میں سیراب ہونے میں شریک ہیں،لیکن جس پیمانے پر انبیائے کرام علیہم السلام کو سیراب کیا گیااس کی دوسرے لوگ طاقت ہی نہیں رکھتے ،اسی طرح اس امت کے مومنوں کودوسری امتوں کے مومنوں پر فضیلت حاصل ہےاوروہ یہ کہ انہیں نورشریف سے اس وقت سیراب کیا گیاجب وہ نورآپ کی ذات شریفہ میں داخل ہوااوراس نے آپ کی ذات اقدس کے سرّ اورروح انور کے سرکوجمع کیا،دوسری امتوں کے مومنوں نے صرف آپ کی روح انور کے سر سے فیض حاصل کیا،یہی وجہ تھی کہ یہ امت درمیانی ،کامل، عادل، اوربہترین امت بن گئی، جسے تمام لوگوں کے سامنے پیش کیا گیا۔

یہ گفتگوتھی امام شہاب الدین احمد بن احمد بن اسماعیل حلوانی ،خلیجی شافعی ،مصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی ،وہ عظیم عالم بھی تھے اورشاعر بھی ،۹؍ذی الحجہ کومصر کے مغربی حصے ''رأس الخلیج'' کے شہر میں ۱۳۰۸ھ میں فوت ہوئے ،ان کی درج ذیل تصانیف ہیں:

(۱)الاشارۃ الآصفیۃ فی مالایستحیل بالانعکاس فی الصورۃ الرسمیۃ فی بعض محاسن الدمیاطیۃ۔

(۲)البشری باخبارالاسراءالمعراج الاسری۔ (۳)شذ العطر فی زکاۃ الفطر۔

(۴)مواکب الربیع۔ (۵)العلم الاحمدی بالمولد المحمدی۔

(۶)الناغم فی الصادح والباغم۔

(معجم المؤلفین ازعمر رضا کحالہ(۱۔۱۴۶)ہدیۃ العارفین(۵۔۱۹۲)اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیرعطافرمائے۔)

اوّلیتِ نور مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم:

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے اول ہونے کے بارے میں بہت سی احادیث آئیں ہیں،ان میں

سے ایک حدیث وہ ہے جسے ابوطاہر مخلص نے ''الفوائد'' میں (خ ل ۲۴۸۔ب) میں سند حسن کے ساتھ، ابن ابی عاصم نے ''الاوائل'' (۲۷) میں اور امام بیہقی نے ''دلائل النبوۃ'' (۵۔ ۴۸۳) میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا تو انہیں اپنے نبی مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خبر دی، تو وہ بعض انبیائے کرام علیہم السلام کے بعض پر فضائل دیکھنے لگے، انہیں ان کے آخر سے ایک نور ابھرتا ہوا دکھائی دیا۔ انہوں نے عرض کیا: اے میرے رب! یہ کیسا نور ہے؟ فرمایا: یہ آپ کے بیٹے احمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کا نور ہے، وہ اول بھی ہیں اور آخر بھی، اور سب سے پہلے ان ہی کی شفاعت قبول کی جائے گی۔

دوسری حدیث وہ ہے جسے ابن سعد نے طبقات (۱۔۱۴۹) میں، امام بخاری نے تاریخ کبیر (٦۔٦٨) میں، انہوں نے ہی تاریخ صغیر (۱۔۱۳) میں، امام طبرانی نے معجم کبیر (۱۸۔ ۲۵۲) میں، حاکم نے مستدرک (۲۸۔۴۱۸) میں، امام بیہقی نے دلائل (۱۔۸۰) میں، ابن حبان نے اپنی صحیح (۶۳۰۷) میں حضرت عرباض ابن ساریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کیا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ آپ فرما رہے تھے کہ ہم اللہ کی بارگاہ میں خاتم النبیین تھے، جب کہ آدم علیہ السلام کا جسم آب وگل کے درمیان تھا، ہم تمہیں اس بارے میں بتاتے ہیں، ہم اپنے جد امجد ابراہیم علیہ السلام کی دعا کا نتیجہ ہیں، اپنے بھائی عیسیٰ علیہ السلام کی خوش خبری کا حاصل ہیں اور اپنی والدۂ ماجدہ کے اس خواب کی تعبیر ہیں جو انہوں نے دیکھا، اسی طرح امہات المومنین بھی خواب دیکھتی تھیں۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت باسعادت کے وقت آپ کی والدہ ماجدہ نے ایک نور دیکھا جس سے شام کے محلات روشن ہو گئے۔ اس کے علاوہ بھی متعدد احادیث اور آثار ہیں جو میں نے اپنی کتاب "نور البدایات اور ختم النہایات" میں بیان کیے ہیں، میں نے قرآن کریم، سنت مطہرہ اور جلیل القدر علما کے ارشادات کے دلائل سے سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے لیے اولیت مطلقہ ثابت کی ہے۔

(والحمد للہ رب العالمین)

کتاب الطھارۃ

باب ،۲:

وضو کے بیان میں

١٩۔ امام عبدالرزاق معمر سے ،وہ سالم سے اور وہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ کی امت اس حال میں آئے گی کہ ان کے اعضاء وضو چمک رہے ہوں گے،ان کی ایڑیاں وضو کے آثار سے نمایاں ہوگی۔(١)

---

(١)۔ اس حدیث کی سند منقطع ہے، کیوں کہ معمر کی ملاقات سالم بن عبداللہ سے نہیں ہوئی ،لیکن یہ حدیث صحیح ہے ،اس کے حوالے ملاحظہ ہوں: امام بخاری (١۔٦٣) امام احمد کی روایت میں صحیح سند کے ساتھ ان ہی الفاظ میں یہ حدیث آئی ہے ،لیکن اس میں ''غررًا'' کی بجائے ''ہم الغرُّ'' ہے امام احمد (١٤۔٧ ١٣۔نمبر ١٣ ٨٤۔١٦۔ ٥٤ ٤ نمبر ١٠٧٧٨) امام بیہقی سنن کبری (١۔٥٧) میں شعب الایمان (٣۔١٦) بروایت نعیم بن مجمر ،حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ بے شک ہماری امت کو قیامت کے دن اس حال میں بلایا جائے گا کہ وضو کے آثار سے ان کے اعضاء چمکتے ہوں گے،لہذا جو شخص طاقت رکھتا ہے وہ روشنی کو لمبا کرے،امام مسلم (١۔٢١٦) ابو یعلیٰ (١١۔٢٩٥) ابوعوانہ (١۔٢٠٥) طبرانی ،مسند شامیین (١۔٤٣٤) بیہقی ،سنن کبریٰ (١۔٧٧) ویلمی، فردوس (١۔٣٩٣) اسی سند کے ساتھ ،لیکن مختلف الفاظ کے ساتھ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم وضو کے مکمل کرنے کی وجہ سے قیامت کے دن روشن اعضا والے ہوں گے ،پس جو شخص اعضا کی روشنی لمبا کرسکتا ہے کرے ،امام مسلم (١۔٢١٧) ابوعوانہ (١۔٢٤٣) ابن ابی شیبہ (١۔٦) امام بیہقی ،شعب الایمان (٣۔١٨) منذری، الرغیب والترہیب (٤۔٢٩) بروایت ابوحازم ،حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا آثار وضو کی بدولت تم ہماری خدمت میں اس حال میں حاضر ہو گے کہ تمہارے وضو کے اعضاء چمک رہے ہوں گے ،امام مسلم (١۔٢١٧۔٢١٨) امام مالک (١۔٢٩) نسائی ،سنن کبری (١۔٩٥) مجتبیٰ (١۔٩٤) ابن ماجہ (٢۔١٤٤٠) ابن خزیمہ (١۔٦) ابن حبان (٣۔٣٢١) بیہقی ،سنن کبریٰ (٤۔٨٧) شعب الایمان (٣۔١٧) منذری، الترغیب والترہیب (١۔٩١) علاء ابن عبدالرحمٰن اپنے والد اور وہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ قبرستان تشریف لے گئے، آپ نے فرمایا: تم پر

باب، ۳:

وضو میں بسم اللہ شریف پڑھنے کے بیان میں

۲۰۔ امام عبدالرزاق معمر سے (۱) سے، وہ زہری (۲) سے، وہ روبیح (۳) بن عبدالرحمٰن بن سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے وہ اپنے باپ (۴) سے۔ وہ ان کے دادا حضرت ابوسعید خدری رضی

گزشتہ سے پیوستہ:

سلام ہوا اے مومنوں کے دار! (یہاں تک کہ فرمایا) بے شک یہ لوگ وضو کے آثار سے اس حال میں آئیں گے کہ ان کے وضو کے اعضاء روشن ہوں گے، اور ہم حوض پر ان کے پیش رو اور منتظم ہوں گے، امام مسلم (۱۔۲۱۷) ابن ماجہ (۲۔۴۳۸) حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ایلہ سے عدن تک جتنا فاصلہ ہے ہمارے حوض کا کنارہ اس سے لمبا ہے، (یہاں تک کہ فرمایا) تم آثار وضو کی برکت سے ہماری خدمت میں اس حال میں حاضر ہوگے کہ تمہارے وضو کے اعضا روشن ہوں گے، یہ فضیلت کسی دوسرے کو حاصل نہیں ہوگی۔

(۱)۔ ان کا تذکرہ حدیث نمبر (۱) میں گزر چکا ہے۔

(۲)۔ ان کا تذکرہ حدیث نمبر (۲) میں گزر چکا ہے۔

(۳)۔ یہ روبیح بن عبدالرحمٰن بن ابوسعید خدری مدنی ہیں، انہوں نے اپنے والد سے اور انہوں نے ان کے دادا سے روایت کی ہے، ان کے بارے میں ابن حجر نے تقریب میں کہا ہے کہ وہ مقبول ہیں، ابوزرعہ نے فرمایا: شیخ ہیں، ابن عدی نے کہا کہ مجھے امید ہے کہ ان میں کوئی حرج نہیں ہے، ابن حبان نے ان کا ذکر ''ثقات'' میں کیا ہے، احمد بن حفص سعدی فرماتے ہیں کہ امام احمد سے وضو میں بسم اللہ شریف کے پڑھنے کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا مجھے اس سلسلے میں کوئی قوی حدیث معلوم نہیں ہے، اس میں قوی ترین روایت، کثیر بن زید کی ہے روبیح سے اور روبیح معروف نہیں ہیں، دیکھیے تقریب (۱۸۸۱) تہذیب التہذیب (۱۔۵۸۹) تہذیب الکمال (۹۔۵۹) الثقات از ابن حبان (۶۔۳۰۹)

(۴)۔ وہ عبدالرحمٰن بن سعد بن مالک بن سنان انصاری ہیں، ان کی کنیت ابوحفص ہے، کہا جاتا ہے ابومحمد بن ایوب سعید خدری مدنی، ثقہ ہیں، روبیح اور سعید کے والد ہیں، انہوں نے اپنے والد حضرت ابوسعید خدری اور ابوحمید ساعدی وغیرہم سے روایت کی، ۱۱۲ھ میں ستتر (۷۷) سال کی عمر میں وفات پائی، دیکھیے تقریب (۳۸۷۴) تہذیب التہذیب (۲۔۵۱۰) اور تہذیب الکمال (۱۷۔۱۳۴)

اللہ تعالیٰ عنہ(۱) سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس شخص کا وضو نہیں ہے۔ جس نے اس پر اللہ تعالیٰ کا نام نہیں لیا۔(۲)

۲۱۔ امام عبدالرزاق، ابن جریج سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے انہیں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ جس کا وضو نہیں اور جس نے وضو میں اللہ تعالیٰ کا نام نہیں لیا اور اس کا وضو نہیں ہے۔(۳)

---

(۱) ان کا نام سعد بن سنان بن عبید انصاری خزرجی ہے، ان کی کنیت ابوسعید خدری ہے اور وہ کنیت ہی سے مشہور تھے، رسول اللہ ﷺ کی معیت میں بارہ غزوات میں شریک ہوئے، رسول اللہ ﷺ کی بہت ساری حدیثیں انہیں یاد تھیں، اور آپ سے علم کی وافر مقدار روایت کی، ۷۴ھ میں رحلت فرمائی، دیکھیے: اصابہ(۴۔۲۴۶) اور استیعاب(۲۔۶۰۲)

(۲)۔ یہ حدیث اس سند کے ساتھ حسن ہے، اس کی ایک اور سند ہے جسے حاکم نے مستدرک میں بیان کیا ہے، (۱۔۲۴۶) حدیث نمبر(۵۲۰) دارالکتب العلمیۃ، اس میں یہ الفاظ ہیں (لاصلوٰۃ) ابوداؤد نمبر(۱۰۱) ترمذی علل کبیر (۱۔۱۱۱) میں، طبرانی معجم اوسط میں نمبر(۸۰۷۶) ابن ماجہ(۱۔۱۳۹) ابن ابی شیبہ(۱۔۳) امام احمد(۱۵۔۲۴۳) حدیث نمبر(۹۴۱۸) ابویعلیٰ(۲۔۳۲۴۔۴۔۴۲۴) دارقطنی (۱۔۷۹) دارمی(۱۔۱۷۶) باب التسمیۃ فی الوضوء، عبد بن حمید (۱۔۲۸۵) بیہقی سنن کبری(۱۔۴۳) کثیر بن زید روایت کرتے ہیں روبیح بن عبدالرحمٰن ابن ابی سعید خدری سے وہ اپنے باپ سے وہ ان کے دادا سے روایت کرتے ہیں۔

(۳)۔ یہ حدیث متابعات اور شواہد کی بنا پر حسن لغیرہ ہے، جیسے کہ آپ ابھی دیکھیں گے، کیوں کہ اس میں ایک راوی مبہم ہے، دوسری روایات سے واضح ہو گیا کہ وہ شخص یعقوب بن سلمہ لیثی ہے، جیسے امام حاکم نے اس حدیث کو مستدرک (۱۔۱۴۶) میں روایت کیا اور فرمایا کہ اس کی سند صحیح ہے، امام مسلم نے یعقوب بن ابی سلمہ الماجشون سے استدلال کیا ہے، ابو سلمہ کا نام دینار ہے، شیخین نے اسے روایت نہیں کیا، اس کے لیے شاہد بھی ہے، اس پر ذہبی نے تعاقب کرتے ہوئے کہا کہ صحیح یہ ہے کہ ہمیں حدیث بیان کی یعقوب بن سلمہ لیثی نے اپنے والد سے، انہوں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے، اس کی سند میں کچھ کمزوری ہے، علامہ ابن حجر نے تہذیب التہذیب(۲۔۸۰) میں فرمایا کہ جب حاکم نے مستدرک میں اس حدیث کی روایت کی تو انہوں نے گمان کیا کہ یہ راوی یعقوب بن الماجشون ہیں اور اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کی روایت میں یہ الفاظ تھے ''یعقوب بن ابی سلمہ الماجشون سے راویت ہے''۔ اور یہ خطا ہے (یعقوب بن ابی سلمہ نہیں، بلکہ یعقوب بن سلمہ ہیں) اور یہ سلمہ صرف اسی حدیث میں پہچانے جاتے ہیں۔ اس حدیث کو امام ابوداؤد نے (۱۔۲۵) ابن ماجہ(۱۔۴۰)

باب، ۴:

جب وضو سے فارغ ہو

۲۲۔ امام عبدالرزاق، امام مالک سے، وہ یحییٰ بن ابی زائدہ سے، وہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ جو شخص وضو سے فارغ ہو کر یہ کلمات پڑھے:

(سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ. اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ اَسْتَغْفِرُكَ وَاَتُوْبُ اِلَيْكَ)

اے اللہ! میں تیری حمد کے ساتھ تیری تقدیس وتنزیہ بیان کرتا ہوں اور گواہی دیتا ہوں کہ تیرے سوا

گزشتہ سے پیوستہ:

ابویعلیٰ (۱۱۔۲۹۳) امام احمد (۲۔۴۱۸) امام طبرانی، اوسط (۸۰۔۹۶) میں روایت کیا یعقوب بن ابی سلمہ لیثی کے بارے میں ابن حجر نے تقریب (۸۔۸۷) میں فرمایا کہ وہ مجہول الحال ہیں اور تہذیب التہذیب (۴۔۴۴۲) میں ہے کہ انہوں نے اپنے والد سے اور ان کے والد نے حضرت ابوہریرہ سے روایت کی، ان سے محمد بن موسیٰ فطری اور ابوعقیل یحییٰ ابن متوکل نے روایت کی، امام بخاری نے فرمایا کہ نہ تو ان کا اپنے والد سے حدیث سننا معروف ہے اور نہ ہی ان کے والد کا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سماع معروف ہے، ذہبی نے میزان (۴۔۴۵۲) میں کہا کہ یہ شیخ معتمد نہیں ہے، مغنی (۲۔۷۵۸) میں ہے کہ تسلی بخش نہیں ہے، امام ترمذی نے علل کبیر (۱۔۱۱۱) میں کہا کہ میں نے امام بخاری سے اس حدیث کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ محمد بن موسیٰ مخزومی میں تو کوئی حرج نہیں ہے، ان کی روایت درجۂ قبول کے قریب ہے، لیکن یعقوب بن سلمہ مدنی کا سماع اپنے والد سے اور ان کے والد کا سماع حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے معروف نہیں ہے، امام ترمذی فرماتے ہیں کہ میں نے اسحاق بن منصور کو یہ بیان کرتے ہوئے سنا کہ میں نے امام احمد بن حنبل کو فرماتے ہوئے سنا کہ اس سلسلے میں مجھے عمدہ سند والی کوئی حدیث معلوم نہیں ہے، اس باب میں عبدالرحمٰن بن حُویطب کی روایت ہے جسے وہ اپنی دادی سے اور وہ اسے اپنے والد سے روایت کرتی ہیں، امام ترمذی نے یہ حدیث بیان کی (۱۔۳۸) امام احمد (۵۔۳۸۱) ابویعلیٰ، معجم (۱۔۲۱۲) ابن ابی شیبہ (۱۔۱۲) دارقطنی (۱۔۷۲) بیہقی، سنن کبریٰ (۱۔۴۳) نے روایت کی، اس تمام گفتگو کا خلاصہ وہ ہے جو ابن حجر نے النتائج (۱۔۲۳۷) میں ابن صلاح کے حوالے سے بیان کیا کہ ان روایات کے مجموعے وہ چیز ثابت ہوتی ہے جس کے ذریعے حدیث حسین ثابت ہوتی ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔ تلخیص الحبیر (۱۔۷۵) میں ہے کہ احادیث کے مجموعے سے ثابت ہوتا ہے کہ اس حدیث کی اصل موجود ہے۔

کوئی لائق عبادت نہیں ہے، میں تجھ سے مغفرت کی دعا کرتا ہوں اور تیری بارگاہ میں توبہ کرتا ہوں۔ تو ان کلمات پر مُہر لگادی جاتی ہے، پھر انہیں عرش مجید کے نیچے پہونچا دیا جاتا ہے، اور وہ مہر قیامت تک نہیں توڑی جاتی۔(۱)

۲۳۔ عبدالرزاق، معمر (۲) سے، وہ قتادہ (۳) سے، وہ سالم بن ابی الجعد (۴) سے روایت کرتے ہیں کہ جب وہ وضو سے فارغ ہوتے تو کہتے:

اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ رَبِّ اجْعَلْنِيْ مِنَ الْمُتَطَهِّرِيْنَ۔

اے اللہ! مجھے بہت توبہ کرنے والوں اور بہت پاکیزگی حاصل کرنے والوں میں سے بنادے۔(۵)

---

(۱)۔ قلمی نسخے میں (تکتر) ہے، لیکن صحیح (تکسر) ہے، اس لیے کہ امام عبدالرزاق نے (۱۔۱۸۶) میں "باب وضوء المقطوع" میں حدیث روایت کی ہے اس میں (تکسر) ہی ہے، جس طرح ہم نے متن میں لکھا ہے، اسی طرح امام عبدالرزاق نے "باب اذا فرغ من الوضوء" میں حدیث روایت کی ہے جیسے کہ دارالکتب العلمیۃ کے نسخے (۱۰۔۱۴۵۔۱۴۶) میں ہے، اسی طرح مصنّف ابن ابی شیبہ (۱۔۳) میں انہوں نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے لفظ بلفظ یہ حدیث روایت کی ہے۔

(۲)۔ حضرت معمر کا تذکرہ حدیث نمبر (۱) کے تحت گزر چکا۔

(۳)۔ یہ قتادہ ابن دعامہ ابن قتادہ سدوی بصری تھے، ان کی کنیت ابوالخطاب تھی، انہوں نے حضرت انس بن مالک، ابوسعید خدری، ابن مسیّب، عکرمہ اور سالم بن ابی الجعد وغیرہم سے حدیث روایت کی ۱۱۷ھ میں واسط میں فوت ہوئے، دیکھیے تقریب التہذیب (۵۵۱۸) تہذیب التہذیب (۳۔۴۲۸) اور تہذیب الکمال (۲۳۔۴۹۸)۔

(۴)۔ یہ سالم ابن ابی الجعد غطفانی اشجعی تھے، انہوں نے حضرت علی بن ابی طالب، ابن عمر، ابوہریرہ اور جابر وغیرہم رضی اللہ عنہم سے حدیث روایت کی، ثقہ تھے اور بکثرت ارسال سے کام لیتے تھے، ۹۷ھ یا ۹۸ھ میں فوت ہوئے، تقریب (۲۱۷۰) تہذیب التہذیب (۱۔۶۷۴) اور تہذیب الکمال (۱۰۔۱۳۰)

(۵)۔ اس حدیث کو ابن ابی شیبہ نے اپنی مصنّف (۱۔۳)(۱۰۔۴۵۰) میں روایت کیا، حاکم نے مستدرک (۱۔۵۳۷) میں بروایت سفیان اسی طرح روایت کیا، نیز حاکم نے امام شعبہ سے انہوں نے ابوہاشم سے انہوں نے قیس بن عباد سے، انہوں نے حضرت ابوسعید خدری سے مرفوعاً یہ حدیث روایت کی اور حاکم نے اس بارے میں کہا کہ یہ امام مسلم کی شرط پر صحیح ہے، لیکن انہوں نے روایت نہیں کی۔

۲۴۔ عبدالرزاق ،ابن جریج سے،وہ زہری سے (۱) سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت عقبہ ابن عامر (۲) کوفرماتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے مکمل طور پر وضو کیا، پھر اپنا سر آسمان کی طرف اٹھا کر کہا: ''اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ'' تو اس کے لیے جنت کے آٹھوں دروازے کھول دیئے جاتے ہیں،وہ جس دروازے سے چاہے داخل ہو جائے۔(۳)

باب،۵:

کیفیتِ وضو میں

۲۵۔ امام عبدالرزاق ،معمر سے،وہ ابوالجعد (۴) سے،وہ مسلم بن یسار(۵) سے،وہ حُمران (۶) سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پانی منگوا کر وضو کیا، پھر ہنسے، اور

---

(۱)۔ ابن جریج کا تذکرہ حدیث نمبر (۲) اور زہری کا تذکرہ حدیث نمبر (۱) کے تحت گزر چکا ہے۔

(۲)۔ ہمارے سامنے جو جرح وتعدیل کی کتابیں ہیں ان سے زہری کا عقبہ ابن عامر سے سماع ثابت نہیں ہوتا کیوں کہ زہری ۵۰ھ میں پیدا ہوئے اور حضرت عقبہ حضرت معاویہ کی خلافت کے آخر میں ۶۰ھ میں فوت ہوئے، لہذا زہری کی عمر حضرت عقبہ کی وفات کے وقت دس سال ہوگی، اس لیے احتمال ہے کہ انہوں نے اس عمر میں حضرت عقبہ سے حدیث سنی ہو، کیوں کہ اس فن کے علما کے بیان کے مطابق سماع حدیث کی عمر کم سے کم عمر پانچ سال ہے، جیسے کہ ابن صلاح نے اپنے مقدمہ میں زہری کا حضرت عقبہ سے سماع ثابت کرتے ہوئے یہ قول نقل کیا ہے، اس اعتبار سے یہ سند صحیح ہوگی، ورنہ یہ منقطع ہے، دیکھیے مقدمہ (۱۶۴)

(۳)۔ اس حدیث کو امام مسلم نے (۱۔۲۱۰) ابن ابی شیبہ نے (۱۔۴۔۱۰۔۴۵۲) میں بروایت ابوعثمان ابن نفیر، جبیر ابوعثمان بن مالک حضرمی جزء (۱۶۲) حدیث نمبر (۱۸۰) ابویعلیٰ۔ نیز اسے بزار نے سند صحیح کے ساتھ روایت کیا اور اس میں اضافہ کیا کہ جب سر پر مسح کرتے تو بھی اسی طرح کہے۔

(۴)۔ اس حدیث کو امام مسلم نے (۱۔۲۱۰) ابن ابی شیبہ نے (۱۔۴۔۱۰۔۴۵۲) میں بروایت ابوعثمان ابن نفیر، جبیر ابوعثمان بن مالک حضرمی جزء (۱۶۲) حدیث نمبر (۱۸۰) ابویعلیٰ۔ نیز اسے بزار نے سند صحیح کے ساتھ روایت کیا اور اس میں اضافہ کیا کہ جب سر پر مسح کرتے تو بھی اسی طرح کہے۔

ارشادفرمایا: تم مجھ سے نہیں پوچھوگے کہ میں کیوں ہنس رہا ہوں؟ حاضرین نے عرض کیا: امیرالمومنین! آپ کے ہنسنے کا سبب کیا ہے؟ فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ نے وضو کیا جس طرح میں نے وضو کیا ہے، چناں چہ آپ نے کلی کی، ناک میں پانی چڑھایا، تین دفعہ چہرۂ انور کو دھویا سر پر مسح کیا اور دونوں پاؤں کی پشت پر مسح کیا۔(۱)

۲۶۔عبدالرزاق، زہری سے، وہ یحییٰ (۲) سے، وہ اپنے والد (۳) سے، وہ عبداللہ ابن زید (۴)

گزشتہ سے پیوستہ: (۵)۔ مسلم بن یسار بقری، انہیں مکی بھی کہا جاتا ہے، ان کی کنیت ابوعبداللہ تھی، انہوں نے حمران سے روایت کی، ثقہ تھے، دیکھیے تہذیب الکمال (۵۵۔۲۷)

(۶)۔ حمران بن ابان: ان سے مسلم بن یسار مکی نے روایت کی، پہلے حرف پر زبر ہے، یہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے آزاد کردہ غلام اور درجۂ ثانیہ سے تعلق رکھنے والے ثقہ تھے۔ ۷۵ھ میں وفات پائی رحمۃ اللہ علیہ دیکھیے تہذیب الکمال (۵۵۔۲۹) اور تقریب (۲۱۶)

---

(۱)۔ اس حدیث کو امام احمد نے (۱۔۷۷۴) حدیث نمبر (۴۱۸) ابن ابی شیبہ نے (۱۔۸) بزار نے (۲۔۷۴) روایت کیا، ہیثمی نے اس ے مجمع الزوائد (۱۔۲۲۹) میں روایت کرنے کے بعد فرمایا: اسے بزار نے روایت کیا، اور اس کے راوی حدیث صحیح کے راوی ہیں اور وہ صحیح ہیں اختصار کے ساتھ ہے، منذری نے الترغیب والترہیب (۱۔۱۵۱۔۱۵۲) میں روایت کا اور فرمایا: اسے امام احمد نے عمدہ سند سے، اور ابویعلیٰ نے روایت کیا، بزار نے اسے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا اور اس میں یہ اضافہ کیا کہ جب پاؤں کو پاک کرتے تو بھی اسی طرح کرتے۔ (۴۔۲۲۰)

نوٹ: متن میں (وظهر قدميه) ہے جس کا معنی ہے کہ دونوں پاؤں کی پشت پر مسح کیا، ظاہر ہے کہ یہ کاتب کا تسامح ہے، یہ (وطهّر قدميه) ہونا چاہیے، یعنی دونوں مبارک پاؤں بھی دھوئے، جیسے کہ امام بزار کی روایت میں ہے (فاذا طهر قدميه) کیوں کہ وضو میں سوائے شیعہ کے پاؤں پر مسح کرنے کا کوئی بھی قائل نہیں ہے۔ ۱۲ شرف قادری

(۲)۔ یحییٰ ابن عمارہ بن ابی حسن انصاری مازنی مدنی، عمرو بن یحییٰ ابن عمارہ کے والد اور تیسرے درجے کے ثقہ تھے، ان سے زہری، خود ان کے بیٹے عمرو ابن یحییٰ وغیرہما نے روایت کی، دیکھیے تقریب (۷۶۱۲) تہذیب التہذیب (۴۰۔۹۷۳) اور تہذیب الکمال (۳۱۔۴۷۴)

(۳)۔ عمارہ ابن ابی حسن انصاری مازنی، یحییٰ ابن عمارہ کے والد اور عمرو بن یحییٰ کے دادا تھے، ثقہ تھے اور انہیں ''رؤیۃ'' کہا جاتا تھا، جن حضرات نے انہیں صحابی قرار دیا ہے انہیں وہم ہوا ہے، کیوں کہ صحابی ان کے والد تھے، دیکھیے تقریب (۴۸۴۲) تہذیب الکمال (۲۱۔۷۔۲۳) اور استیعاب (۳۔۱۱۴۱) (بقیہ اگلے صفحہ پر)

سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے وضو کیا اور چہرۂ انور کو تین مرتبہ اور ہاتھوں کو دو مرتبہ دھویا، سر اقدس پر مسح کیا اور پائے اقدس دو مرتبہ دھوئے۔(۱)

باب،٦:

وضو میں داڑھی کے دھونے کے بارے میں

۲۷۔ عبدالرزاق، ابن جریج سے وہ طاؤس (۲) سے اور وہ ابن ابی لیلیٰ (۳) سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا اگر داڑھی کی جڑوں تک پانی پہونچانا تمہارے بس میں ہو تو پہونچاؤ۔(۴)

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ) (۴)۔ یہ عبداللہ ابن زید بن عاصم بن کعب مازنی انصاری ہیں، ان کی کنیت ابو محمد تھی اور ''ابن ام عمارہ'' کے عنوان سے معروف تھے، بہت مشہور صحابی تھے، انہوں نے نبی اکرم ﷺ سے وضو کی حدیث اور متعدد احادیث روایت کی ہیں، کہا جاتا ہے کہ انہوں نے ہی مسیلمہ کذاب کو قتل کیا تھا، حرّہ کے دن ٦٣ھ میں شہید ہوئے، دیکھیے اصابہ (٦۔۹۱) استیعاب (۳۔۹۱۳) معرفتہ الصحابہ از ابونعیم (۳۔۱٦۵۵)

---

(۱)۔ اس حدیث کو امام بخاری نے (۱۔۸۴) میں ''باب الوضوء من التور'' میں ابوداؤد نے (۱۔۱۹۵) ابن ماجہ (۱۔۱۴۹) نسائی مجتبیٰ (۱۔۲۷) سنن کبری (۱۔۸۱) (۱۔۱۰۲) ترمذی (۱۔٦٦) امام احمد (۳٦۔٦۱۳) حدیث نمبر (۲۲۲۸۲) ابن حبان نے اپنی صحیح (۳۔۳۷۳) ابن خزیمہ (۱۔۸۰۔۸۸) ابوعوانہ (۱۔۲۰۹) دارمی (۱۔۱۷۷) ابن ابی شیبہ، مصنف (۱۔۸) حمیدی، مسند (۱۔۲۰۲) امام شافعی، مسند (۱۔۳۱) میں بروایت عمرو بن یحییٰ روایت کی، انہوں نے اپنے والد سے اور انہوں نے حضرت عبداللہ ابن زید سے روایت کی۔

(۲)۔ طاؤس بن کیسان یمانی حمیری کی کنیت ابوعبدالرحمٰن تھی، بنوحمیر کے آزاد کردہ غلام تھے، ثقہ، فقیہ اور فاضل تھے، دیکھیے تقریب (۳۳٦۳)

(۳)۔ یہ عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ ہیں، ان کا نام یسار ہے، بعض نے بلال اور بعض نے داؤد بن بلال ابن اُحیحہ انصاری اوسی بتایا، ان کی کنیت ابوعیسیٰ اور یہ کوفے کے رہنے والے تھے، واقعہ جماجم میں ۸۳ھ میں فوت ہوئے، بعض نے کہا کہ غرق ہو گئے تھے، دیکھیے تقریب (۳۹۹۳) تہذیب التہذیب (۲۔۵۴۸) اور تہذیب الکمال (۱۷۔۳۷۲)

(۴)۔ اس حدیث کو ابن ابی شیبہ نے مصنف (۱۔۱۴) مسلم بن ابی فروہ کے حوالے سے عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ سے روایت کیا۔

۲۸۔ عبدالرزاق کہتے ہیں مجھے زہری نے خبر دی سفیان سے انہوں نے ابن شبرمہ سے، انہوں نے سعید بن جبیر سے کہ انہوں نے فرمایا کہ مرد کا کیا حال ہے کہ داڑھی کے پیدا ہونے سے پہلے اسے (اس کی جگہ کو) دھوتا ہے، اور جب پیدا ہو جائے تو نہیں (۱) دھوتا ہے۔ (۲)

باب، ۷:

وضو میں داڑھی میں خلال کرنے کے بارے میں

۲۹۔ عبدالرزاق، معمر سے، وہ زہری سے (۳) اور وہ حضرت سعید بن جبیر (۴) سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے وضو کیا اور داڑھی میں خلال کیا۔ (۵)

۳۰۔ عبدالرزاق، معمر سے، وہ زہری سے، وہ ابن عُیینہ سے، وہ یزید رقاشی (۶) سے اور وہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب وضو کرتے تو داڑھی مبارک میں خلال کرتے تھے۔ (۷)

---

(۱)۔ مخطوطے میں لفظ (لم) نہیں ہے، جب کہ صحیح عبارت (لم یغسلھا) ہے۔

(۲)۔ اس حدیث کو ابن ابی شیبہ نے مصنف (۱۔۱۵) میں روایت کیا، ابن عبدالبر نے تمہید (۲۰۔۱۲۰) اور قرطبی نے اپنی تفسیر (۶۔۸۳) میں اس کا ذکر کیا۔

(۳)۔ معمر اور زہری کا تذکرہ دیکھیے حدیث نمبر ا تحت۔

(۴)۔ یہ سعید بن ہشام اسدی کوفی ہیں، ان کا تذکرہ اس سے پہلے گزر چکا ہے۔

(۵)۔ اس حدیث کی سند صحیح ہے، اسے ابن ابی شیبہ، نے مصنف (۱۔۱۳) میں بروایت ابواسحاق روایت کیا، انہوں نے اسے سعد بن جبیر سے روایت کیا۔

(۶)۔ یزید بن ابان رقاشی: ابوعمرو وبصری قاص (واعظ) اور زاہد تھے، پانچویں درجے کے ضعیف راوی تھے، ۱۲۰ھ سے پہلے فوت ہوئے، دیکھیے تقریب (۷۶۸۳) تہذیب التہذیب (۴۔۴۰۳) اور تہذیب الکمال (۳۲۔۶۴)

(۷)۔ اس حدیث کو ابوداؤد (۱۔۲۱۵) امام بیہقی، سنن کبری (۱۔۵۴) بروایت ولید بن زوران روایت کیا، انہوں نے یہ حدیث حضرت انس سے روایت کی، ابن ابی شیبہ نے مصنف (۱۔۱۳) بروایت موسیٰ ابن ابی عائشہ، انہوں نے یزید رقاشی سے، انہوں نے حضرت انس سے روایت کیا، اس باب میں حضرت عمار بن یاسر سے بھی حدیث مروی ہے، جسے

۳۱۔ عبدالرزاق نے معمر سے،انہوں نے زہری سے روایت کیا کہ مجھے ابو غالب (۱) نے بیان کیا کہ میں نے حضرت ابوامامہ کو عرض کیا کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ کے وضو کے بارے میں بتائیں،انہوں نے وضو کیا اور اعضاء تین مرتبہ دھوئے اور داڑھی میں خلال کیا اور فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو اس طرح کرتے ہوئے دیکھا۔(۲)

۳۲۔ عبدالرزاق،ابن جریج سے اور وہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ وہ جب وضو کرتے تھے تو داڑھی میں خلال کیا کرتے تھے۔(۳)

بقیہ گزشتہ صفحہ کا: امام ترمذی نے (۱۔۴۴) اور ابن ماجہ نے (۱۔۱۴۸) روایت کیا،حضرت عثمان غنی کی روایت امام ترمذی نے (۱۔۴۶) بیان کی اور فرمایا یہ حدیث حسن اور صحیح ہے،ابن ماجہ (۱۔۱۴۸) حضرت عائشہ سے بھی مروی ہے،امام احمد (۴۳۔۱۱۹) اور حاکم نے مستدرک (۱۔۴۵۰) میں روایت کی۔

---

(۱)۔ یہ ابو غالب بصری تھے،انہیں اَجسانی اور ''صاحب ابی امامہ'' بھی کہا جاتا ہے،ان کے نام میں اختلاف ہے،بعض نے ''حَزَوَّر''،بعض نے ''سعید بن حزور'' اور بعض نے نافع بتایا ہے،وہ سچے راوی تھے،لیکن خطا کرتے تھے،درجۂ خامسہ سے تعلق رکھتے تھے،ابن حجر نے تہذیب میں ابن حبان سے نقل کرتے ہوئے کہا کہ ان کی روایت سے اسی وقت استدلال کیا جاسکتا ہے جب ان کی روایت ثقہ حضرات کے موافق ہو۔دیکھیے تقریب (۸۲۹۸) تہذیب التہذیب (۴۔۵۷۰) اور تہذیب الکمال (۳۴۔۱۷۰)

(۲)۔ یہ حدیث ابن ابی شیبہ نے مصنف (۱۔۱۳) میں عمر بن سلیم باہلی کی روایت سے بیان کی،انہوں نے اسی طرح ابو غالب سے روایت کی۔

(۳)۔ اس حدیث کو طبرانی نے اوسط (۲۔۹۴) میں،ابن ابی شیبہ نے مصنف (۱۔۱۳) میں حضرت ابوامامہ سے،انہوں نے حضرت نافع سے روایت کیا،طبرانی نے اپنی تفسیر (۶۔۱۱۹) میں نافع سے انہوں نے حضرت ابن عمر سے روایت کیا،ہیثمی نے یہ حدیث مجمع الزوائد (۱۔۲۳۵) میں بیان کی اور فرمایا کہ اسے طبرانی نے معجم اوسط میں روایت کیا،اس کی سند میں ایک راوی احمد بن محمد ابو بزہ ہے،میں نے نہیں دیکھا کہ کسی عالم نے ان کا تذکرہ لکھا ہو،(میں کہتا ہوں) بلکہ ذہبی نے میزان (۱۔۱۴۴) نمبر (۵۶۴) میں ان کا تذکرہ کیا ہے اور یہ ابوالحسن احمد بن محمد بن عبداللہ بزّی،مکی،مغربی ہیں،قراءات میں امام اور ثقہ ہیں،عقیلی نے کہا کہ منکر الحدیث ہیں،ابوحاتم نے کہا کہ ان کی روایت کردہ حدیث ضعیف ہے،میں ان سے روایت نہیں کرتا۔

باب ۸:

وضو میں سر کے مسح کے بارے میں

۳۳۔ عبدالرزاق، معمر سے، وہ زہری سے، وہ حُمران سے وہ حضرت عثمان سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک دفعہ مسح کیا۔(۱)

۳۴۔ عبدالرزاق، امام مالک سے، وہ یحییٰ ابن ابی زائدہ سے، وہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وضو کرتے تو اعضاء کو تین تین مرتبہ دھوتے تھے۔ لیکن مسح ایک دفعہ کرتے تھے۔(۲)

۳۵۔ اسی سند کے ساتھ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ وہ سر کے اگلے حصے پر ایک دفعہ مسح کرتے تھے۔(۳)

باب ۹:

کیفیت مسح کے بیان میں

۳٦۔ عبدالرزاق، معمر سے، وہ لیث (۴) سے، وہ طلحہ (۵) سے، وہ اپنے والد (٦) سے، وہ ان کے دادا (۷) سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا کہ آپ نے وضو کیا تو سر اقدس پر

---

(۱)۔ اس حدیث کو ابن ابی شیبہ نے مصنف (۱۔۱۵) میں روایت کیا۔

(۲)۔ اس حدیث کو امام ترمذی نے (۱۔٦۳) امام احمد (۲۔۳۰۰) ابویعلیٰ (۱۔۲۴۴) ابن ابی شیبہ (۱۔۸) میں ابواسحاق سے انہوں نے ابوحیہ سے روایت کیا کہ میں نے حضرت علی مرتضیٰ کو دیکھا۔(الحدیث)

(۳)۔ اس حدیث کو ابن ابی شیبہ نے (۱۔۱۵) ایوب سے، انہوں نے نافع سے، انہوں نے ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا، نیز امام عبدالرزاق نے مصنف (۱۔۴) ''باب المسح'' میں عبدربہ کی سند سے اسی طرح روایت کیا ہے۔

(۴)۔ یہ لیث بن ابی سُلیم بن زنیم قرشی ہیں، یہ عتبہ بن ابی سفیان کے آزاد کردہ غلام تھے، بعض علما کہتے ہیں کہ عنبسہ ابن ابوسفیان اور بعض نے کہا کہ معاویہ ابن ابوسفیان کے آزاد کردہ غلام تھے، ابن حجر نے تقریب میں فرمایا کہ وہ سچے تھے، لیکن ان کے حافظے میں بہت خلط ملط ہو گیا تھا، اس لیے انہیں چھوڑ دیا گیا، انکا تعلق چھٹے درجے کے ساتھ ہے، امام

اس طرح مسح کیا، اور حفص نے دونوں ہاتھ اپنے سر پر پھیرے یہاں تک کہ اپنی گُدّی پر مسح کیا۔(۱)

گزشتہ سے پیوستہ: ترمذی نے اپنی سنن میں فرمایا کہ امام بخاری نے فرمایا کہ لیث ابن ابی سلیم سچے تھے، بعض اوقات انہیں کسی چیز کے بارے میں وہم ہوجاتا تھا، امام بخاری نے یہ بھی فرمایا کہ امام احمد بن حنبل نے فرمایا کہ لیث کی روایت پر دل خوش نہیں ہوتا، لیث کئی ایسی چیزیں اٹھالیتے تھے جنہیں دوسرے نہیں اٹھاتے تھے، اسی لیے محدثین نے انہیں ضعیف قرار دیا ہے۔(۱رھ) میں امام مزّی تہذیب الکمال میں فرماتے ہیں کہ امام بخاری نے اپنی صحیح میں ان کی روایت سے استدلال کیا ہے اوران کی حدیث کو " کتاب رفع الیدین فی الصلوۃ وغیرہ" میں روایت کیا ہے، امام مسلم نے ان کی روایت کو ابواسحاق شیبانی کے ساتھ ملاکر ذکر کیا ہے، باقی حضرات نے بھی ان کی روایت کولیا ہے، ۱۴۳ھ میں فوت ہوئے، ان کا تذکرہ دیکھیے: تقریب از امام ابن حجر نمبر (۵۶۸۵) تہذیب التہذیب (۳۔۴۸۴) میزان، امام ذہبی (۳۔۲۴۳) اور تہذیب الکمال ازمزی (۲۴۔۲۸۸)

(۵)۔ یہ طلحہ ابن مصرف ابن عمرو بن کعب یامی ہمدانی کوفی ہیں، ان کی کنیت ابومحمد اور بقول بعض ابوعبداللہ تھی، ثقہ قاری اور صاحب فضیلت پانچویں درجے کے ساتھ تعلق رکھتے تھے، ۱۱۲ھ میں فوت ہوئے، ان کا تذکرہ دیکھیے: تقریب (۳۰۳۴) تہذیب التہذیب (۲۔۲۴۳) اور تہذیب الکمال (۱۳۔۴۳۳)

(۶)۔ یہ مصرف ابن عمرو بن کعب ہیں، بعض نے کہا کہ یہ مصرف بن کعب بن عمرو یامی کوفی ہیں، ان سے طلحہ ابن مصرف نے روایت کی، مجہول ہیں اوران کا تعلق درجۂ رابعہ سے ہے، دیکھیے: تقریب (۶۶۸۵) تہذیب التہذیب (۴۔۸۳) اور تہذیب الکمال (۲۸۔۱۷)

(۷)۔ کعب بن عمرو بن حجر یامی اور بقول بعض عمرو بن کعب بن حجر، طلحہ ابن مصرف کے دادا اور صحابی ہیں، لیث بن ابی سلیم نے طلحہ ابن مصرف سے، انہوں نے اپنے والد سے، انہوں نے ان کے دادا سے وضو کے سلسلے میں روایت کی، یہ بات عبدالوارث نے ان کے بارے میں کہی، ابن حجر نے تہذیب میں حدیث مذکور کے بارے میں فرمایا کہ طلحہ کے دادا نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو وضو کرتے ہوئے دیکھا، اگر یہ طلحہ ابن مصرف کے دادا ہیں تو ایک جماعت نے اس بات کو ترجیح دی ہے کہ وہ کعب بن عمرو ہیں اور ابن قطان نے وثوق سے کہا کہ وہ عمرو بن کعب ہیں، اور اگر مذکور طلحہ، ابن مصرف نہیں ہیں تو وہ خود اوران کے والد دونوں مجہول ہیں، اوران کے دادا کا صحابی ہونا ثابت نہیں ہے، کیوں کہ ان کی صحابیت کا صرف اس حدیث سے پتہ چلتا ہے، طلحہ کے تذکرے میں ان کے بارے میں کچھ گفتگو گزر چکی ہے، دیکھیے تقریب (۵۶۴۵) تہذیب التہذیب (۳۔۴۷۰) اور تہذیب الکمال (۲۴۔۱۸۴)

(۱)۔ اس حدیث کو ابن ابی شیبہ نے مصنف (۱۔۱۶) میں اپنی سند کے ساتھ براویت طلحہ عن ابیہ عن جدہ روایت کیا ہے۔

(۳۷)۔ عبدالرزاق، ابن جریج سے، وہ رُبیِّع رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس بکثرت تشریف لاتے تھے، انہوں نے فرمایا کہ ہم نے آپ کے لیے وضو کے پانی کا برتن رکھا، آپ ہمارے یہاں تشریف لائے تو آپ نے وضو کیا اور سر اقدس پر مسح کیا، پچھلے حصے سے ابتدا کی، پھر اپنے دونوں ہاتھ اپنی مقدس پیشانی پر لائے۔(۱)

باب، ۱۰:

کانوں کے مسح کے بارے میں

۳۸۔ عبدالرزاق، معمر سے، وہ زہری سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھا، انہوں نے وضو کیا تو دونوں کانوں کے اندر اور باہر مسح کرنے لگے، میں نے ان کی طرف (سوالیہ نگاہوں سے) دیکھا تو انہوں نے فرمایا: ابن مسعود اس کا حکم دیا کرتے تھے۔(۲)

۳۹۔ عبدالرزاق، ابن جریج سے روایت کرتے ہیں کہ مجھے عطاء نے خبر دی نافع سے اور انہوں نے ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے کہ وہ جب وضو کرتے تو وہ انگوٹھوں کے ساتھ والی دو انگلیاں کانوں میں داخل کرتے تھے اور ان کے اندر مسح کرتے تھے اور انگوٹھوں سے ان کے باہر مسح کرتے تھے۔(۳)

۴۰۔ عبدالرزاق، زہری سے، وہ جندب سے اور وہ اسود بن یزید(۴) سے روایت کرتے

---

(۱)۔ اس حدیث کو امام احمد نے (۴۴/۵۶۸) امام طبرانی معجم کبیر (۲۴/۲۶۹) اور ابن ابی شیبہ نے مصنف میں روایت کیا۔ (۲)۔ اس حدیث کی سند صحیح ہے اور اسے ابن ابی شیبہ نے اپنی مصنف (۱۔۱۸) میں روایت کیا۔

(۳)۔ اسے ابن ابی شیبہ نے مصنف (۱۔۱۸) میں روایت کیا، نیز اسے ابن منذر سے اوسط (۱۔۴۰۴) میں روایت کیا اور یہ اضافہ کیا کہ ابو بکر نے فرمایا کہ جو شخص اپنے کانوں پر مسح کرے اسے اسی طرح کرنا چاہیے۔

(۴)۔ اس سند میں عبدالرزاق اور زہری کے درمیان انقطاع ہے (کیوں کہ ان کے درمیان ملاقات نہیں ہے) اور اسود بن یزید بن قیس نخعی کی کنیت ابو عمرو یا ابو عبدالرحمٰن ہے، یہ مخضرم ہیں (یعنی انہوں نے عباسی اور فاطمی دونوں دور پائے ۔۱۲ قادری) ثقہ، کثرت سے روایت کرنے والے اور فقیہ ہیں، درجۂ ثانیہ سے تعلق رکھتے ہیں ۴۷ھ یا ۵۷ھ میں وفات پائی، دیکھیے تہذیب الکمال (۳۔۲۳۳) تقریب (۱۴۰) اس اثر کو امام مالک نے مؤطا (نمبر ۳۷) میں حضرت نافع سے روایت کیا ہے کہ حضرت عبداللہ ابن عمر دو انگلیوں کے ساتھ دونوں کانوں کے لیے پانی لیتے تھے، بیہقی نے سنن کبریٰ (۱۔۶۵) میں امام مالک کی سند سے یہ حدیث روایت کی، دیکھیے نصیب الرایہ (۱۔۲۲)

تھے کہ ابن عمر نے وضو کیا تو انہوں نے اپنی دو انگلیاں کانوں کے اندر اور باہر داخل کیں اور ان پر مسح کیا۔

نورانیت و بشریت کا پیکر حسین ﷺ

عام طور پر یہ مغالطہ دیا جاتا ہے کہ نورانیت اور بشریت میں منافات ہے، دونوں کا ایک جگہ اجتماع نہیں ہوسکتا، حالاں کہ اس کا حقیقت سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

"فَأَرْسَلْنَا إِلَيْهَا رُوحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا" (۱۹۔۱۷)

تو اس (مریم) کی طرف ہم نے اپنا روحانی (جبریل امین) بھیجا، وہ اس کے سامنے ایک تندرست آدمی کے روپ میں ظاہر ہوا۔

ظاہر ہے کہ حضرت جبرائیل امین علیہ السلام نوری مخلوق ہیں، جب حضرت مریم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے سامنے بشری صورت میں جلوہ گر ہوئے، تو اس وقت بھی وہ حقیقت کے لحاظ سے نوری ہی تھے، لیکن ان کا ظہور بشری لباس میں ہوا، اگر نور و بشر میں تضاد ہوتا تو حضرت جبرائیل علیہ السلام کبھی بشری صورت میں تشریف نہ لاتے۔

ہمارا عقیدہ ہے کہ حضور سرور دو عالم ﷺ حقیقت کے اعتبار سے نور اور صورت کے اعتبار سے بے مثل بشر ہیں۔ علامہ سید محمود آلوسی فرماتے ہیں:

بعض اوقات کہا جاتا ہے کہ چوں کہ نبی اکرم ﷺ کی دو حیثیتیں ہیں: ایک جہتِ ملکیت جس کی بناء پر آپ فیض حاصل کرتے ہیں، اور دوسری جہت بشریت جس کی بنا پر آپ فیض دیتے ہیں اس لیے قرآن کریم آپ کی رُوح پر نازل کیا گیا، کیوں کہ آپ کی روح ملکی صفات کے ساتھ متّصف ہے جن کی بناء پر آپ روح الامین سے استفادہ کرتے ہیں۔ (۱)

غزنوی خاندان کے مشہور غیر مقلد پروفیسر ابوبکر غزنوی نے بڑی فیصلہ کن بات کی ہے، مولانا محمد انور جیلانی کے رسالۂ بشریت و رسالت پر تقریظ میں لکھتے ہیں:

---

(۱)۔ محمود آلوسی، سید علامہ: روح المعانی (طبع، بیروت) ۱۹/۱۲۱

بعض لوگوں نے کہا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بشر تھے اور نور نہ تھے، اور بعض نے کہا کہ وہ نور تھے، بشر نہ تھے، یہ دونوں باتیں افراط وتفریط کی ہیں، قرآن مجید کہتا ہے کہ وہ بشر بھی تھے اور نور بھی تھے، (اس کے بعد نورانیت اور بشریت سے متعلق دونوں آیتیں نقل کی ہیں (اور صحیح مسلک یہی ہے کہ وہ بشر ہوتے ہوئے ازفرق تابقدم نور کا سراپا تھے۔(۱)

(تحریر ۱۴ر دسمبر ۱۹۷۱ء)

لیجیے اب تو اختلاف ختم ہوجانا چاہیے، اہل سنت و جماعت کہتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ بے مثل بشر بھی ہیں اور نور بھی۔

سرکار دوعالم ﷺ کی بشریت کا مطلقاً انکار کرنے والا دائرہ اسلام سے خارج ہے۔

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ فرماتے ہیں:

جو مطلقاً حضور سے بشریت کی نفی کرے، وہ کافر ہے: قَالَ تَعَالیٰ "قُلْ سُبْحَانَ رَبِّي هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا" (۲)

احسان الٰہی ظہیر کا کہنا ہے کہ نبی اکرم ﷺ اور دیگر انبیائے کرام کے زمانوں کے کفار نبوت اور بشریت میں منافاۃ کا عقیدہ رکھتے تھے اور انبیائے کرام کی نبوت کا اس لیے انکار کرتے تھے کہ وہ بشر ہیں اور بشر رسول نہیں ہوسکتا۔

اس کے بعد بریلویوں پر طعن وتشنیع کرتے ہوئے کہتے ہیں:

یہ لوگ چوں کہ اسلامی معاشرے اور مسلمانوں کے گھروں میں پیدا ہوئے ہیں اس لیے انبیاء کی نبوت کا تو انکار نہیں کر سکے، لیکن ان کا عقیدہ بعینہ وہی ہے کہ نبوت اور بشریت میں منافاۃ ہے، اس لیے انہوں نے انبیاء ورسل کی بشریت کا انکار کردیا ہے۔(۳)

بلاشبہہ یہ مجرمانہ خیانت ہے، قارئین کرام ابھی امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ کی تصریح ملاحظہ کرچکے ہیں کہ "جو مطلقاً حضور کی بشریت کا انکار کرے، وہ کافر ہے" اس کے باوجود اس غلط بیانی کا کیا جواز ہے؟

---

(۱)۔ ابوبکر غزنوی، پروفیسر: تقریظ رسالہ بشریت ورسالت (۱۹۸۷ء) ص:۱۷

(۲)۔ احمد رضا بریلوی، اعلیٰ حضرت امام: فتاوٰی رضویہ (مبارک پور، انڈیا) ۶۔۶۷

(۳)۔ احسان الٰہی ظہیر: البریلویۃ (عربی) ص:۱۰۱۔۱۰۲

ہمارا عقیدہ ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ بشر ضرور ہیں، لیکن افضل البشر اور سید الخلق ہیں، امام الانبیاء اور مقتدائے رُسل ہیں اور مخلوق کی طرف اللہ تعالیٰ کا بھیجا ہوا نور ہیں۔

ظہیر صاحب نے محض یہ ثابت کرنے کے لیے متعدد آیتیں نقل کی ہیں کہ کافروں نے انبیائے کرام کی نبوت کا انکار محض اس لیے کیا کہ وہ بشر ہیں، حالاں کہ اگر مطلب ثابت ہو جائے، تو اس کے لیے ایک ہی آیت کافی ہے، اور مطلب ثابت نہ ہو تو پانچ سو آیتیں پیش کرنا بھی بے فائدہ ہے۔ یہی صورت ظہیر صاحب کو پیش آئی ہے۔ ملاحظہ فرمائیں اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کی قوم اور عاد و ثمود کا یہ قول بیان فرمایا ہے:

اِنۡ اَنۡتُمۡ اِلَّا بَشَرٌ مِّثۡلُنَا (۱) تم نہیں مگر ہم جیسے بشر

اس آیت کریمہ سے صاف ظاہر ہے کہ کافروں نے رسولانِ کرام علیہم السلام کی رسالت کا انکار صرف اس بناء پر نہیں کیا تھا کہ وہ بشر ہیں جیسے کہ ظہیر صاحب ثابت کرنا چاہتے ہیں، بلکہ اس لیے انکار کیا کرتے تھے کہ وہ ہم جیسے بشر ہیں، کفار اگر سمجھ لیتے کہ ظاہری طور پر ہم جیسے بشر دکھائی دینے والے حضرات درحقیقت ہم سے کہیں بلند و بالا ہیں، تو وہ راہِ کفر اختیار نہ کرتے، بلکہ ایمان لے آتے، یہی وہ نکتہ ہے، جسے اہل سنت و جماعت کے مخالفین نہیں سمجھ پاتے۔

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ السامی فرماتے ہیں:

جیسے کہ کفار نے انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کو دوسرے انسانوں کے رنگ میں جان کر، نبوت کے کمالات کا انکار کیا ہے۔ (۲)

غیر مقلدین اور علمائے دیوبند کے مسلم پیشوا شاہ اسمٰعیل دہلوی لکھتے ہیں:

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اولیا، انبیا، امام و امام زادہ، پیر، شہید یعنی جتنے اللہ کے مقرب بندے ہیں، وہ سب انسان ہی ہیں اور بندے عاجز اور ہمارے بھائی، مگر ان کو اللہ تعالیٰ نے بڑائی دی، وہ بڑے بھائی ہوئے، ہم کو اُن کی فرماں برداری کا حکم کیا ہے، ہم ان کے چھوٹے بھائی ہیں۔ (۳)

---

(۱)۔ القرآن: ۱۴۔۱۰

(۲)۔ احمد سرہندی، مجدد الف ثانی: مکتوبات فارسی (دفتر اول حصہ دوم) ص: ۱۱۴

(۳)۔ اسمٰعیل دہلوی: تقویۃ الایمان (مطبع فاروقی، دہلی) ص: ۶۰

کیااس کا صاف یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ ہم جیسے بشر ہیں؟ اور کیا یہ اس بات کے قریب نہیں ہے ، جو کفار اپنے زمانے کے رسولوں کو کہتے رہے ہیں؟

ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں:

کسی بزرگ کی تعریف میں زبان سنبھال کر بولو اور جو بشر کی سی تعریف ہو سو ہی کرو، ان میں بھی اختصار کرو۔(۱)

اس عبارت سے صاف ظاہر ہو گیا کہ دہلوی صاحب کو اتنا بھی گوارہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے کسی محبوب کی اتنی تعریف بھی کی جائے، جو بشر ہی کے شایانِ شان ہو، بلکہ اس میں بھی اختصار کا مشورہ دیتے ہیں۔

محبوبان بارگاہِ الٰہی کے بارے میں اسی خطرناک ذہنیت کے مسموم اثرات زائل کرنے کے لیے علمائے اہل سنت نے اللہ تعالیٰ کے حبیب ﷺ اور دیگر مقربانِ بارگاہ کی شان میں وہ گل ہائے عقیدت پیش کیے کہ ایمان والوں کے ایمان تازہ ہو گئے۔

قرآن پاک میں حضور نبی اکرم ﷺ کے بشر اور نور ہونے کی تصریح ہے، کسی مسلمان کے لیے نہ تو آپ کی بشریت کے انکار کی گنجائش ہے، اور نہ ہی نور ہونے کی نفی کی مجال ہے، حیرت ان لوگوں پر ہے جو توحید و رسالت کی گواہی دینے کے باوجود سرکارِ دوعالم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے نور ہونے کا انکار کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کا فرمانِ اقدس ہے:

"قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّ كِتٰبٌ مُّبِيْنٌ"(۵۔۱۵)

تحقیق کہ تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے نور آیا ہے اور کتاب مبین۔

اس آیت کی تفسیر میں مختلف اقوال ملتے ہیں:

اول: نور سے مراد نبی اکرم ﷺ اور آپ کا نور ہے، اور کتاب سے مراد قرآن پاک ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے "نور" کی تفسیر "رسول" سے کرنے کے بعد فرمایا: یعنی "محمدًا" (۲) صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم)

---

(۱)۔ اسمٰعیل دہلوی: تقویۃ الایمان (مطبع فاروقی، دہلی) ص: ۶۳

(۲)۔ محمد بن یعقوب فیروز آبادی: تنویر المقیاس (مصطفی البابی ہشتم) ص: ۷۲

(۳)۔ محمد بن عمر بن حسین رازی، امام تفسیر کبیر (المطبعۃ البہیۃ، مصر) ۱۱۔۱۸۹

کیااس کا صاف یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ ہم جیسے بشر ہیں؟ اور کیا یہ اس بات کے قریب نہیں ہے ، جو کفار اپنے زمانے کے رسولوں کو کہتے رہے ہیں؟

ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں:

کسی بزرگ کی تعریف میں زبان سنبھال کر بولو اور جو بشر کی سی تعریف ہو سو ہی کرو، ان میں بھی اختصار کرو۔(۱)

اس عبارت سے صاف ظاہر ہو گیا کہ دہلوی صاحب کو اتنا بھی گوارہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے کسی محبوب کی اتنی تعریف بھی کی جائے ، جو بشر ہی کے شایانِ شان ہو، بلکہ اس میں بھی اختصار کا مشورہ دیتے ہیں۔

محبوبان بارگاہِ الٰہی کے بارے میں اسی خطرناک ذہنیت کے مسموم اثرات زائل کرنے کے لیے علمائے اہل سنت نے اللہ تعالیٰ کے حبیب ﷺ اور دیگر مقربانِ بارگاہ کی شان میں وہ گل ہائے عقیدت پیش کیے کہ ایمان والوں کے ایمان تازہ ہو گئے۔

قرآن پاک میں حضور نبی اکرم ﷺ کے بشر اور نور ہونے کی تصریح ہے، کسی مسلمان کے لیے نہ تو آپ کی بشریت کے انکار کی گنجائش ہے، اور نہ ہی نور ہونے کی نفی کی مجال ہے، حیرت ان لوگوں پر ہے جو توحید و رسالت کی گواہی دینے کے باوجود سرکارِ دو عالم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے نور ہونے کا انکار کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کا فرمانِ اقدس ہے:

"قَدْ جَآءَ کُمْ مِّنَ اللّٰہِ نُوْرٌ وَّ کِتَابٌ مُّبِیْنٌ"(۵۔۱۵)

تحقیق کہ تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے نور آیا ہے اور کتاب مبین۔

اس آیت کی تفسیر میں مختلف اقوال ملتے ہیں:

اول: نور سے مراد نبی اکرم ﷺ اور آپ کا نور ہے، اور کتاب سے مراد قرآن پاک ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے "نور" کی تفسیر "رسول" سے کرنے کے بعد فرمایا: یعنی "محمّدًا"(۲) صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم)

---

(۱)۔ اسمٰعیل دہلوی: تقویۃ الایمان (مطبع فاروقی، دہلی) ص:۶۳

(۲)۔ محمد بن یعقوب فیروزآبادی: تنویر المقباس (مصطفی البابی ہشتم) ص:۲۷

(۳)۔ محمد بن عمر بن حسین رازی، امام تفسیر کبیر (المطبعۃ البہیۃ، مصر) ۱۱۔۱۸۹

امام رازی علیہ الرحمہ نے نور کی تفسیر میں متعدد اقوال بیان کیے، پہلا قول یہ ہے کہ نور سے مراد محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں۔(۳)

امام محمد بن جریر طبری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا: یَعْنِیْ بِالنُّوْرِ مُحَمَّدًا ﷺ نور سے مراد محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں۔(۱)

تفسیر جلالین میں ہے:

اس نور سے مراد حضور نبی اکرم ﷺ کا نور ہے۔(۲)

جلالین کے حاشیہ تفسیر صاوی میں ہے:

حضور نبی اکرم ﷺ کا نام اس لیے نور رکھا گیا کہ آپ بصیرتوں کو منور فرماتے ہیں اور انہیں راہِ راست کی ہدایت دیتے ہیں۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ آپ ہر حسی اور معنوی نور کی اصل ہیں۔(۳)

تفسیر خازن میں ہے:

نور سے مراد حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کا نام اس لیے نور رکھا کہ آپ کے ذریعے ہدایت پائی جاتی ہے، جیسے روشنی کے ذریعے اندھیروں میں ہدایت پائی جاتی ہے۔(۴)

تفسیر مدارک میں ہے:

دوسرا احتمال یہ ہے کہ نور، محمد مصطفیٰ ﷺ ہیں، کیوں کہ آپ کے ذریعے ہدایت حاصل کی جاتی ہے، جس طرح آپ کا نام سراج رکھا گیا۔(۵)

دوم: نور اور کتاب دونوں سے قرآن پاک مراد ہے۔ یہ جُبائی اور زمخشری کا قول ہے، یہ دونوں معتزلی ہیں، ان پر یہ سوال وارد ہوا کہ عطف مغایرت کو چاہتا ہے۔ جب دونوں سے مراد قرآن پاک ہے تو مغایرت کہاں رہے؟ اس کا انہوں نے جواب دیا کہ عطف کے لیے ذاتی طور پر متغائر ہونا ضروری

---

(۱)۔ محمد بن جریر طبری، امام ابوجعفر　　جامع البیان فی تفسیر القرآن (مطبعۃ میمنۃ، مصر) ۶۔۹۲

(۲)۔ عبدالرحمٰن بن ابوبکر سیوطی، امام　　تفسیر جلالین، اصح المطابع، دہلی، ص: ۹۷

(۳)۔ محمد بن صاوی، مالکی علامہ:　　حاشیہ تفسیر جلالین (مصطفی البابی، مصر) ۱۔۲۵۸

(۴)۔ جلال الدین علی بن ابراہیم بغدادی:　　تفسیر خازن (مکتبہ تجاریہ، مصر) ۲۔۲۳

(۵)۔ عبداللہ بن احمد نسفی، علامہ:　　تفسیر نسفی (دار الکتاب العربی، بیروت) ۱۔۲۷۶

نہیں ہے، تغایر اعتباری ہی کافی ہے اور وہ یہاں موجود ہے۔

سوم: نور اور کتاب دونوں سے مراد حضور نبی اکرم ﷺ ہیں، اس پر اگر یہ سوال اٹھایا جائے کہ عطف تغایر کو چاہتا ہے، تو اس کا جواب وہی ہوگا جو جُبّائی وغیرہ نے دیا ہے کہ تغایر اعتباری کافی ہے۔

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

میرے نزدیک یہ امر بعید نہیں ہے کہ نور اور کتاب مبین دونوں سے نبی اکرم ﷺ مراد ہوں، عطف کی وہی توجیہ کی جائے جو جبّائی نے کی ہے۔ اس میں شک نہیں ہے کہ نبی اکرم ﷺ پر نور اور کتاب مبین دونوں کا اطلاق صحیح ہے، ہوسکتا ہے کہ عبارۃ النص کے اعتبار سے تمہیں اس کے قبول کرنے میں توقف ہو تو اسے اشارۃ النص کے قبیلہ سے قرار دے۔ (۱)

حضرت علامہ ملّا علی قاری علیہ رحمۃ الباری فرماتے ہیں:

اس امر سے کون سی چیز مانع ہے؟ کہ نور اور کتاب مبین دونوں نبی اکرم ﷺ کی صفتیں ہوں، کیوں کہ آپ نور عظیم ہیں اور انوار کے درمیان کامل ظہور رکھتے ہیں اور آپ اس لحاظ سے کتاب مبین ہیں کہ آپ تمام اسرار کے جامع، احکام، احوال اور بھلائیوں کے ظاہر کرنے والے ہیں۔ (۲)

تقریباً تمام اہل سنت و جماعت مفسرین کرام نے یہ احتمال ضرور بیان کیا ہے کہ نور سے مراد نورِ مصطفیٰ ﷺ ہے اور بعض تو یہاں تک کہتے ہیں کہ کتاب سے مراد بھی آپ ہی کی ذات اقدس ہے۔ اب کون ہے، جو اپنے آپ کو مسلمان بھی کہے اور حضور نبی اکرم ﷺ کے نور ہونے کا بھی انکار کرے؟

۲۸ / ذی قعدہ، ۱۳۱۷ھ کو مولوی نور الدین احمد نے گوالیار سے امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ کی خدمت میں استفتا ارسال کیا اور دریافت کیا:

یہ مضمون کہ حضور سید عالم ﷺ اللہ تعالیٰ کے نور سے پیدا ہوئے، اور ان کے نور سے باقی مخلوقات، کس حدیث سے ثابت ہے؟ اور وہ حدیث کس قسم کی ہے؟

اس کے جواب میں امام احمد رضا بریلوی قدس سرّہ نے فرمایا امام اجل سیدنا امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے شاگرد اور امام اجل سیدنا امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ کے استاذ اور امام بخاری و امام مسلم

---

(۱)۔ محمود آلوسی، سید علامہ: روح المعانی (طبع، بیروت) ۶۔ ۹۸

(۲)۔ علی بن سلطان القاری: شرح شفاء (طبع، مدینہ منوّرہ) ۱۔ ۱۱۴

کے استاذ الاستاذ، حافظ الحدیث، احد الاعلام عبدالرزاق ابوبکر بن ہمام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اپنی مصنَّف میں حضرت سیدنا وابن سیدنا جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی وہ فرماتے ہیں:

میں نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ میرے ماں باپ حضور پر قربان، مجھے بتادیجیے کہ سب سے پہلے اللہ عزّ وجل نے کیا چیز بنائی؟ فرمایا:

یَاجَابِرُ اِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی قَدْ خَلَقَ قَبْلَ الْاَشْیَاءِ نُوْرَ نَبِیِّكَ مِنْ نُوْرِہٖ۔

اے جابر! بے شک بالیقین اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوقات سے پہلے تیرے نبی (ﷺ) کا نور اپنے نور سے پیدا فرمایا۔(۱)

اس کے بعد پوری حدیث نقل کی۔

یہ حدیث کس قسم کی ہے؟ اس کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں۔

یہ حدیث امام بیہقی نے بھی ''دلائل النبوۃ'' میں بنحو د روایت کی۔ اجلّہ ائمۂ دین مثل امام قسطلانی ''مواہب اللدنیہ'' اور امام ابن حجر مکی افضل القریٰ اور علامہ فاسی ''مطالع المسرّ ات'' اور علامہ زرقانی ''شرح مواہب'' اور علامہ دیار بکری ''خمیس'' اور شیخ محقق دہلوی ''مدارج النبوۃ'' میں وغیرہا میں اس حدیث سے استناد اور اس پر تعویل واعتماد فرماتے ہیں۔

بالجملہ وہ تلقی امت بالقبول کا منصب جلیل پائے ہوئے ہے تو بلا شبہہ حدیث حسن صالح مقبول معتمد ہے، تلقی علماء بالقبول وہ شئ عظیم ہے جس کے بعد ملاحظۂ سند کی حاجت نہیں رہتی بلکہ سند ضعیف بھی ہو تو حرج نہیں کرتی ''کمابَیَّنَّاہُ فِی مُنِیْرِ العَیْنِ فِیْ حُکْمِ تَقْبِیْلِ الابْھَامَیْنِ'' لاجرم علامہ محقق عارف باللہ سیدی عبدالغنی نابلسی قدس سرہ القدسی ''حدیقہ ندیہ شرح طریقۂ محمدیہ'' میں فرماتے ہیں: (۲)

''وَقَدْ خُلِقَ کُلُّ شَیْئٍ مِنْ نُّوْرِہٖ ﷺ کَمَاوَرَدَبہ الحدیثُ الصحیحُ''

بے شک ہر چیز نبی اکرم ﷺ کے نور سے بنی۔ جیسا کہ صحیح حدیث اس معنی میں وارد ہوئی۔

---

(۱)۔ احمد رضا بریلوی، اعلیٰ حضرت امام: مجموعہ رسائل (نوروسایہ) رضا فاؤنڈیشن، (لاہور) ۷۔۸

(۲)۔ احمد رضا بریلوی، اعلیٰ حضرت امام: مجموعہ رسائل (نوروسایہ) رضا فاؤنڈیشن، (لاہور) ۸۔۹

یہ جواب بڑا متین، مدلل اور معقول تھا، لیکن تعصب اور عناد اسے قبول کرنے کے لیے تیار نہیں، اس پر چند اعتراض کیے گئے ہیں، ان کا جواب ملاحظہ ہو۔

پہلا اعتراض: احسان الٰہی ظہیر نے اس پر رائے زنی کرتے ہوئے لکھا ہے:

اگرامت سے مراد وہ لوگ ہیں جوان کی طرح جہالت اور گمراہی اور کج روی کے پیروکار ہیں، تو ہمیں نقصان دہ نہیں اور اگرامت سے مراد علما اور حدیث کے ماہرین ہیں، تو اس امر کا وجود نہیں ہے کہ انہوں نے اس حدیث کو قبول کیا ہے۔(۱)

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ نے اس حدیث کی روایت اور نقل کرنے والوں کا نام بنام ذکر کیا ہے، اس کے باوجود ان سب کو جاہل اور گمراہ قرار دینا ائمۂ دین کی شان میں وہ کھلی گستاخی ہے، جو ناقابل معافی ہے اور ان لوگوں کا پرانا شیوہ ہے۔

ذیل میں ہم حدیث نور کے چند حوالے تفصیل کے ساتھ پیش کرتے ہیں آپ دیکھیں کہ احسان الٰہی ظہیر نے کتنے جلیل القدر ائمہ کو جاہل اور گمراہ قرار دیا ہے؟

(۱)۔ امام بخاری و مسلم کے استاذ الاستاذ امام عبدالرزاق نے مصنَّف میں اس حدیث کو روایت کیا، اس سلسلے میں چند گزارشات آئندہ صفحات میں ملاحظہ فرمائیں۔

(۲)۔ امام بیہقی نے یہ حدیث روایت کی، امام زرقانی فرماتے ہیں:

امام بیہقی نے یہ حدیث کسی قدر مختلف الفاظ سے روایت کی ہے۔

(شرح زرقانی علی المواہب ج:۱،ص:۵٦ تاریخ الخمیس، ج:۱،ص:۲۰)

(۳)۔ تفسیر نیشاپوری میں آیت مبارکہ ''وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ'' کی تفسیر میں ہے:

''کَمَا قَالَ اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰہُ نُوْرِیْ''

جیسے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے میرا نور پیدا کیا۔

(نظام الدین حسن نیشاپوری (م ۷۲۸ھ غرائب القرآن (مصطفےٰ البابی، مصر ج:۸،ص:٦٦)

(۴)۔ عارف باللہ شیخ عبدالکریم جیلی (م ۸۰۵ھ) اپنی کتاب الناموس الاعظم والقاموس الاقدم فی معرفۃ قدر النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں فرماتے ہیں کہ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے کہ نبی اکرم

---

(۱)۔ احسان الٰہی ظہیر: البریلویۃ (عربی) ص:۱۰۳

ﷺ نے فرمایا:

اے جابر! اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے تیرے نبی کی روح پیدا فرمایا۔

(یوسف بن اسمٰعیل نبہانی، علامہ: جواہر البحار، عربی (مصطفی البابی، مصر، ج:۴، ص:۲۲۰)

۵۔ مواہب لدنیہ میں ہے کہ امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنی سند سے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے فرمایا:

يَاجَابِرُ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى قَدْ خَلَقَ قَبْلَ الْاَشْيَاءِ نُوْرَ نَبِيِّكَ مِنْ نُوْرِهٖ۔

اے جابر! بے شک اللہ تعالیٰ نے تمام اشیاء سے پہلے تیرے نبی کا نور اپنے نور سے پیدا فرمایا۔

(احمد بن محمد بن ابی بکر قسطلانی (م ۹۲۳ھ) مواہب لدنیہ مع شرح زرقانی، ج:۱، ص:۵۵)

۶۔ سیرت حلبیہ میں یہ حدیث نقل کر کے فرماتے ہیں:

وَفِيْهِ اَنَّهٗ اَصْلٌ لِّكُلِّ مَوْجُوْدٍ وَاللّٰهُ تَعَالٰى اَعْلَمُ۔

اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ حضور نبی اکرم ﷺ ہر موجود کی اصل ہیں، واللہ تعالیٰ اعلم!

امام علی بن برہان الدین حلبی شافعی (م ۱۰۴۴ھ۔۱۶۳۵ء)

''سیرت حلبیہ'' مکتبہ اسلامیہ، بیروت، ج:۱، ص:۳۱)

۷۔ ''کشف الخفاء'' میں یہ حدیث ان ہی الفاظ میں نقل کی گئی ہے۔

(علامہ اسمٰعیل بن محمد عجلونی (م ۱۱۶۲ھ ''کشف الخفاء ومزیل الالباس'' مکتبہ غزالی بیروت، ج:۱ ص:۲۶۵)

۸۔ خرپوطی نے شرح قصیدہ بردہ میں یہ حدیث مفہوماً نقل کی۔

(عمر بن احمد الخرپوطی (م ۱۲۹۹ھ۔۱۸۸۲ء) ''عصیدۃ الشہدۃ شرح القصیدۃ البردۃ''، نور محمد، کراچی، ص:۷۳)

۹۔ ''الحدیقۃ الندیہ'' میں ہے:

حضور نبی اکرم ﷺ صاحب الجمعیۃ الکبریٰ ہیں، کیوں نہ ہو، جب کہ ہر شے آپ کے نور سے پیدا کی گئی ہے، جیسے کہ اس بارے میں یہ حدیث صحیح وارد ہے۔

(امام عبدالغنی نابلسی (م ۱۱۴۳ھ۔۳۱۔۱۷۳۰ء) مکتبہ نوریہ، فیصل آباد، ج:۲، ص:۳۷۵)

۱۰۔ تاریخ خمیس میں یہ روایت معنًی نقل کی ہے۔

علامہ حسین بن محمد بن حسن دیار بکری (م ۹۶۶ھ) تاریخ الخمیس فی احوال انفس نفیس، مؤسسۃ الشعبان، بیروت، ج:۱، ص:۱۹)

۱۱۔ امام علامہ شرف الدین بوصیری کے قصیدہ ہمزیہ کی شرح میں یہ حدیث نقل کی گئی ہے۔

علامہ سلیمان الجمل (م ۱۲۰۴ھ) صاحب تفسیر الجمل "الفتوحات الاحمدیہ بالمنح المحمدیہ" ص:٦، ادارہ محمد عبداللطیف حجازی، قاہرہ)

۱۲۔ امام علامہ ابن الحاج فرماتے ہیں:

فقیہ خطیب ابوالربیع کی کتاب "شفاء الصدور" میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے نورِ مصطفی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو پیدا فرمایا اور اِس نور سے تمام اشیاء کو پیدا کیا۔

پس نورِ عرش، نورِ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے ہے، نورِ قلم، نورِ مصطفیٰ ص ﷺ سے ہے، لوحِ محفوظ کا نور، نورِ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے ہے، دن کا نور، نورِ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے ہے، معرفت کا نور، شمس وقمر اور آنکھوں کا نور، نورِ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے ہے۔

(ترجمہ ملخصًا) (ابن الحاج: المدخل، دار الکتاب العربی، بیروت، ج:۲ ص:۳۴)

۱۳۔ علامہ ابوالحسن بن عبداللہ بکری فرماتے ہیں:

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ موجود تھا، اور کوئی شے اس کے ساتھ موجود نہ تھی، اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے اپنے حبیب ﷺ کا نور پیدا کیا، پانی، عرش، کرسی، لوح وقلم، جنت اور دوزخ، حجاب اور بادل حضرت آدم اور حضرت حوا (علیہما السلام) سے چار ہزار سال پہلے۔

(ابوالحسن بن عبداللہ بکری، "الانوار فی مولد النبی محمد" نجف اشرف، ص:۵)

اس سے معلوم ہوا کہ سب سے پہلے نورِ مصطفی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے پیدا کیے جانے کی روایت صرف حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی نہیں ہے بلکہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی روایت ہے۔

۱۴۔ علامہ سید محمود الوسی فرماتے ہیں:

حضور نبی اکرمِ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا سب کے لیے رحمت ہونا اس اعتبار سے ہے کہ آپ

ممکنات پر نازل ہونے والے فیضِ الٰہی کا ان کی قابلیتوں کے مطابق واسطہ ہیں، اسی لیے آپ کا نور سب سے پہلی مخلوق تھا، حدیث شریف میں ہے: اے جابر! اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے تیرے نبی کا نور پیدا کیا، یہ بھی آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ عطا فرمانے والا اور میں تقسیم کرنے والا ہوں۔

(سید محمود الوسی (م ۱۲۷۰ھ) روح المعانی، طبع بیروت) ج:۱۷، ص:۱۰۵)

ایک جگہ حدیث "اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰہُ نُوْرِیْ" نقل کی ہے۔

(روح المعانی، ج:۸، ص:۷۱)

۱۵۔　علامہ شامی کے بھتیجے سید احمد عابدین شامی (م ۱۳۲۰ھ تقریباً) نے علامہ ابن حجر مکی کے رسالہ "النعمۃ الکبریٰ علی العالم" کی شرح میں یہ حدیث نقل کی ہے۔

(یوسف بن اسمٰعیل نبہانی، علامہ: جواہر البحار (مصطفیٰ البابی، مصر) ج:۳، ص:۳۵۴)

۱۶۔　علامہ محمد مہدی فاسی نے حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت کردہ حدیث نقل کرنے کے علاوہ ایک دوسری حدیث بھی نقل کی کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

"اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰہُ نُوْرِیْ وَمِنْ نُوْرِیْ خَلَقَ کُلَّ شَیْئٍ"

اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے میرا نور پیدا کیا اور میرے نور سے ہر چیز پیدا کی۔ اس کے بعد فرماتے ہیں:

ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ تمام مخلوقات سے پہلے اور ان کا سبب ہیں۔

(محمد مہدی بن احمد فاسی (م ۱۰۵۲ھ۔ ۱۶۴۲ء) "مطالع المسرات" شرح دلائل الخیرات ، المطبعۃ التازیہ) ص:۲۲۱

۱۷۔　علامہ احمد عبدالجواد دمشقی نے یہ حدیث امام عبدالرزاق اور امام بیہقی کے حوالے سے نقل کی ہے۔ (احمد عبدالجواد دمشقی، علامہ: السراج المنیر وبسیرتہ اَستنیرُ) طبع دمشق ص:۱۳۔۱۴

۱۸۔　محدث جلیل حضرت ملا علی قاری نے "المورد الروی" میں "مصنَّف عبدالرزاق کے حوالے سے سیدنا جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث نقل کی ہے۔

(علی بن سلطان محمد القاری، علامہ: (م ۱۰۱۴ھ) "المورد الروی فی المولد النبوی"، تحقیق محمد بن علوی مالکی (پہلا ایڈیشن ۱۴۰۰ھ۔ ۱۹۸۰ء، ص:۴۰)

۱۹۔ مکہ مکرمہ کے نامور محقق فاضل سید محمد علوی مالکی لکھتے ہیں:

حدیث حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سند صحیح ہے، اس پر کوئی غبار نہیں ہے۔ چوں کہ متن غریب ہے، اس لیے اس میں علما کا اختلاف ہے، اس حدیث کو امام بیہقی نے کسی قدر مختلف الفاظ سے روایت کیا ہے۔

''محمد بن علوی مالکی حسنی، علامہ: حاشیہ ''المورد الروی'' ص: ۴۰) اس جگہ علامہ مالکی نے تفصیلی نوٹ دیا ہے، جس میں حضور سید عالم، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی نورانیت، احادیث مبارکہ کے حوالے سے بیان کی ہے۔

۲۰۔ فتاوی حدیثیہ میں ہے:

"وَاِنَّمَا الَّذِیْ رَوَاہُ عَبْدُ الرَّزَّاقِ اَنَّہٗ صَلّٰی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اللہَ خَلَقَ نُوْرَ مُحَمَّدٍ قَبْلَ الْاَشْیَاءِ مِنْ نُّوْرِہٖ"

عبدالرزاق نے جو حدیث روایت کی ہے وہ یہ ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

بے شک اللہ تعالیٰ نے تمام اشیاء سے پہلے اپنے نور سے نورِ مصطفیٰ ﷺ پیدا کیا۔ (ابن حجر ہیتمی مکی، امام: (م ۹۷۴ھ) فتاوی حدیثیہ (مصطفیٰ البابی، مصر، ص: ۲۴۷)

۲۱۔ مولانا عبدالحیی لکھنوی فرنگی محلی ''الآثار المرفوعہ'' میں امام عبدالرزاق کے حوالے سے حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت نقل کرنے کے بعد تنبیہ کا عنوان دے کر لکھتے ہیں:

عبدالرزاق کی روایت سے نورِ محمدی کا پیدائش میں اوّل ہونا، اور مخلوق سے پہلے ہونا ثابت ہے۔

(عبدالحی لکھنوی، علامہ: الآثار المرفوعۃ فی الاخبار الموضوعۃ (مکتبہ قدوسیہ، لاہور) ص: ۳۳۔۳۴)

۲۲۔ یوسف بن اسمٰعیل نبہانی، علامہ: حجۃ اللہ علی العالمین (مکتبہ نوریہ رضویہ، فیصل آباد، ص: ۲۸)

۲۳۔ مدارج النبوۃ میں ہے:

درحدیث صحیح وارد شدہ کہ "اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللہُ نُوْرِیْ" (عبدالحق محدث دہلوی، شیخ محقق: (م ۱۰۵۲ھ) مدارج النبوۃ، فارسی، (مکتبہ نوریہ رضویہ، سکھر) ج: ۲، ص: ۲)

فرض کیجیے کہ کسی محفل میں یہ تمام، علما، عرفا اور محدثین تشریف فرما ہوں اور اس حدیث کو بیان کر رہے ہوں اور اس کی تصدیق وتوثیق کر رہے ہوں، تو کیا کوئی بڑے سے بڑا علامہ یہ کہنے کی جرأت کر سکے گا؟ کہ یہ سب جھوٹے، جاہل اور کج رو ہیں۔

مخالفین کی گواہی:

۲۴۔ غیر مقلدین کے مشہور عالم نواب وحید الزمان لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے نورِ محمدی کو پیدا کیا، پھر پانی، پھر پانی کے اوپر عرش کو پیدا کیا، پھر قلم اور دوات، پھر عقل کو پیدا کیا، پس نور محمدی آسمانوں، زمین اور ان میں پائی جانے والی مخلوق کے لیے مادۂ اوّلیہ ہے۔

حاشیہ میں لکھتے ہیں کہ قلم اور عقل کی اولیت اضافی ہے (یعنی یہ دونوں دوسری چیزوں سے پہلے ہیں، یہ نہیں کہ سب سے پہلے ہوں ۱۲ ق ن)

(وحید الزمان، ہدیۃ المہدی (طبع سیالکوٹ) ص:۵۶)

۲۵۔ علماے دیوبند کے حکیم الامت نے حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت بحوالہ امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نقل کی اور اس پر اعتماد کیا۔

(اشرف علی تھانوی، مولوی: نشر الطیب (تاج کمپنی، لاہور) ص:۶)

۲۶۔ غیر مقلدین اور دیوبندیوں کے امام شاہ محمد اماعیل دہلوی لکھتے ہیں:

چنانکہ روایت "اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ نُوْرِیْ" برآں دلالت می دارد۔ جیسے کہ روایت "اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ نُوْرِیْ" اس پر دلالت کرتی ہے۔ (محمد اسمٰعیل دہلوی: ایک روزہ (طبع ملتان) ص:۱۱)

۲۷۔ فتاوٰی رشیدیہ میں ہے:

سوال: "اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ نُوْرِیْ" اور لَوْلَاكَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاكَ یہ دونوں حدیثیں صحیح ہیں یا وضعی؟

جواب: یہ حدیثیں صحاح میں موجود نہیں، مگر شیخ عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ نے "اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ نُوْرِیْ" کو نقل کیا ہے کہ اس کی کچھ اصل ہے۔

(رشید احمد گنگوہی، مولوی: فتاوٰی رشیدیہ، مبوب (محمد سعید، کراچی) ص:۱۵۷)

اس سے پہلے مدارج النبوۃ کی عبارت گزر چکی ہے جس میں شیخ محقق نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے، جب کہ گنگوہی صاحب کہہ رہے ہیں کہ شیخ کے نزدیک اس کی کچھ اصل ہے۔۔۔۔۔فیا للعجب

تطبیق احادیث:

اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے کس چیز کو پیدا کیا؟ اس سلسلے میں مختلف روایات ملتی ہیں، مثلاً نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نور، عقل یا قلم۔ آیئے ذرا دیکھیں کہ ائمہ محدثین اور اربابِ مشاہدہ نے ان روایات میں کس طرح تطبیق دی ہے؟

۲۸۔　حضرت شیخ سید عبدالقادر جیلانی حنبلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جن کا نام ابن تیمیہ بھی احترام سے لیتے ہیں، فرماتے ہیں:

اللہ عزوجل نے فرمایا: میں نے محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی روح کو اپنے جمال کے نور سے پیدا کیا، جیسے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے میری روح کو پیدا فرمایا اور سب سے پہلے میرے نور کو پیدا فرمایا، سب سے پہلے قلم پیدا کیا، ان سب سے مراد ایک ہی چیز ہے اور وہ ہے حقیقت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام، اس حقیقت کو نور اس لیے کہا کہ وہ جلالی ظلمات سے پاک ہے، جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّ كِتٰبٌ مُّبِيْنٌ"

عقل اس لیے کہا کہ وہ کلیات کا ادراک کرنے والی ہے، قلم اس لیے کہا کہ وہ علم کے نقل کرنے کا سبب ہے۔

(عبدالقادر جیلانی، سید غوث اعظم: سرالاسرار فی مایحتاج الیہ الابرار طبع لاہور، ص: ۱۲۔ ۱۴)

۲۹۔　عمدۃ القاری میں مختلف روایات نقل کیں کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے قلم کو پیدا کیا، ایک روایت میں ہے کہ نور و ظلمت کو پیدا کیا اور ایک روایت میں ہے نورِ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو پیدا کیا۔ اس کے بعد فرماتے ہیں:

ان روایات میں تطبیق یہ ہے کہ اوّلیت اضافی امر ہے، اور جس چیز کے بارے میں کہا گیا ہے کہ وہ اوّل ہے، تو وہ مابعد کے لحاظ سے ہے۔

(محمود ابن احمد عینی، بدرالدین: (م ۸۵۵ھ) عمدۃ القاری، طبع بیروت، ج: ۱۵، ص: ۱۰۹)

۳۰۔ محدّث جلیل حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مختلف روایات نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

معلوم ہو گیا کہ مطلقاً سب سے پہلی شے نورِ محمدی ہے، پھر پانی، پھر عرش، اس کے بعد قلم، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ماسوا سب میں اولیت اضافی ہے۔

(علی بن سلطان محمد القاری: المورد الروی، ص: ۴۴)

۳۱۔ حضرت ملا علی قاری ''مرقاۃ شرح مشکوٰۃ'' میں فرماتے ہیں:

علامہ ابن حجر نے فرمایا: اوّل مخلوقات کے بارے میں مختلف روایات ہیں اور ان کا حاصل جیسے کہ میں نے شمائل ترمذی کی شرح میں بیان کیا ہے کہ سب سے پہلے وہ نور پیدا کیا گیا، جس سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پیدا کیے گئے، پھر پانی، اس کے بعد عرش۔ (المرقاۃ، طبع ملتان، ج:۱، ص:۱۴۶)

۳۲۔ ایک دوسری جگہ فرماتے ہیں:

اوّل حقیقی نورِ محمدی ہے جیسے میں نے "المورد للمولد" میں بیان کیا ہے۔ (المرقاۃ، ج:۱، ص:۱۶۶)

۳۳۔ مرقاۃ کے صفحہ ۱۹۴ پر فرماتے ہیں:

''ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر پہلے کیا گیا، اس لیے کہ آپ رتبے میں پہلے ہیں یا اس لیے کہ آپ وجود میں پہلے ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے:

"اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ نُوْرِيْ" اور "كُنْتُ نَبِيًّا وَّآدَمُ بَيْنَ الرُّوْحِ وَالْجَسَدِ"

(اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے میرے نور کو پیدا کیا۔ اور میں اس وقت بھی نبی تھا جب آدم علیہ السلام روح اور جسم کے درمیان تھے)

۳۴۔ ایک جگہ مختلف روایات میں تطبیق کا دوسرا طریقہ اختیار کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

اوّلیت امورِ اضافیہ میں سے ہے، لہٰذا تاویل یہ کی جائے گی کہ امورِ مذکورہ (قلم، عقل، نوری، روحی اور عرش) میں سے ہر ایک اپنی جنس کے افراد میں سے پہلے ہے، پس قلم دوسرے قلموں سے پہلے پیدا کیا گیا اور حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نور تمام نوروں سے پہلے پیدا کیا گیا۔ (المرقاۃ، ج:۱، ص:۱۶۷)

۳۵۔ یہی امام جلیل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

رہا نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نور، تو وہ مشرق و مغرب میں انتہائی ظاہر ہے اور سب سے پہلے

اللہ تعالیٰ نے آپ ہی کا نور پیدا کیا، اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں آپ کا نام نور رکھا، اور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دُعا میں ہے: اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنِیْ نُوْرًا۔ اے اللہ! مجھے نور بنادے (اس کے بعد چند آیات مبارکہ نقل کی ہیں) لیکن اس نور کا ظہور اہلِ بصیرت کی آنکھ میں ہے، کیوں کہ (صرف) آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں، لیکن سینوں میں دل اندھے ہوجاتے ہیں۔ (موضوعات کبیر، مجتبائی دہلی، ص:۸۶)

اس کے بعد یہی کہا جاسکتا ہے کہ جن لوگوں کی بصیرت کی آنکھیں اندھی ہوچکی ہیں، ان کی طرف ہمارا روئے سخن ہی نہیں ہے۔

۳۶۔ علامہ نجم الدین رازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (م ۶۵۴ھ)۔۔۔احادیث نقل کرنے کے بعد مختلف روایات میں تطبیق دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

قلم، عقل اور روح تینوں سے مراد ایک ہی ہے، اور وہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی روح ہے

(نجم الدین رازی، علامہ: مرصاد العباد، طبع ایران، ص:۳۰)

۳۷۔ حضرت امام ربانی، مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

حقیقت محمدیہ علیہ افضل الصلوات واکمل التسلیمات ظہورِ اوّل ہے، اور بایں معنی حقیقۃ الحقائق ہے کہ تمام حقائق خواہ وہ انبیائے کرام کی ہوں یا ملائکہ کی، اس حقیقت کے لیے سائے کی حیثیت رکھتی ہیں اور حقیقتِ محمدیہ تمام حقیقتوں کی اصل ہے، نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰہُ نُوْرِیْ (سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے میرا نور پیدا کیا) اور یہ بھی فرمایا: خُلِقْتُ مِنْ نُّوْرِ اللّٰہِ وَالْمُؤْمِنُوْنَ مِنْ نُوْرِیْ (میں اللہ تعالیٰ کے نور سے پیدا کیا گیا اور مومن میرے نور سے) لہذا آپ اللہ تعالیٰ اور تمام حقیقتوں کے درمیان واسطہ ہیں، کسی بھی شخص کا آپ کے واسطے کے بغیر مطلوب تک پہونچنا محال ہے۔ (ترجمہ)

(امام احمد سرہندی، امام ربانی شیخ مکتوبات فارسی (مکتبہ سعیدیہ، لاہور) حصہ نہم، وسوم، ص: ۱۵۳)

۳۸۔ عارف باللہ، علامہ عبدالوہاب شعرانی (م ۹۷۳ھ) فرماتے ہیں:

اگر تو یہ کہے کہ حدیث میں وارد ہے کہ سب سے پہلے میرا نور پیدا کیا گیا، اور ایک روایت میں ہے، اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے عقل کو پیدا کیا، ان میں تطبیق کیا ہے؟ جواب یہ ہے کہ ان دونوں سے مراد ایک ہے، کیوں کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کی حقیقت کو کبھی عقلِ اوّل سے تعبیر کیا جاتا ہے اور کبھی نور سے۔

(عبدالوہاب شعرانی، امام: م ۹۷۳ھ (الیواقیت والجواہر، مصر) ج:۲، ص:۲۰)

۳۹۔ حضرت شیخ عبدالکریم جیلی (م ۸۰۵ھ) نے بھی یہی تطبیق دی ہے کہ عقل، قلم اور روح مصطفےٰ ﷺ سے مراد ایک ہی چیز ہے صرف تعبیر کا فرق ہے۔ (جواہر البحار، ج:۴، ص:۲۲۰)

۴۰۔ تاریخ خمیس میں ہے:

محققین کے نزدیک اِن احادیث سے مراد ایک ہی شے ہے، حیثیتوں اور نسبتوں کے اعتبار سے عبارات مختلف ہیں، پھر ''شرح مواقف'' سے بعض ائمہ کا یہ قول نقل کیا ہے:

عقل، قلم اور روحِ مصطفیٰ ﷺ کا مصداق ایک ہی ہے۔

(حسین بن محمد دیار بکری، علامہ: تاریخ خمیس، ج:۱، ص:۱۹)

۴۱۔ امام المناطقہ میر سید زاہد ہروی، ملا جلال کے حواشی کے منہیہ میں فرماتے ہیں:

علم تفصیلی کے چار مرتبے ہیں، پہلے مرتبے کو اصطلاحِ شریعت میں قلم، نور اور عقل کہتے ہیں، صوفیا اُسے عقلِ کل اور حکما عقول کہتے ہیں۔

(میر سید زاہد ہروی: حاشیہ ملا جلال (مطبع یوسفی، لکھنؤ) ص:۹۶)

۴۲۔ ڈاکٹر اقبال صاحب فرماتے ہیں:

لوَح بھی تو، قلم بھی تو، تیرا وجود الکتاب
گنبد آبگینہ رنگ، تیرے محیط میں حباب

(کلیات اقبال اردو (شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور) ص:۴۰۵)

اگر زحمت نہ ہو تو ایک مرتبہ پھر ان حوالہ جات پر طائرانہ نظر ڈال لیجیے اور پوری دیانت داری سے بتائیے کہ کیا کوئی صاحبِ علم، ہوش وحواس کی سلامتی کے ساتھ ان حوالوں کو یہ کہہ کر رد کرسکتا ہے کہ یہ حضرات جاہل اور گمراہ تھے، اگر اب بھی کوئی شخص یہ کہنے پر مصر ہے، تو اسے پہلی فرصت میں اپنا دماغی معائنہ کرانا چاہیے۔

دوسرا اعتراض:

احسان الٰہی ظہیر نے لکھا ہے:

یہ کس نے کہا ہے؟ کہ امت کا کسی حدیث کو قبول کر لینا اسے اس درجہ تک پہونچا دیتا ہے کہ اس کی

سند کی طرف نظر ہی نہیں کی جائے گی۔(۱)

جواب:

آیئے آپ کو دکھائیں کہ علماے امت کے کسی حدیث کو قبول کرنے کا کیا مقام ہے؟

(۱) عمدۃ المحققین حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں کہ امام بخاری اور مسلم کی روایت کردہ حدیث، خبر واحد ہونے کے باوجود یقین کا فائدہ دیتی ہے، کیوں کہ اس میں صحت کے کئی قرائن پائے گئے ہیں ،ان میں سے ایک قرینہ یہ ہے کہ علماے امت نے ان کی کتابوں کو قبول کیا ہے،اس گفتگو کے بعد علامہ ابن حجر مکی فرماتے ہیں:

"وَهٰذَا التَّلَقِّيْ وَحْدَهٗ اَقْوٰى فِيْ اِفَادَةِ الْعِلْمِ مِنْ مُّجَرَّدِ كَثْرَةِ الطُّرُقِ الْقَاصِرَةِ عَنِ التَّوَاتُرِ"(۲)

یقین کے لیے تواتر سے کم درجہ کثرتِ طرق کے مقابلے میں علماے امت کا قبول کرنا زیادہ مفید ہے۔

غور فرمایا آپ نے ؟ مطلب یہ ہے کہ کسی حدیث کی سندوں کی کثرت (جب کہ تواتر سے کم ہو) اس قدر مفید یقین نہیں، جس قدر علمائے امت کا کسی حدیث کو قبول کر لینا مفید یقین ہے۔

(۲) حضرت علی مرتضیٰ اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے ایک شخص نماز کو حاضر ہو اور امام ایک حال میں ہو تو مقتدی اسی حال کو اختیار کرے۔

امام ترمذی نے فرمایا: یہ حدیث غریب ہے ہمیں معلوم نہیں کہ کسی نے اس حدیث کو کسی دوسری سند سے روایت کیا ہو، اس کے باوجود امام ترمذی نے فرمایا:

"وَالْعَمَلُ عَلٰى هٰذَا عِنْدَ اَهْلِ الْعِلْمِ"

اہل علم کے نزدیک اس پر عمل ہے۔

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا: اس حدیث کی سند ضعیف ہے۔

(۱)۔ احسان الٰہی ظہیر: البریلویۃ، ص: ۱۰۳)

(۲)۔ احمد بن حجر عسقلانی، امام: نزہۃ النظر فی توضیح نخبۃ الفکر (طبع، ملتان) ص: ۲۴۔۲۵

حضرت علامہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

فَكَانَ التِّرْمِذِيَّ يُرِيْدُ تَقْوِيَةَ الْحَدِيْثِ بِعَمَلِ اَهْلِ الْعِلْمِ۔(۱)

گویا امام ترمذی اہلِ علم کے عمل کے ذریعے اس حدیث کو تقویت دینا چاہتے ہیں۔

حضرت سیدنا جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت کے بارے میں ہم چند حوالے اس سے پہلے پیش کر چکے ہیں، تو کوئی وجہ نہیں کہ اس حدیث کو یک لخت رد کر دیا جائے اور اس کے بیان کرنے کو ناجائز اور گناہ قرار دیا جائے۔

ہفت روزہ الاعتصام کے مدیر حافظ صلاح الدین یوسف کا ناروا انداز ملاحظہ ہو، لکھتے ہیں:

صاحب المواہب علامہ قسطلانی (متوفی ۹۲۳ھ) نویں دسویں صدی ہجری کے بزرگ ہیں، ان کے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے درمیان نوسو سال کا طویل فاصلہ ہے، جب تک درمیان کی یہ کڑیاں مستند سلسلہ سے نہ جوڑی جائیں گی، اس وقت تک موصوف کی بے سند نقل کردہ روایات پایہ اعتبار سے ساقط سمجھی جائیں گی، اس اعتبار سے سوال میں مذکور روایت بالکل بے اصل ہے، اس کو بیان کرنا بہت بڑا گناہ ہے۔(۲)

امام قسطلانی نے یہ حدیث مصنف عبدالرزاق کے حوالے سے بیان کی ہے، صرف انہوں نے ہی نہیں، بلکہ بہت سے جلیل القدر محدثین اور اصحابِ کشف بزرگان دین نے بھی ان سے روایت کیا ہے، تفصیل اس سے پہلے گزر چکی ہے، اتنے جلیل القدر ائمہ کرام کو بہت بڑے گناہ کا مرتکب قرار دینا، جیسے الاعتصام کے مدیر نے کیا ہے، خود گناہ کے زمرے میں آتا ہے۔

حیرت ہے کہ مصنف عبدالرزاق کو تو معتمد کتاب تسلیم کیا جاتا ہے یہ حدیث تب مقبول ہوگی، جب تم اپنی پوری سند بیان کر دو گے، یہ ایسے ہی ہے جیسے آج کوئی شخص بخاری شریف کے حوالے سے حدیث بیان کرے اور اسے کہا جائے کہ تمہارے اور امام بخاری کے درمیان صدیوں کا فاصلہ حائل ہے، تمہارا حوالہ اُس وقت تک قابلِ قبول نہیں، جب تک تم اپنی سند امام بخاری تک بیان نہ کرو بلکہ بقول صلاح الدین یوسف چودہ سوسالہ درمیانی کڑیاں ملانا پڑیں گی اور ظاہر ہے یہ مطالبہ قابل قبول نہیں ہے۔

---

(۱)۔ علی بن سلطان محمد القاری، علامہ: مرقاۃ المفاتیح (امدادیہ)، ملتان) ۳۔۹۸)

(۲)۔ صلاح الدین یوسف، حافظ: ہفت روزہ الاعتصام، ۲۳، مارچ ۱۹۹۰ء ص:۸

تیسرا اعتراض:

احسان الٰہی ظہیر، امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ کے بارے میں لکھتے ہیں:

انہوں نے اپنے رسالہ ''صلاۃ الصفا'' میں ایک موضوع اور باطل روایت درج کی ہے اور اس کی نسبت کہا ہے کہ حافظ عبدالرزاق نے اسے مصنف میں بیان کیا ہے، حالاں کہ وہ روایت مصنف میں نہیں ہے۔(۱)

اس سے پہلے متعدد حوالوں سے بیان کیا جا چکا ہے کہ اس حدیث کو عالم اسلام کے جلیل القدر علمائے محدثین، اور ارباب کشف وشہود نے بیان کیا ہے، اور اس سے استدلال کیا ہے، اس کے باوجود اس حدیث کو موضوع اور باطل قرار دینا قطعاً غلط ہے، رہا یہ سوال کہ اس حدیث کے سلسلے میں عبدالرزاق کا حوالہ دیا جاتا ہے، مصنف عبدالرزاق چھپ چکی ہے، اور اس میں یہ حدیث نہیں ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ یہ سوال اس وقت صحیح ہوتا، جب کہ ناشرین کو مکمل نسخہ دستیاب ہوا ہوتا، وہ تو خود تسلیم کر رہے ہیں کہ ہمیں مکمل نسخہ کہیں سے نہیں مل سکا اس کتاب کے مرتب اور ناشر نے کتاب الطھارۃ کی ابتدا میں یہ نوٹ دیا ہے۔

اس جلیل دفتر (مصنف) کی طباعت اور تیاری کے سلسلے میں جو نسخوں پر ہمیں آگاہی ہوئی ہے یا ہم نے مخطوطے یا فوٹو کاپی کی صورت میں حاصل کیے ہیں، ان کی تفصیل آپ مقدمہ میں پائیں گے انشاء اللہ! وہ سب ناقص ہیں، ہاں آستانہ (ترکی) کے کتب خانہ میں ملا مراد کا نسخہ کامل ہے، لیکن اس کی ابتدا میں طویل نقص ہے اور اصلی کی پانچویں جلد بھی ابتدا سے ناقص ہے۔(۲)

اب یہ فیصلہ تو ناظرین ہی کریں گے کہ جن لوگوں کے پاس مصنف کا مکمل نسخہ ہی موجود نہیں ہے، ان کا یہ کہنا کس طرح قابلِ قبول ہوسکتا ہے؟ کہ چوں کہ یہ حدیث مصنف میں موجود نہیں ہے، اس لیے موضوع ہے، جب کہ دوسری طرف تاریخِ اسلام کے نامور اور مستند علماء اسے مصنف کے حوالے سے بیان کر رہے ہیں، بدیہی بات ہے کہ ان کا بیان ہی قبول کیا جائے گا۔

امام علامہ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں:

---

(۱)۔　احسان الٰہی ظہیر:　البریلویۃ (عربی) ص:۱۰۲

(۲)۔　حبیب الرحمٰن اعظمی:　مصنف عبدالرزاق (طبع، بیروت) ۱۔۳)

جس شخص کو علم اور لوگوں کی روایت کے ساتھ تھوڑا سا تعلق بھی ہے، وہ اس امر میں شک نہیں کرے گا کہ اگر امام مالک اسے بالمشافہہ کوئی خبر دیں، تو وہ یقین کر لے گا کہ امام نے سچی خبر دی ہے۔(۱)

یہی بات ہم بھی کہتے ہیں کہ علم و دیانت سے تعلق رکھنے والا ہر شخص باور کرے گا کہ عالم اسلام کی نامور شخصیات، جن کے حوالے اس سے پہلے گزر چکے ہیں، اگر بالمشافہہ اسے بیان کریں کہ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث امام عبدالرزاق نے مصنف میں بیان کی ہے، تو وہ اس بیان میں یقیناً سچے ہوں گے۔

چوتھا اعتراض:

غیر مقلدین کے ایک امام مولوی محمد داؤد غزنوی نے حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت پر اعتراض کیا ہے۔

لیکن یہ کہنا کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، اللہ سبحانہ وتعالیٰ، کے ذاتی طور سے پیدا ہوئے، نہ صرف یہ کہ جہالت ہے، بلکہ صریح کفر ہے، اس لیے کہ اس کا معنی یہ ہوگا کہ ذاتِ الٰہی کا نور، مادہ ہوا، آپ کی پیدائش کا گویا آپ ذاتِ الٰہی کے جز ہیں۔ العیاذ باللہ اور یہ عقلاً و شرعاً غلط ہے۔۔۔ نیز اگر اللہ سبحانہ وتعالیٰ وتقدس نے اپنے نور کا ایک حصہ الگ کر کے آپ کے وجود کو تیار کیا، تو معاذ اللہ! معاذ اللہ! اللہ جل شانہ کے ذاتی نور کا ایک جز و کم ہو گیا۔(۲)

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت کردہ حدیث میں ہے:

"نُوْرَ نَبِيِّكَ مِنْ نُوْرِهٖ" غزنوی صاحب نے سمجھا کہ لفظ مِنْ تبعیضیہ ہے لہذا یہ معنی کشید کیا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نور کا ایک حصہ الگ کر کے آپ کے وجود کو تیار کیا، اور یہ خیال نہ کیا کہ لفظ مِنْ کئی دوسرے معنوں کے لیے بھی آتا ہے۔۔۔ درس نظامی کی ابتدائی کتاب "مائۃ عامل" میں وہ معانی دیکھے جا سکتے ہیں۔۔۔ اس جگہ لفظ مِنْ ابتدائیہ اتصالیہ ہے، جس کا مفاد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نور سے کسی چیز کے واسطے کے بغیر آپ کا نور پیدا کیا، اور اس میں کوئی قباحت نہیں ہے۔

ارشادِ ربانی ہے:

---

(۱)۔ احمد ابن حجر عسقلانی، امام: شرح نخبۃ الفکر (طبع، ملتان) ص:۲۷

(۲)۔ محمود داود غزنوی: ہفت روزہ الاعتصام، لاہور (۲۳۔ مارچ، ۱۹۹۰ء) ص:۱۱

"وَكَلِمَتُه اَلْقٰهَا اِلٰى مَرْيَمَ وَرُوْحٌ مِّنْهُ"(النساء،۴۔۱۷۱)

علامہ سید محمود آلوسی، اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

کلمہ مِنْ مجازاً ابتداءِ غایت کے لیے ہے، تبعیضیہ نہیں ہے، جیسے کہ عیسائیوں نے گمان کیا، کہتے ہیں کہ ہارون الرشید کے دربار کا ایک ماہر طبیب عیسائی تھا، اُس نے ایک دن علامہ علی بن حسین واقدی مروزی سے مناظرہ کیا اور کہا کہ تمہاری کتاب (قرآن پاک) میں ایک آیت ہے، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام، اللہ تعالیٰ کا جز ہیں اور یہی آیت پیش کی (وَرُوْحٌ مِّنْهُ)

علامہ واقدی نے یہ آیت پیش کی:

"وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مِّنْهُ"

(اور تمہارے لیے وہ سب چیزیں مسخر کیں جو آسمانوں اور جو زمین میں ہیں، سب اس کی طرف سے ہیں)

کہنے لگے کہ تمہاری بات مان لی جائے تو لازم آئے گا کہ سب چیزیں اللہ تعالیٰ کی جز ہوں، عیسائی لاجواب ہو گیا اور اسلام لے آیا۔ ہارون الرشید بہت خوش ہوا اور واقدی کو گراں قدر انعام سے نوازا۔(۱)

عیسائی طبیب کی سمجھ میں بات آ گئی اور وہ اسلام لے آیا، اب دیکھیے منکرین اور معترضین کی عقل میں یہ بات آتی ہے اور وہ تسلیم کرتے ہیں یا اپنے انکار پر ہی ڈٹے رہتے ہیں۔۔۔۔۔؟ دیدہ باید!

علامہ زرقانی فرماتے ہیں: مِنْ نُوْرٍ هُوَ ذَاتُهُ لَا بِمَعْنٰى اَنَّهَا مَادَّةٌ خُلِقَ نُوْرُه مِنْهَا بَلْ بِمَعْنٰى تَعَلُّقِ الْاِرَادَةِ بِهٖ بِلَا وَاسِطَةِ شَيْءٍ فِيْ وُجُوْدِهٖ۔ (۲)

یعنی اس نور سے پیدا کیا جو ذاتِ باری تعالیٰ کا عین ہے، یہ مطلب نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات مادہ ہے، جس سے نبی اکرم ﷺ کا نور پیدا کیا گیا، بلکہ آپ کے نور کے ساتھ کسی چیز کے واسطے کے بغیر اللہ تعالیٰ کے ارادے کا تعلق ہوا۔

اس وضاحت کے بعد غزنوی صاحب کے دونوں اعتراض اٹھ جاتے ہیں۔

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ فرماتے ہیں:

---

(۱)۔ محمود آلوسی، علامہ سید: روح المعانی (طبع، ایران) ۶۔۲۳

(۲)۔ محمد بن عبدالباقی زرقانی، امام: شرح مواہب لدنیہ، ۱۔۵۵

حَاشَ لِلّٰہ! یہ کسی مسلمان کا عقیدہ کیا گمان بھی نہیں ہوسکتا کہ نورِ رسالت یا کوئی چیز معاذ اللہ! ذاتِ الٰہی کا جُز یا عین و نفس ہے، ایسا عقیدہ ضرور کفر و ارتداد ہے۔(۱)

پانچواں اعتراض:

احسان الٰہی ظہیر لکھتے ہیں:

قرآن وحدیث کی نصوص سے نبی اکرم ﷺ کی بشریت ثابت ہے اور یہ حدیث اپنے ظاہر کے اعتبار سے ان نصوص کے مخالف ہے۔

واقع بھی اس حدیث کے خلاف ہے ،آپ کے والدین تھے ،حلیمہ سعدیہ نے آپ کو دودھ پلایا، آپ نے امہات المومنین سے نکاح کیا، آپ کی اولاد تھی ،آپ کے رشتے دار اور سسرال والے تھے۔(۲)(ترجمہ ملخصًا)

یہ عبث گفتگو اس مفروضے پر مبنی ہے کہ اہل سنت وجماعت (بریلویوں) کے نزدیک حضور نبی اکرم ﷺ صرف نور ہیں اور بشر نہیں ہیں، حالاں کہ ہمارا یہ عقیدہ ہرگز نہیں ہے، جیسے کہ اس سے پہلے بیان ہوا۔

چھٹا اعتراض:

پرتگال کے ایک صاحب نے اول مخلوق کے بارے میں وارد احادیث کے درمیان تطبیق دینے پر اعتراض کرتے ہوئے کہا ہے کہ: صحیح حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے پانی کو پیدا کیا، حدیث نور ثابت ہی نہیں ہے، تو تطبیق کی کیا ضرورت اور گنجائش ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ تطبیق ہم نے نہیں دی، ہم تو ناقل ہیں، پوچھنا ہو تو سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی ،شیخ عبدالکریم جیلی ،علامہ عبدالوہاب شعرانی ،علامہ حسین بن محمد دیار بکری ،علامہ بدرالدین محمود عینی اور حضرت ملا علی قاری رحمہم اللہ تعالیٰ سے پوچھیے۔جنہوں نے تطبیق دی ہے اور اول مخلوق حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نور کو قرار دیا ہے، ان کے نزدیک حدیث نور ثابت نہ ہوتی، تو تطبیق ہی کیوں دیتے؟ حوالے اس سے پہلے دیئے جاچکے ہیں۔

---

(۱)۔　احمد رضا بریلوی، اعلیٰ حضرت امام:　مجموعہ رسائل (نور وسایہ) طبع، لاہور، ص:۳۶

(۲)۔　احسان الٰہی ظہیر:　البریلویۃ (عربی) ص:۱۰۳

پرتگال کے اسی علامہ کا خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے پانی پیدا کیا، اس دعوے پر بطور دلیل یہ آیت پیش کی:

وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ

اور ہم نے ہر زندہ چیز کو پانی سے پیدا کیا۔

ان کے خیال میں حدیثِ نور اس آیت کے خلاف ہے اور تطبیق کی ضرورت نہیں کیوں کہ حدیثِ نور ثابت ہی نہیں ہے۔

اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ آیتِ مبارکہ میں مطلق موجودات کا ذکر نہیں کیا گیا، بلکہ اجسام اور خصوصًا حیوانات کا ذکر ہے۔

علامہ سید محمود آلوسی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

یعنی ہم نے پانی سے ہر حیوان کو پیدا کیا، یعنی ہر اس چیز کو جو حیاتِ حقیقیہ سے متصف ہے، یہ تفسیر کلبی اور مفسرین کی ایک جماعت سے منقول ہے، اس کی تائید اس آیت کریمہ سے ہوتی ہے۔

وَاللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَآبَّةٍ مِنْ مَّآءٍ۔

اللہ تعالیٰ نے ہر چوپائے کو پانی سے پیدا کیا۔(۱)

ظاہر ہے کہ آیت وحدیث میں مخالفت ہی نہیں ہے، آیتِ مبارکہ میں حیوانات کو پانی سے پیدا کیے جانے کا ذکر ہے اور حدیث نور میں کسی حیوان اور جسم کا ذکر نہیں ہے، بلکہ ایک مجرد کا ذکر ہے جو تمام اجسام، بلکہ تمام انوار سے پہلے پیدا کیا گیا اور وہ تھا نورِ مصطفیٰ (حضور نبی اکرم) ﷺ

لطیفہ:

احسان الٰہی ظہیر کہتے ہیں کہ ایک بریلوی نے اُردو میں یہ شعر کہا ہے:

وہی جو مستویٔ عرش تھا خدا ہو کر — اتر پڑا ہے مدینے میں مصطفیٰ ہو کر (۱)

اللہ اکبر! اجلہ علمائے اسلام کی ایک جماعت نے مصنف عبدالرزاق کے حوالے سے عظمتِ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ظاہر کرنے والی ایک حدیث بیان کی، تو اسے یہ لوگ بے سند کہہ کر رد کر دیتے ہیں

(۱)۔ محمود آلوسی، علامہ سید: روح المعانی (طبع، ایران) ۱۷۔ ۳۴

اوراس طرح انکار حدیث کا دروازہ کھولتے ہیں، دوسری طرف خود یہ شعر نقل کر دیا اور یہ تک نہ سوچا کہ ہم کس منہ سے یہ شعر بریلویوں کے سر تھوپ رہے ہیں، نہ کوئی حوالے نہ کوئی سند، ہمارے نزدیک یہ شعر اپنے ظاہری معنی کے اعتبار سے غلط ہے۔

بے سایہ وسایہ بانِ عالم:

سایہ کثیف اجسام کا ہوتا ہے، لطیف اشیاء مثلا ہوا، اور فرشتوں کا سایہ نہیں ہوتا، حضور نبی اکرم ﷺ نور مجسم ہیں، اس لیے آپ کے جسم اقدس کا سایہ نہ تھا، امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ نے حدیث شریف اور ائمہ متقدمین کے ارشادات کی روشنی میں یہ مسئلہ بیان کیا، ظاہر ہے کہ جس شخص کا دل نورِ ایمان سے روشن ہوگا، وہ اپنے آقا ومولا رحمۃ للعالمین، محبوب رب العالمین ﷺ کے کمالاتِ عالیہ اور فضائل سن کر جھوم جائے گا۔ اور ''آمنّا وصدّقنا'' کہے گا، مخالف یہ کہہ کر دامن نہیں چھڑا سکے گا کہ یہ تو بریلویوں کے خرافات ہیں، کیوں کہ اس باب میں جن اکابر کے نام آتے ہیں ان پر بریلویت کی چھاپ نہیں لگائی جاسکتی یہ تو وہ بزرگ ہیں جو صدیوں پہلے گزر چکے ہیں، آپ بھی ملاحظہ فرمائیں۔

۱۔ سیدنا عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے سایہ نہ تھا اور نہ کھڑے ہوئے آفتاب کے سامنے مگر یہ کہ ان کا نور عالم افروز خورشید کی روشنی پر غالب آ گیا اور نہ قیام فرمایا، چراغ کی ضیاء میں، مگر یہ کہ حضور کے تابش نور نے اس چمک کو دبالیا۔ (۲)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ارشادِ مبارک سے ثابت ہوا کہ حضور نبی اکرم ﷺ صرف معنوی نور ہی نہیں ہیں، حسّی نور بھی ہیں۔

۲۔ امام نسفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ''تفسیر مدارک'' میں فرماتے ہیں:

امیر المومنین حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور ﷺ سے عرض کیا: بے شک اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم ﷺ کا سایہ زمین پر نہ ڈالا کہ کوئی شخص اس پر پاؤں نہ رکھ دے۔ (۱)

---

(۱)۔ احسان الٰہی ظہیر: البریلویۃ، ص:۱۰۵

(۲)۔ عبدالرحمٰن ابن جوزی، امام: کتاب الوفا (مکتبہ نوریہ رضویہ، فیصل آباد) ۲۔۴۰۷

۳۔ امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ''خصائص کبریٰ'' میں ایک باب کا عنوان قائم کیا ہے:

بَابُ الْآيَةِ فِيْ أَنَّهٗ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَكُنْ يُرَى لَهٗ ظِلٌّ۔

نبی اکرم ﷺ کا یہ معجزہ کہ آپ کا سایہ نہیں دیکھا جاتا تھا، اس باب میں حکیم ترمذی کے حوالے حضرت ذکوان کی روایت لائے ہیں کہ سرورِ دوعالم ﷺ کا سایہ نظر نہ آتا تھا، نہ دھوپ میں نہ چاندنی میں۔ (ترجمہ)

اس کے بعد محدث ابن سبع کا یہ ارشاد لائے ہیں:

حضور نبی اکرم ﷺ کے خواص میں سے ہے کہ آپ کا سایہ زمین پر نہ پڑتا تھا اور آپ نور ہیں، اس لیے جب دھوپ یا چاندنی میں چلتے، آپ کا سایہ نظر نہ آتا تھا، بعض علما نے کہا اس کی شاہد وہ حدیث ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے اپنی دعا میں عرض کیا کہ مجھے نور بنادے۔ (۲)

۴۔ علامہ سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنی دوسری تصنیف "انموذج اللبیب فی خصائص الحبیب" میں فرماتے ہیں:

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا سایہ زمین پر نہ پڑا، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا سایہ نظر نہیں آیا نہ دھوپ میں نہ چاندنی میں۔۔۔ ابن سبع نے فرمایا: اس لیے کہ حضور نور ہیں۔۔۔ امام رزین نے فرمایا کہ حضور کے انوار سب پر غالب ہیں۔ (۳)

۵۔ امام علامہ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے معجزات میں سے وہ بات ہے جو بیان کی گئی کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جسم انور کا سایہ نہ دھوپ میں ہوتا نہ چاندنی میں، اس لیے کہ حضور نور ہیں۔ (۱)

۶۔ علامہ شہاب الدین خفاجی نے ''شرح شفاء'' میں کسی قدر گفتگو کے بعد اپنی ایک رباعی بیان کی، جس ترجمہ یہ ہے:

---

(۱)۔ عبداللہ بن احمد نسفی، امام: تفسیر مدارک (طبع، بیروت) ۳۔۱۳۵

(۲)۔ عبدالرحمٰن بن ابوبکر سیوطی، امام: خصائص کبریٰ (مکتبہ نوریہ رضویہ، فیصل آباد) ۱۔۶۸)

(۳)۔ ایضًا: انموذج اللبیب (الکتاب، لاہور) ص: ۵۳)

احمد مصطفیٰ ﷺ کے سائے کا دامن ،حضور کی فضیلت وکرامت کی بناء پر زمین پر نہ کھینچا گیا ،جیسے کہ محدثین کرام نے کہا ہے، یہ عجیب بات ہے اوراس سے عجیب تر یہ کہ تمام لوگ آپ کے سائے میں ہیں۔

نیز فرمایا:

قرآن پاک کا بیان ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نور ہیں اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا بشر ہونا، اس کے منافی نہیں ہے، جیسے کہ وہم کیا گیا ہے، اگر تو سمجھے تو وہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم "نور علی نور" ہیں۔(۲)

۷۔ علامہ قسطلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ:

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا دھوپ اور چاندنی میں سایہ نہ تھا، اسے حکیم ترمذی نے ذکوان سے روایت کیا، پھر ابن سبع کا حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نور سے استدلال اور حدیث "اِجْعَلْنِیْ نُوْرًا" سے استشہاد کیا۔(۳)

۸۔ اسی طرح ''سیرتِ شامیہ'' میں ہے، اس میں یہ اضافہ ہے کہ امام حکیم ترمذی نے فرمایا اس میں حکمت یہ تھی کہ کوئی کافر سایہ اقدس پر پاؤں نہ رکھے۔(۴)

۹۔ امام زرقانی نے اس پر تفصیلاً گفتگو کی ہے۔(۵)

۱۰۔ امام علامہ بوصیری کے ''قصیدہ ہمزیہ'' کی شرح میں علامہ سلیمان جمل نے یہی بیان کیا۔(۶)

۱۱۔ اسی طرح ''کتاب الخمیس فی احوال انفس نفیس'' میں ہے۔(۱)

۱۲۔ امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ فرماتے ہیں:

عالمِ شہادت میں کسی بھی شخص کا سایہ اُس سے لطیف ہوتا ہے اور چوں کہ پورے جہان میں آپ

---

(۱)۔ قاضی عیاض بن موسیٰ اندلسی، امام: الشفاء (عربی، طبع ملتان) ۱۔۲۴۳

(۲)۔ احمد شہاب الدین خفاجی، علامہ: نسیم الریاض (مکتبہ سلفیہ، مدینہ منورہ) ۳۔۲۸۲

(۳)۔ احمد بن محمد قسطلانی، علامہ: مواہب لدنیہ (مع زرقانی) ۴۔۲۵۳

(۴)۔ محمد بن یوسف شامی، علامہ: سبل الہدیٰ والرشاد (طبع مصر) ۲۔۱۲۳

(۵)۔ محمد بن عبدالباقی زرقانی، علامہ: شرح مواہب لدنیہ، ۴۔۲۳۵

(۶)۔ سلیمان جمل، علامہ: فتوحات احمدیہ شرح ہمزیہ (المکتبۃ التجاریہ الکبریٰ، مصر) ص:۵

سے زیادہ لطیف کوئی نہیں ہے، تو آپ کا سایہ کس طرح ہوسکتا ہے؟۔(۲)

۱۳۔　شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہ العزیز نے حکیم ترمذی کی روایت نقل کرنے کے بعد فرمایا:

حضور نبی اکرم ﷺ کے ناموں میں سے ایک نام نور ہے، اور نور کا سایہ نہیں ہوتا۔(۳)

۱۴۔　علامہ عبدالرؤف مناوی (م ۱۰۰۳ھ) نے امام ابن مبارک اور ابن جوزی کے حوالے سے سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث نقل کی ہے۔(۴)

۱۵۔　تفسیر عزیزی میں سورۃ الضحیٰ کی تفسیر میں ہے:

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا سایہ زمین پر نہیں پڑتا تھا۔(۵)

احسان الٰہی ظہیر نے لکھا ہے:

انہوں (مولانا احمد رضا) نے اپنے اماموں سے نقل کیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا سایہ زمین پر نہ پڑتا تھا اور یہ کہ آپ نور تھے۔(۶)

اہل سنت و جماعت! مبارک ہو کہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے لے کر امام ربانی مجدد الف ثانی اور شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی تک جن حضرات نے سرکارِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سائے کی نفی کی ہے، وہ سب ہمارے امام ہیں، غیر مقلدین کے نہیں، اگر اُن کے امام ہوتے تو یہ کیوں کہا جاتا کہ ''انہوں نے اپنے اماموں سے نقل کیا ہے'' آیئے سرسری نظر سے جائزہ لیں کہ ظہیر صاحب نے کن کن حضرات کو امام ماننے سے انکار کیا ہے۔

---

(۱)۔　حسین بن محمد دیار بکری، علامہ:　تاریخ الخمیس مؤسسۃ الشعبان، بیروت)۱۔۲۱۹

(۲)۔　(الف) احمد سرہندی، مجدد الف ثانی:　مکتوبات امام ربانی، فارسی حصہ نہم دفتر سوم (طبع، لاہور) ص: ۱۵۳

(ب)　ایضا:　ایضا:

(۳)۔　عبدالحق محدث دہلوی، شیخ محقق:　مدارج النبوۃ فارسی (مکتبہ نوریہ رضویہ، سکھر)۱۔۲۱

(۴)۔　عبدالرؤف مناوی، علامہ:　شرح شمائل ترمذی (مصطفی البابی، مصر)۱۔۴۷

(۵)۔　عبدالعزیز محدث دہلوی، شاہ:　تفسیر عزیزی، فارسی (مسلم بک ڈپو دہلی) ص: ۳۱۲

(۶)۔　احسان الٰہی ظہیر:　البریلویۃ (عربی) ص: ۱۰۵

(۱) حضرت ابن عباس (۲) حضرت عثمان غنی (۳) امام جلال الدین سیوطی (۴) امام نسفی، صاحب مدارک (۵) امام قاضی عیاض (۶) علامہ شہاب الدین خفاجی (۷) جلیل القدر تابعی، حضرت ذکوان (۸) امام ابن سبع (۹) حکیم امام ترمذی (۱۰) علامہ بن یوسف شامی (۱۱) امام احمد بن قسطلانی (۱۲) امام زرقانی (۱۳) علامہ سلیمان جمل (۱۴) علامہ حسین بن محمد دیار بکری (۱۵) امام ربانی مجدد الف ثانی (۱۶) شیخ عبد الحق محدث دہلوی (۱۷) امام عبدالرؤف مناوی (۱۸) شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم۔

استدراک

حضرت مولانا علامہ صاحبزادہ محمد محب اللہ نوری دامت برکاتہم شیخ الحدیث ومہتمم دارالعلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور نے اس طرف توجہ مبذول کروائی ہے کہ مصنَّف کے بازیافت ہونے والے حصّے کی پہلی حدیث میں ہے کہ حضرت سائب بن یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ایک درخت پیدا فرمایا جس کی چار شاخیں تھیں، اس درخت کا نام ''شجرۃ الیقین'' (یقین کا درخت'' رکھا پھر نور مصطفی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو پیدا کیا، اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ یقین کا درخت پہلے تھا، جب کہ ہمارا ظنی عقیدہ یہ ہے نورِ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سب سے پہلے پیدا کیا گیا۔

اس سلسلے میں گزارش ہے:

(۱)۔ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت کردہ ''حدیث نور'' رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرمان ہے، اس لیے اسے ترجیح ہے جب کہ مصنَّف کی پہلی حدیث ایک صحابی کا قول ہے اور حدیث موقوف ہے مرفوع نہیں ہے۔

(۲)۔ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت اولیت کے بیان میں نص ہے کیوں کہ اس میں سوال ہی یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے کون سی چیز پیدا فرمائی؟ اور جواب بھی اسی بات کا بالقصد دیا گیا اس لیے اسے ترجیح ہے، جب کہ یہ حدیث بیان تخلیق نور میں تو نص ہے، لیکن اولیت کے بیان میں نص نہیں ہے، بلکہ ظاہر ہے اور ظاہر کے مقابل نص کو ترجیح ہوتی ہے۔

(۳)۔ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت کردہ ''حدیث نور'' کو علمائے امت کی طرف سے عظیم تلقی بالقبول حاصل ہے، جب کہ حضرت سائب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث کو وہ تلقی بالقبول

حاصل نہیں۔

بعض لوگوں کے بارے میں سنا گیا ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ مصنَّف کے مخطوطے کا رسم الخط ہندوستانی ہے، لہذا یہ نہیں ہوسکتا کہ یہ بغداد شریف میں لکھا گیا ہو''میں نہ مانوں'' کا تو افلاطون اور بقراط کے پاس بھی علاج نہیں تھا، کیا اعتراض کرنے والوں کو یہ معلوم نہیں کہ ہندوستان کے بے شمار اہلِ علم نے حرمین شریفین جا کر بڑے بڑے علمی کام کیے ہیں بغداد شریف میں کسی کتاب کے لکھے جانے کے لیے کیا ضروری ہے کہ وہ بغداد شریف ہی کا رہنے والا ہو۔

محمد عبدالحکیم شرف قادری ۱۳ رصفر ۱۴۲۷ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے، وہ جسے چاہتا ہے عزت بخشتا ہے اور جسے چاہتا ہے ذلت ورسوائی کا شکار بنا دیتا ہے، ہر بھلائی اس کے قبضۂ قدرت میں ہے اور وہ ہر (ممکن) شے پر قادر ہے، صلاۃ وسلام نازل ہو عدنان کے اولاد کے سردار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر جن کو اللہ تعالیٰ نے خوش خبری دینے والا، ڈرسنانے والا، اللہ تعالیٰ کی طرف اس کے حکم سے بلانے والا اور چمکانے والا آفتاب بنا کر بھیجا، آپ کی نورانی اور مبارک آل، آپ کے صحابہ کرام اور تابعین (رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین) پر۔

امابعد!

آج سے تقریباً ایک سال پہلے میں نے امام عبدالرزاق صنعانی کی کتاب ''مصنَّف'' کے گم شدہ حصے پر تحقیق کی تھی اور اسے طبع کیا تھا، میں نے شعبۂ حدیث میں اعلیٰ تعلیم ''ام القری یونیورسٹی'' (سعودی عرب) وغیرہ میں حاصل کی، اس دوران میں نے یہ حصہ چھپنے کے لیے دے دیا، مجھے امید تھی کہ محققین اس کام پر نظر ڈالیں گے اور اپنی رائے کا اظہار کریں گے، کیوں کہ علم، اصحاب علم کے درمیان ایک رشتہ ہے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى (الآیۃ) نیکی اور پرہیز گاری کے کام میں ایک دوسرے سے تعاون کرو اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: (الدِّیْنُ النَّصِیْحَۃُ) دین خیر خواہی کا نام ہے۔

اس لیے مجھے امید تھی اور آئندہ بھی رہے گی کہ اصحاب علم اسلامی اخلاق کے دائرے کی وسعت کے مطابق نیکی، پرہیز گاری اور خیر خواہی کے اظہار میں تعاون کریں گے، مگر انتہا پسندوں کی ایک جماعت

نے مختلف رویئے کا اظہار کیا اور وہ ہماری نظر میں دو قسم کے ہیں:

(۱)۔ وہ انتہا پسند جو وسائل رزق حاصل کرنے اور ملازمت میں مصروف ہیں۔

(۲)۔ اصلی انتہا پسند۔

دونوں قسم کے افراد نے وہ راستہ اختیار کیا جو صحیح علمی تنقید، اسلام کی وسعت، اخلاق کی آسانی اور مسلمانوں کے بارے میں حسن ظن سے کام لینے سے بعید تھا، انہوں نے ہماری اور ہمارے دوستوں کی مختلف طریقوں سے مذمت کی، یہاں تک کہ اپنی خواہشات کو پورا کرنے اور دلوں کی بھڑاس نکالنے کے لیے ہم پر بڑی بڑی اور بری بری تہمتیں لگانے سے دریغ نہیں کیا، ہم اپنے لیے اور ان کے لیے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا گو ہیں کہ عافیت اور راہ راست پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

انہوں نے ایک طرف تو کینے اور دشمنی کا راستہ اختیار کیا اور دوسری طرف خیانت اور بہتان کا انداز اپنایا، جب کہ ہمیں ان میں سے کوئی طریقہ بھی خوف زدہ نہیں کر سکتا، ہم جس بات کو صحیح سمجھتے ہیں اسی کی تائید میں کوشاں ہیں، خواہ کوئی راضی ہو یا ناراض، قافلہ ان شاء اللہ تعالیٰ چلتا رہے گا اور اچھا انجام پرہیز گاروں کے لیے ہے۔

میں نے یہ کلمات اس لیے لکھے ہیں تا کہ حقائق منکشف ہو جائیں، سچے اور جھوٹے کا فرق ظاہر ہو جائے اور قارئین کرام پر واضح ہو جائے کہ وثوق اور اطمینان والا کون ہے اور راہ فرار اختیار کرنے والا کون ہے؟ اس تحریر سے میرا مقصد انتہا پسند حاسد یا خیانت پسند شخص سے ٹکر لینا نہیں ہے، میرا مقصد تو یہ ہے کہ (اللہ اور رسول کے) سچے محبین کے دلوں کو قوت حاصل ہو، تا کہ ان پر اڑایا جانے والا غبار اثر انداز نہ ہو، اور بے وقعت تحریرات ان کے لیے اشتباہ کا باعث نہ ہوں، کیوں کہ میں جانتا ہوں کہ مخالف تو کبھی مطمئن نہیں ہوگا اور اپنی غلط روش سے باز نہیں آئے گا، اپنی خواہش نفس کے علاوہ کسی بات کو تسلیم نہیں کرے گا، دوسرے کی پکار کو نہیں سنے گا اگر چہ وہ روز روشن سے زیادہ واضح ہو، ہاں! جس پر اللہ تعالیٰ رحم فرمائے وہ خیر پر اتفاق کرے گا۔

اب میں اپنے محبت شعار بھائیوں سے مخاطب ہوتا ہوں اور اپنی بہت سی مصروفیات کی وجہ سے تاخیر پر معذرت خواہ ہوں۔

میں کہتا ہوں اور اللہ تعالیٰ ہی توفیق دینے والا ہے۔

حدیث شریف کی کتابوں کا مطالعہ کرنے والے حضرات بخوبی جانتے ہیں کہ امام عبدالرزاق صنعانی کی تصنیف ''مصنَّف'' نامکمل چھپی تھی، کچھ حصہ اس کی ابتدا سے غائب اور کچھ درمیان سے، اس حقیقت کا اعتراف اس کے پہلے محقق شیخ حبیب الرحمٰن اعظمی نے بھی کیا تھا اور میں نے اس کا تذکرہ اپنی تحقیق میں کیا تھا، میں نے یہ حصہ مصر، مغرب، یمن اور ترکی کے کتب خانوں میں تلاش کیا جہاں جہاں اس کے ملنے کا گمان ہوسکتا تھا اور علمی و تحقیقی مراکز کے فوٹو اسٹیٹ کے شعبوں میں بھی تلاش کیا، بڑی محنت اور مشقت کے بعد مجھے ''مصنَّف عبدالرزاق'' کی دو (قلمی) جلدیں دست یاب ہوئیں، پہلی جلد میں مجھے ''مصنَّف'' کا وہ حصہ مل گیا جو گم شدہ تھا اور میں نے تحقیق میں بیان کیا ہے کہ وہ مخطوطہ ماوراء النہر کے شہروں سے آیا تھا، وہ نسخہ ایک سال میرے پاس رہا، میں نے اسے مخطوطات کے ماہرین کے سامنے پیش کیا تو انہیں نے اسے درست قرار دیا اور کہا کہ یہ تحقیق کے لائق ہے، میں نے اپنی رائے ''مصنَّف'' کے تحقیق شدہ حصے کے مقدمے میں بیان کردی ہے۔

اسی مقصد کے لیے میں مدینہ منورہ حاضر ہوا اور ''مکتبہ عارف حکمت حسینی'' میں کام کرنے والے بعض ماہرینِ مخطوطات سے ملا، انہوں نے مجھے بتایا کہ آپ کے پاس جو مخطوطہ ہے اس کے مشابہ دسویں صدی ہجری کے خطوط موجود ہیں اور انہوں نے مجھے متعدد مخطوطے دکھائے، تب مجھے خوشی حاصل ہوئی۔

پھر جن شہروں سے یہ مخطوطہ ہمارے پاس آیا ہے وہاں کے ثقہ علماء، فضلاء اور باخبر لوگوں سے میں نے مخطوطے کے کاغذ کی نوعیت کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ یہ کاغذ کم از کم تین سو سال پہلے ناپید ہو چکا ہے، انہوں نے مجھے یہ بھی بتایا کہ میرے پاس جو مخطوطہ ہے وہ ایک قدیم اصل سے نقل کیا گیا ہے، میں نے اس اصل تک پہونچنے اور حاصل کرنے کی کوشش کی بصورت دیگر اس کی فوٹو کاپی ہی مل جائے تو مجھے معلوم ہوا کہ وہ اصل مخطوطہ ان جنگوں میں ضائع ہوگیا جو کچھ عرصہ قبل افغانستان کے شہروں میں لڑی گئی ہیں، تب میں نے مخطوطات کے ماہرین سے دوبارہ سوال کیا تو انہوں نے بیک زبان یہ جواب دیا کہ یہ مخطوطہ اپنے سلسلے میں نایاب موتی ہے اور دیانت و امانت کا تقاضا ہے کہ اسے شائع کردیا جائے۔

مذکورہ بالا آراء، مشورے اور استخارے کے بعد میں نے درج ذیل علمی اصولوں کو سامنے رکھتے ہوئے مخطوطے کی تحقیق کا فیصلہ کیا۔

(۱)۔ مختلف نسخوں کو جمع کیا جائے ،ان کے درمیان مقابلہ کیا جائے ، یہ بھی ملحوظ کیا جائے کہ تاریخی اعتبار سے مصنّف کے قریب کون سانسخہ ہے؟ اصل نسخے پر اعتماد کیا جائے اور اس کی نشان دہی کی جائے ، پھر اس کا باقی نسخوں کے ساتھ مقابلہ کیا جائے ، کیوں کہ بعض اوقات معتمد نسخے میں نقص واقع ہوجاتا ہے، جسے دوسرے نسخوں کے ساتھ مقابلے سے دور کیا جاسکتا ہے۔

(۲)۔ مؤلف کے خط کی تحقیق کی جائے۔

(۳)۔ اس نسخے کی تحقیق کی جائے جو مؤلف کے زمانے میں لکھا گیا ہو اور اس کے سامنے پڑھا گیا ہو۔

(۴)۔ نسخے کے سماعات ہوں یعنی مختلف علماء کی تحریریں ہوں کہ ہم نے یہ کتاب فلاں عالم سے سنی۔

(۵)۔ مخطوطہ مؤلف کے زمانے کے قریب لکھا گیا ہو۔

(۶)۔ مخطوطے میں مقابلے کے آثار ہوں مثلاً کہیں دائرہ یا نقطہ لگا ہوا ہو۔

لیکن ان شرائط کا پایا جانا حتمی اور لازمی نہیں ہے، جب یہ شرائط نہ ہوں اور اس مخطوطے کی حاجت ہو تو جو نسخہ موجود ہو اسی پر اکتفا کیا جائے گا کیوں کہ جو چیز مکمل دستیاب نہ ہو اسے بالکل چھوڑ بھی نہیں دیا جاتا، یہ بطور تنزل ہے تاکہ جس چیز کی حاجت ہے اس کا تیار ہو جائے جیسے کہ حدیث ضعیف کا حال ہے جو کسی باب میں ایک ہی ہو اور اس کے بعد وہ کوئی حدیث نہ پائی جائے تب اسی پر عمل کیا جائے گا اور دوسرے کو اس پر عمل کا پابند نہیں کیا جاسکتا اور یہ احتیاط بہر حال کی جائے گی کہ شریعت مطہرہ کے مقاصد کی مخالفت لازم نہ آئے۔

بہت سی کتابیں ایسی ہیں جو صرف ایک ہی اصل (نسخے) کی بنیاد پر چھاپ دی گئیں اور ان پر کسی کا سماع بھی درج نہیں تھا بلکہ اگر میں یہ کہہ دوں تو حقیقت سے بعید نہیں ہوگا کہ سنت مبارکہ وغیرہ کی بہت ساری کتابیں جو چودہویں صدی کی ابتدا اور اس کے درمیان ''مطبعہ امیریہ،مصر'' میں شائع کی گئیں ان کے اصل نسخے معروف نہیں ہیں۔

میں اس میدان میں اناڑی نہیں ہوں ، میں نے تحقیق میں علمی اصولوں کی پیروی کی ہے۔ بلکہ اس میدان میں میرے بہت سے تحقیقی اور تنقیدی کام ہیں اور میں ایک عرصہ سے اس میں مصروف رہا ہوں اور میرے علمی کاموں میں تحقیق نمایاں طور پر دکھائی دیتی ہے، میں نے ایم ۔اے کا مقالہ لکھتے وقت

علامہ محبّ الدین طبری کی کتاب ''الریاض النضرۃ'' کے اس حصے میں تحقیق کی تھی جس کا تعلق حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ تھا، میں نے ڈاکٹریٹ کے مقالے میں حافظ سخاوی کی کتاب ''استجلاء ارتقاء الغرف بحب اقرباء الرسول ﷺ ذوی الشرف'' کی تحقیق کی تھی، اس کے علاوہ متعدد کتب اور مضبوط علمی مقالات ہیں جن پر اکابر علماء نے مقدمے لکھے ہیں۔ "الباب النقول فی طھارۃ العطور الممزوجۃ بالکحول" جسے مجمع الفقہ الاسلامیۃ سے توثیق حاصل ہوئی اور "کتاب التامل فی حقیقۃ التوسل" اور "کتب العقیدۃ" اور متعدد مقالات اور تالیفات۔

''مصنَّف'' کی جزء مفقود پر میں نے جو کام کیا اور اس پر برادرم ڈاکٹر محمود سعید ممدوح نے مقدمہ لکھا، مقدمہ صرف اس کام پر تھا ایک ایک بات اور ایک ایک رائے پر نہیں تھا اس کام کے اشاعت کرنے کے تقریباً دو ماہ بعد اچانک مجھے مخالفین کا سامنا کرنا پڑا، انٹرنیٹ کی ویب سائٹ اس کتاب کے بارے میں اعتراضات اور تنقید سے بھری ہوئی تھی، اس کے علاوہ اتنی گالیاں دی گئ تھیں جن سے ایک پوری کتاب تیار کی جاسکتی ہے۔

میرے خلاف اور مقدمہ لکھنے والے ڈاکٹر محمود سعید ممدوح کے خلاف باطل دعووں کا ایک انبار تھا، میں نے ان سب باتوں سے درگزر کیا اور اسے اللہ تعالیٰ کے سپرد کردیا تاہم میں نے معترضین کے دو اعتراضوں کا جواب دیا ہے جن کا تعلق علم سے ہے، اللہ تعالیٰ کی عنایت سے ان کا جواب دوں گا۔

(۱)۔ معترض نے یہ گمان کیا ہے کہ یہ نسخہ جعلی ہے۔

(۲)۔ اس نے دعوی کیا ہے کہ اس حصہ کی سندیں مرکب خود تیار کی گئ ہیں۔ قارئین کرام! جہاں تک پہلے اعتراض کا تعلق ہے یہ نسخہ جعلی ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ معترض حق وانصاف سے بہت دور چلا گیا ہے، چناں چہ اس نے مجھ پر اور محدث محمود سعید ممدوح پر جھوٹا اور غلط الزام لگایا کہ مصنَّف عبدالرزاق کا یہ حصہ ہم نے خود تیار کیا ہے، پھر جب اسے معلوم ہوا کہ میں جلد بازی میں فاش غلطی کا ارتکاب کر بیٹھا ہوں تو اس نے اس دعوے سے رجوع کرلیا اور خود اپنے فیصلے کے خلاف فیصلہ دے دیا اور اپنے قول کو باطل قرار دے دیا، کیوں کہ یہ قول واضح طور پر باطل ہے یہاں تک کہ نوآموز قسم کے لوگ بھی اسے باطل قرار دیں گے۔ اس کی درج ذیل چند وجہیں ہیں:

(۱)۔ مخطوطہ ہمارے پاس ماوراء النہر کے شہروں سے آیا، اس میں ہمارا کوئی دخل نہیں ہے، یہ تو

ایسے ہی ہے کہ کسی محقق کو کوئی مخطوطہ مل جاتا ہے، وہ اس پر حواشی اور مقدمہ وغیرہ لکھ کر چھپنے کے لیے دے دیتا ہے۔ مخطوطہ میرے پاس موجود ہے اور وہ یقینی طور پر میری پیدائش سے پہلے کا لکھا ہوا ہے۔

(۲)۔ چلیے ہم تھوڑی دیر کے لیے مان لیتے ہیں کہ مصنَّف کا یہ حصّہ جعلی ہے لیکن کیا موضوعات کا روایت کرنے والا وضّاع (جعل ساز) بن جاتا ہے، اب میں ائمہ حفاظ مسند بلکہ معلق اور موضوع احادیث بغیر کسی تنبیہ کے روایت کرتے رہے ہیں، صرف سند یا اس کی تعلیق کے ظاہر کرنے پر اکتفا کرتے رہے ہیں، متاخرین حفّاظ حدیث مثلاً ابونعیم اصبہانی، ابوبکر خطیب بغدادی، بلکہ ان سے پہلے جیسے ابن عدی، عقیلی اور سہمی وغیرہ کی کتب بہت سی منکر، واہی اور موضوع احادیث پر مشتمل ہیں، جیسے کہ بہت سے رسائل ایسے ہیں جن کی علمی محافل میں تحقیق کی گئی پھر بعد میں منکشف ہوا کہ ان کی نسبت ان کے مؤلفین کی طرف صحیح نہیں ہے، کیا ہم نے کبھی سنا کہ کسی محقق کا وہ مقالہ جس میں کوئی موضوع حدیث ذکر کی گئی ہو کینسل کر دیا گیا پھر اس محقق پر اور اس نگران اور اس کی یونیورسٹی پر جھوٹ اور جعل سازی کی تہمت لگائی ہو کیسی حیران کن بات ہے۔

امام عبداللہ ابن امام احمد کی طرف منسوب ''کتاب السنۃ'' پر ام القریٰ یونیورسٹی سے ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی گئی حالاں کہ اس کی نسبت امام عبداللہ کی طرف صحیح نہیں، اسی طرح عبدالعزیز کنانی کی طرف منسوب ''کتاب الحیدہ'' پر جامعہ اسلامیہ میں تحقیق کی گئی، امام دارقطنی کی ''کتاب الرویۃ'' اور امام احمد بن حنبل کی ''کتاب اثبات الحرف والصوف'' جامعہ اسلامیہ (مدینہ منورہ) میں تحقیق کی گئی، اسی سلسلہ کی کڑی ہیں وہ کتب، رسائل اور روایات جو امام احمد بن حنبل وغیرہ کی طرف منسوب ہیں۔

(۳)۔ اس جگہ یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ کسی کتاب کے چھاپ دینے اور شائع کر دینے اور اس کی روایت میں فرق واضح ہے، ثقہ اور حافظ حضرات کا یہ عام سا معمول ہے کہ وہ موضوعات، واہی اور منکر حدیثیں بیان کرتے ہوئے سند کے بیان پر اکتفا کرتے جاتے ہیں تاہم بہتر اور اولیٰ یہی ہے کہ معرفت اور علم رکھنے والے شخص کو چاہیے کہ وہ (موضوع، واہی اور منکر وغیرہ کی) وضاحت کر دے۔

جہاں تک کسی کتاب کی تحقیق کا تعلق ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اس کی روایت کی جا رہی ہے اور نہ ہی یہ مطلب ہے کہ اس کی روایت کی اجازت دی جا رہی ہے، سب نہیں تو اکثر ناشر و محقق ایسے نہیں ہوتے جو اسانید کے حوالے سے متون پر حکم لگا سکیں اور اس سلسلہ میں غور و فکر کریں۔

میں نے دیکھا ہے کہ بعض معترضین نے مجھ پر اعتراض کرنے میں جلد بازی سے کام لیا ہے، اللہ تعالیٰ کی امداد اور مشیت سے میں ان کو مسکت جواب دوں گا۔

دوسرا امر معترض نے دعویٰ کیا ہے کہ اس نسخہ کی سندیں خود تیار کی گئی ہیں، اس نے اپنے دعوے پر پندرہ دلائل پیش کیے ہیں، جن کا خلاصہ درج ذیل ہے۔

(۱)۔ اس کا گمان یہ ہے کہ یہ نسخہ جعلی ہے، کیوں کہ اس کا خط دسویں صدی کے خطوط میں سے نہیں ہے، بلکہ ان خطوط کی جنس سے ہے جو پچھلی صدی میں پتھر پر کندہ کاری میں استعمال ہوتے تھے۔

(۲)۔ اس کا گمان ہے کہ کلمہ (طاؤس) اور کلمہ (الملائکۃ) دسویں صدی کے خطوط میں سے نہیں ہے۔

(۳)۔ اس کا کہنا ہے کہ اس نسخہ کی سند نہیں ہے، اس پر سماعت بھی تحریر نہیں ہے: یعنی (یہ لکھا ہوا نہیں ہے کہ میں نے یہ نسخہ فلاں سے سنا، فلاں نے فلاں سے سنا) نیز ہجری تاریخ کے لکھنے کی عادت بھی خلافت عثمانیہ کے آخر میں پائی گئی (جب کہ اس نسخہ پر تاریخ لکھی ہوئی ہے)

(۴)۔ اسے یہ اعتراض ہے کہ یہ نسخہ (باب فی تخلیق نور محمد ﷺ) سے شروع ہوتا ہے حالاں کہ مصنف عبدالرزاق احکام کی کتاب ہے، اسے کتاب الطہارۃ سے شروع ہونا چاہیے تھا۔

(۵)۔ اسے یہ اعتراض ہے کہ میں نے مصنف عبدالرزاق کے لیے اپنی سند اس لیے بیان کی ہے تاکہ میں قارئین کو اس وہم میں ڈال دوں کہ یہ کتاب جو ہمارے سامنے ہے اس کی سند متصل ہے۔

(۶)۔ اسے یہ اعتراض ہے کہ عبدالرزاق نے اس نسخے میں جو حدیث بیان کی ہے اس کے الفاظ اور معانی کمزور ہیں اور اس کا یہ اعتراض ظاہر البطلان ہے۔

(۷)۔ معترض نے کہا ہے کہ اس نسخے کی احادیث عجمی اور دور آخر کی تراکیب پر مشتمل ہیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ متن بھی خود تیار کیے گئے ہیں، اس دعوے پر اس نے نو وجوہ سے استدلال کیا ہے۔

پہلی وجہ:۔ حدیث نمبر ۷ میں آیا ہے (وَانور ہم لوناً) اور حدیث نمبر ۹ میں ہے (كَانَ اَحْلَى النَّاسِ وَاَجْمَلَهُمْ مِنْ بَعِيْدٍ)

دوسری وجہ:۔ حدیث نمبر ۱۰ میں ہے (كان البراء يكثر من قول اللهم صل على محمد وعلى آله بحر انوارك ومعدن اسرارك) معترض کا کہنا ہے کہ یہ خالص صوفیانہ ترکیب ہے اور دلائل

الخیرات سے لی گئ ہے۔

تیسری وجہ:۔ حدیث نمبر ۱۱ اور ۱۲ میں ہے (اللھم صل علی سیدنا محمد السابق للخلق نورہ) اس پر یہ اعتراض کیا کہ سیدنا کا پہلے دور میں استعمال نہیں ہوتا تھا۔

چوتھی وجہ:۔ حدیث نمبر ۱۳ کے بارے میں کہا کہ یہ صوفیانہ ترکیب ہے اور دلائل الخیرات سے لی گئی ہے۔

پانچویں وجہ:۔ حدیث نمبر ۱۴ اور ۱۵ کے حاشیہ میں راقم نے لکھا تھا کہ ابن ابی زائدہ، یحییٰ ابن زکریا ہے، اس پر معترض نے اعتراض کیا کہ یہ صحیح نہیں ہے، کیوں کہ معمر جس محدث سے روایت کرتے ہیں وہ یحییٰ کے والد زکریا ہیں، پھر جناب معترض حدیث نمبر ۱۶ پر تنقید کرتے ہوئے مجھ پر بری طرح برسے ہیں، میں اس سے صرف نظر کرتا ہوں۔

چھٹی وجہ:۔ معترض کا کہنا ہے کہ معمر نے ابن جریج سے روایت نہیں کی جیسے کہ حدیث نمبر ۱۰ میں ہے۔

ساتویں وجہ:۔ معترض کا کہنا ہے کہ معمر کی روایت سالم سے اور ان کی روایت ابو ہریرہ سے دو مختلف ترکیبیں ہیں۔

آٹھویں وجہ:۔ حدیث نمبر ۳۶ پر اعتراض کیا ہے کہ لیث معمر کے اساتذہ میں سے نہیں ہیں۔

نویں وجہ:۔ حدیث نمبر ۲۰ پر اعتراض کیا ہے کہ زہری کی ربیع سے ملاقات نہیں ہے، دوسرا اعتراض یہ کیا کہ حدیث میں حفّاظ حدیث کو تو متابعت کا پتہ نہیں چل سکا، لیکن محقق (ڈاکٹر عیسیٰ مانع) اور شیخ محمود سعید ممدوح کو پتہ چل گیا۔

(۸)۔ معترض نے یہ دعوٰی کیا ہے کہ اس کتاب میں کئی حدیثیں مصنف ابن ابی شیبہ سے نقل کر دی گئ ہیں۔

(۹)۔ معترض نے یہ دعوٰی کیا کہ کتاب میں کئی سندیں ایسی جعلی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ جعل ساز علم حدیث سے دور ہے۔

(۱۰)۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث (حدیث نور) کے بارے میں کہا کہ یہ موضوع ہے۔

(۱۱)۔ معترض کا کہنا ہے کہ یہ قرآن پاک کے معارض ہے۔

(۱۲)۔ معترض نے حدیث (عرق الخیل) کا حوالہ دے کر کہا ہے کہ میں منکر حدیثیں روایت کرتا ہوں۔

(۱۳)۔ معترض نے میرے احادیث کی تخریج کرنے پر طعن کیا ہے اور اس نے کہا ہے کہ مصنَّف کی جزء محقق کا شائع کرنا ڈنمارک کے خاکوں سے ملتا جلتا معاملہ ہے۔

(۱۴)۔ معترض نے ادیب کمدانی کی گواہی پیش کی ہے اور اسے مخطوطے کے جعلی ہونے کی دلیل بنایا ہے۔

(۱۵)۔ معترض نے میرے اس دعوے کو غلط قرار دیا ہے کہ مخطوطے کا نقل کرنے والا بڑا محتاط ہے۔

(۱۶)۔ حضراتِ سادات غماریہ نے عارف باللہ سیدی محی الدین ابن عربی حاتمی قدس سرہ کی توثیق کی ہے، معترض نے ان پر بھی اعتراض کیا ہے۔

یہ سولہ اعتراضات ہیں جو مخالفین نے مصنَّف کی جزءِ مفقود پر کیے ہیں اور میں اللہ تعالیٰ کی امداد سے ان کے جواب دوں گا تاہم سب وشتم یا کردار کشی سے گریز کروں گا کیوں کہ یہ علماء تو کیا عام مسلمان کے اوصاف میں سے بھی نہیں ہے۔

اب ان اعتراضات کے جوابات ملاحظہ فرمائیں:

(۱)۔ معترض نے اعتراض کیا ہے کہ یہ مخطوطہ جعلی ہے کیوں کہ اس کا خط دسویں صدی کے خطوط کی جنس سے نہیں ہے بلکہ اس کا خط گزشتہ صدی میں ہندوستان میں ہونے والی پتھروں پر کندہ کاری کے خطوط سے ہے۔

جواب: برادر عزیز! یہ مخطوطہ اس اصل سے نقل کیا گیا ہے جو دسویں صدی میں لکھا گیا تھا تاہم اس کا خط دسویں صدی میں لکھے گئے بعض خطوط کے ساتھ مشابہت رکھتا ہے، ہم نے ایسے مخطوطے دیکھے ہیں اور ان کی فوٹو کاپی ہم نے مقدمۂ تحقیق میں لگائی ہے۔

معترض صاحب لکھتے ہیں:

دسویں صدی کے خط نسخ اور خط ثُلُث ہمارے آج کے خطوط سے مختلف نہیں ہیں، پس (ڈاکٹر عیسیٰ مانع حمیری کو اس بات پر کیوں اصرار ہے کہ مخطوطے کا خط صرف دسویں صدی کا ہے؟

معترض صاحب نے یہ بات لکھ کر اپنی ہی بنیاد گرادی ہے کیوں کہ انہوں نے لکھا ہے کہ ''دسویں

صدی کے خط نسخ اور ثلث ہمارے آج کے خط نسخ اور خط ثلث سے مختلف نہیں ہیں' یہ لکھ کر انہوں نے تصریح کر دی ہے کہ ہوسکتا ہے یہ مخطوطہ دسویں صدی کا لکھا ہوا ہو اور واقعی اس کا احتمال ہے۔

یہ نسخہ قادریوں، نقشبندیوں یا ان کے علاوہ کسی کے پاس سے آیا ہے تو یہ اس کے موضوع اور جعلی ہونے کی علامت نہیں ہے، کتنے ہی مخطوطے ہیں جو ہمارے پاس یورپ، روس اور امریکہ سے آئے ہیں اور ہم نے ان پر اعتماد کیا ہے، کیا ہم محض ظن وتخمین سے کام لیتے ہوئے اس نسخے کو جعلی قرار دیں گے اور ایک مسلمان کی عزت وحرمت کو خاک میں ملانے کی کوشش کریں گے؟!

اگر ہندوستان کے قادری یا دوسری جگہ کے لوگ جعلی نسخہ ہی تیار کرنا چاہتے تو وہ کسی پرانی قلمی کتاب کو لے کر اسے دھوڈالتے اور اس پر پرانے خط کے مشابہ خط میں نئی تحریر لکھ دیتے اور اس پر مختلف سماعات بھی ثبت کر دیتے تو ان کی جعل سازی کو منکشف کرنا بہت مشکل ہوجاتا لیکن وہ اہل محبت اور نیک لوگ ہیں (وہ اس قسم کی حرکت کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتے) مگر مخالفین اپنے آپ کو اور قارئین کو فوری طور پر اس وہم میں مبتلا کرنا چاہتے ہیں کہ ہم ہی حق پر ہیں۔

پھر یہ نسخہ ماوراء النہر کے شہروں سے ہے تو وہ کیوں جعل سازی، جھوٹ اور وضع کا ارتکاب کریں گے؟ تاریخ کے طویل عرصے میں ان کا کردار معلوم ہے۔

نیز! جہاں احتمال پیدا ہوجائے وہاں استدلال ساقط ہوجاتا ہے، اس طرح معترض کی دلیل خود اس کے خلاف چلی جائے گی۔ (جب اس کے نزدیک یہ احتمال مسلّم ہے کہ یہ نسخہ دسویں صدی کا ہوسکتا ہے) رہا معترض کا ادیب کمدانی کے قول کو پیش کرنا تو یہ اسے مفید نہیں ہے کیوں کہ ہم قصوں اور کہانیوں کے درپے نہیں ہیں جو دلائل وبراہین پر نہیں بلکہ اقوال پر مبنی ہوتی ہیں، اب آپ کی مرضی ہے کہ جو راستہ چاہیں اختیار کرلیں کیوں کہ معاملہ بہت اہم ہے۔

(۲)۔ معترض نے دولفظوں (الطاؤس) اور (الملائکۃ) سے استدلال کیا ہے۔ برادر عزیز! اس کا مطلب یہ ہے کہ معترض نے لفظ (الطاؤس) میں تحریف کی ہے، اس نے واو پر ضمہ (پیش) پڑھنے کی بجائے اس پر ہمزہ پڑھا ہے اس سے اگر کچھ ثابت ہوتا ہے تو یہ کہ معترض علم ومعرفت سے عاری ہے، یہاں تک کہ مخطوطہ بھی نہیں پڑھ سکتا، کیوں کہ عداوت اور جہالت نے اس کی آنکھوں پر پٹی باندھ دی ہے، پھر کلمۂ (واؤ) کے لکھنے میں معمول یہ ہے کہ پڑھی تو دو واویں جاتی ہیں جب کہ لکھنے میں ایک آتی

ہےاوراس پر پیش لکھا ہوتا ہے،اسی طرح لفظ (طاؤس) ہے۔

البتہ بعض معروف کتابوں مثلاً ''مسالک الابصار'' میں دوواؤ لکھی گئی ہیں، یہی حال (شؤون) کا ہے۔ بعض حضرات دوواؤ لکھ کر پہلی واو پر ہمزہ لکھ دیتے ہیں، مصری انداز واؤ لکھ کر اس پر ہمزہ لکھ دیا جاتا ہے، اس معاملے میں گنجائش ہے (دیکھیے نمونہ نمبر ۱)

علاوہ ازیں لفظ طاؤس امام حاکم نیشاپوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی کتاب'' معرفۃ علوم الحدیث''ص: ۱۰۴ میں اس طرح لکھا گیا ہے کہ واؤ کے اوپر ہمزہ لکھا ہوا ہے، اس طرح امام سخاوی کی کتاب ''فتح المغیث'' (۱۔۲۱۲) میں بھی اسی طرح لکھا ہوا ہے، کیا امام حاکم پر ایسا اعتراض کیا جا سکتا ہے؟ اور کیا امام سخاوی بھی عجمی تھے؟ یا ان دونوں کتابوں کی تحقیق کرنے والے عجمی تھے؟ کوئی شک نہیں یہ بہتان ہے۔

رہا لفظ ملائکہ تو اسے بھی معترض نے تحریف کر کے نقل کیا ہے، یہ لفظ مصنَّف (جزء مفقود) میں قرآنی رسم الخط کے مطابق ہے، یعنی ہمزہ وصلی موجود ہے، دوسرے لام کے بعد الف حذف کر دیا گیا ہے اور اس کے بعد ہمزہ مکسورہ ہے اور آخر میں تاء ہے۔ (الملئکۃ)

(۳)۔ اس شق میں دو اعتراض مندرج ہیں۔

(الف) اس نسخے کی سند نہیں ہے اور اس پر سماعات بھی نہیں ہیں، حالاں کہ یہ بات معلوم ہے کہ درجنوں اجزاء اور نئی طبع شدہ کتابیں ایسے اصول کی بنیاد پر چھاپی گئی ہیں جن پر سماع کی تحریر نہیں ہے، نہ ان کے لکھنے والے کا تذکرہ معلوم ہے اور نہ ان پر سند لکھی ہوئی ہے، بلکہ وہ صرف ایک اصل کی بنیاد پر چھاپی گئی ہیں، مثلاً ''نوادر الاصول'' از: حکیم ترمذی ''دلائل النبوۃ'' از: ابونعیم اور ''وسیلۃ المتعبدین'' از: ابن ملا وغیرہ (دیکھیے نمونہ نمبر ۲)

(ب)۔ اس نسخے پر ہجری تاریخ لکھی گئی ہے حالاں کہ معمول صرف دولت عثمانیہ کے آخر کا ہے کہ تاریخ ہجری لکھی جاتی تھی اور اس پر ''ہجرت نبویہ'' کا اضافہ ہوتا تھا، میں کہتا ہوں، یہ بھی جہالت ہے اور اس پر اعتراض کا مطلب یہ ہے کہ معترض کے پاس کوئی دلیل نہیں رہی، واقع اس اعتراض کی تکذیب کرتا ہے، آپ مخطوطات کے ایسے نمونے دیکھ لیں جن میں ہجری تاریخ لکھی ہوئی ہے، مثلاً عمری کہتے ہیں: ۶۹۷ ہجرت طاہرہ نبویہ سے، وغیرہ تک اور یہ انداز قدیم ہے جو چھٹی ساتویں، آٹھویں اور نوویں

ہجری میں رائج تھا۔ (دیکھیے نمونہ نمبر ۳)

(۴)۔ معترض نے یہ اعتراض کیا ہے کہ مصنف عبد الرزاق احکام کی کتاب ہے، اسے کتاب الطہارت سے شروع ہونا چاہیے، جب کہ یہ نسخہ جو آپ نے شائع کیا ہے اس کا پہلا باب ہے: "باب فی تخلیق نور محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم"۔

اس اعتراض کے کئی جواب ہیں:

پہلا جواب: ایسا تو واقع ہے، حدیث کی کسی کتاب کا احکام کے ساتھ مخصوص ہونے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اس میں احکام کے علاوہ نہ کوئی باب ہو اور نہ ہی کوئی حدیث ہو، یہ شرط ثابت کرنے کے لیے آپ کو دلیل پیش کرنی چاہیے، آپ نے جو شرط ذکر کی ہے وہ مصنفات کی شرائط میں سے نہیں ہے۔

دیکھیے مصنف ابن ابی شیبہ مثلاً آپ دیکھیں گے کہ اس میں صرف احکام بیان نہیں کیے گئے بلکہ اس میں مغازی ہیں، سیر، مناقب، اوائل، زہد، صفۃ الجنۃ وغیر ذٰلک، مصنف کتاب کی مرضی ہے کہ وہ جس باب سے چاہے اپنی کتاب شروع کرے، اسی طرح اسے تقدیم و تاخیر کا بھی حق پہونچتا ہے۔

دوسرا جواب: معترض نے "کشف الظنون" کی عبارت بطور حوالہ نقل کی ہے، ہر صاحب علم کو معلوم ہے کہ اس کتاب کے مصنفین کتابوں اور ان کے مؤلفین کے نام ذکر کرتے ہیں، وہ یہ تفصیل بیان نہیں کرتے کہ اس کتاب میں کیا کچھ ہے، لہذا ان کا یہ کہنا کہ یہ کتاب "مصنف عبدالرزاق" کتبِ فقہ کے انداز پر مرتب ہے، اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ اس میں دوسرے ابواب نہیں ہیں جیسے کہ ہم نے اس سے بیان کیا، یہ بھی معتبر ہے کہ کتب صحاح اور سنن فقہی ابواب کے طریقے پر مرتب کی گئی ہیں، اس کے باوجود اس میں سے کوئی کتاب کتاب الایمان سے شروع ہو رہی ہے اور کوئی کتاب کتاب العلم وغیرہ سے، یہ وہ حقیقت ہے جو محتاجِ بیان نہیں ہے۔

رہا معترض کا ابن الاشبیلی کی فہرست (ص:۱۲۹) سے حافظ ابوعلی غسانی بروایت ابن اعرابی از دبری مصنف کے ابواب کے نام نقل کرنا تو یہ اس کے لیے مفید نہیں کیوں کہ ابن خیر اشبیلی نے اس کتاب کے ابواب کا تعارف اور ابتدا کا تذکرہ تو کجا؟ کتابوں کا تعارف کروانے کے لیے نہیں لکھی، اس کتاب میں ان کتابوں کا تذکرہ کرنا چاہتے ہیں جو انہوں نے اپنے اساتذہ سے پڑھیں تھیں اور جب انہوں نے ابن اعرابی کی عبارت نقل کی جس کا تذکرہ معترض نے کیا ہے تو انہوں نے کہا:

(منه الطهارة والصلاة والزكاة ومنه العقيقة والاشربة الخ۔۔۔)

پس ان کا یہ کہنا (منہ) یہ ان ابواب کی طرف اشارہ ہے جو انہوں نے اپنے آپ سے حاصل کیے تھے انہوں نے یہ نہیں کہا کہ مصنف نے کتاب کو کتاب الطہارت سے شروع کیا، آپ جس بات کا وثوق کیے بیٹھے ہیں اس کی طرف اس عبارت میں اشارہ بھی ہے، کیوں کہ لفظ (منہ) صرف تبعیض کا فائدہ دیتا ہے۔

(ج)۔ مصنف کے نام سے کتابیں لکھنے والوں نے یہ شرط نہیں لگائی کہ وہ کسی معین کتاب یا معین حدیث سے ابتدا کریں گے جیسے کہ انہوں نے یہ شرط بھی نہیں لگائی کہ وہ فلاں معین احادیث یا معین ابواب نہیں لائیں گے، عظیم محدث، سید محمد جعفر کتانی "الرد المتطرفة" میں ص:۳۹۔۱۴ تک بیان کیا ہے کہ بعض کتب حدیث وہ ہیں جو فقہی ابواب کے انداز پر مرتب کی گئی ہیں۔

وہ سنن ان احادیث پر مشتمل ہیں جو سنن کہ ذیل میں آتی ہیں یا ان کا سنن سے تعلق ہے، ایسی کتاب کو مصنَّف اور بعض کو جامع وغیرہ کہا جاتا ہے۔

علامہ کتانی نے فرمایا (وہ سنن پر مشتمل ہوتی ہیں یا جو سنن کے ذیل میں آتی ہیں یا ان کے ساتھ متعلق ہیں) کیا انہوں نے شمائل نبویہ کو مستثنیٰ قرار دیا ہے یا یہ شرط لگائی ہے کہ مصنَّف کی ابتدا فلاں فلاں معین باب سے ہونی چاہیے؟ نہیں بلکہ انہوں نے اس جملے کو مصنف کے اختیار اور اس کی رغبت کے سپرد کیا ہے۔

یہ ''بقی بن مخلد'' کا مصنف ہے اس میں انہوں نے کثرت سے صحابہ کرام، تابعین کے فتاوٰی بیان کیے ہیں، کیا انہوں نے اپنی کتاب ''التاریخ الکبیر'' کی ابتدا نامی اسم گرامی امام بخاری سے کی ہے، انہوں نے علما کے عام طریقے کی مخالفت کی ہے ''وہ حروف تہجی سے ابتدا کرتے ہیں اور ان میں سب سے پہلے الف ہے، کیا امام بخاری نے خطا کی ہے؟ نہیں وہ صاحب کتاب ہی نہیں صاحب اختیار بھی ہیں، اسی طرح ابن ماجہ کی ابتدا امام ابن ماجہ نے تعظیم سنۃ الرسول ﷺ اور فضائل صحابہ سے کی ہے اسی طرح امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بھی صاحب اختیار ہیں، اس لیے اختیار میں کوئی بخل نہیں ہونا چاہیے۔

(د)۔ کسی چیز پر حکم لگانا اس کے تصور کی فرع ہے، مصنف کی جزء مفقود تو معترض کے نزدیک کالعدم ہے اس لیے وہ اگر عقل مند ہے تو معدوم کے بارے میں کیسے استدلال کر رہا ہے۔

(۵)۔ معترض نے کہا ہے کہ میں نے تحقیق کی ابتدا میں اپنی سند مصنف عبدالرزاق تک ذکر کر کے قارئین کے وہم میں یہ بات ڈالنا چاہی ہے کہ یہ کتاب جو ہمارے سامنے ہے اس کی سند متصل ہے

جواب:

قارئین کرام! یہ اعتراض تحریف کی ایک قسم ہے، ہم نے مکمل مصنّف عبدالرزاق کی سند بیان کی ہے صرف اس جزء مفقود کی نہیں، پھر کسی کتاب کی سند ذکر کرنے کا مقصد یہ بیان کرنا نہیں ہوتا ہے کہ یہ کتاب صحیح ہے یا ضعیف یا موضوع ہے، ایسے اعتراض کی جگہ "اخبار الحمقیٰ والمغفلین"(۱) کی کتابیں ہیں۔

(۶)۔ معترض نے کہا ہے کہ اس حصے میں جو پہلی حدیث ''حدیث نور'' وارد ہوئی ہے الفاظ ومعانی کے اعتبار سے رکیک اور ظاہر البطلان ہے۔

اس سلسلے میں دو باتیں قابل گزارش ہیں۔

پہلی بات یہ ہے کہ کسی باطل یا موضوع حدیث یا اثر کے کسی کتاب میں موجود ہونے کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ وہ کتاب جعلی اور جھوٹ کا پلندہ ہے ورنہ امام طبرانی ''معجم کبیر، صغیر، اوراوسط'' ابونعیم اور دیلمی کی تصانیف سب جعلی اور من گڑھت شمار ہوں گی یہ معاملہ ہر اس شخص پر ظاہر ہے جو دو آنکھیں رکھتا ہے۔

میں نے جو حدیث پر حکم لگایا ہے اس پر معترض کا اعتراض کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ اسے اعتراض کا طریقہ بھی نہیں آتا، کیوں کہ میں نے صرف سند کے صحیح ہونے پر کلام کیا ہے رہا متن تو میں نے اس پر گفتگو ہی نہیں کی اور بہت سے ائمہ مثلاً امام ہیثمی کا ''مجمع الزوائد'' میں یہی طریقہ ہے، اسی طرح دوسرے کئی علما کا طریقہ ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ جزء مفقود جو ہم نے شائع کی ہے اس کی ابتدا میں جو حدیث وارد ہے وہ اثر ہے اور حدیث مرفوع نہیں، جیسے کہ معترض نے دعوٰی کیا ہے اور یہ مسئلہ فضلا وعلما تو رہے اپنی جگہ ابتدائی طالب علم سے بھی مخفی نہیں ہے۔

(۷)۔ معترض نے گمان کیا ہے کہ اس نسخے کی ترکیبیں عجمی اور آخری زمانے سے تعلق رکھنے والی ہیں اور اس کا مطلب یہ ہے کہ احادیث کے یہ متن جعلی ہیں، اس نے اپنے بولے ہوئے نو دلائل پیش کیے ہیں۔

---

(۱)۔ ''احمقوں اور بے وقوفوں کی خبریں'' اس موضوع پر مستقل کتابیں لکھی گئی ہیں۔

قارئین کرام! ان کا جواب ملاحظہ فرمائیں:

پہلی وجہ:

معترض کا کہنا ہے کہ لغت عرب میں (انور ہم لوناً) نہیں آیا، یہ خالص عجمی لفظ ہے مجھے قارئین کرام سے امید ہے کہ وہ لغت کی مشہور اور مستند کتاب ''لسان العرب'' کھول کر لفظ "انور" کی تفصیل دیکھیں گے کہ صاحب ''لسان العرب'' (۵۔۲۴۲) نے اس لفظ کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے کہا ہے۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صفت میں آیا ہے "النور المتجرد" یعنی روشن جسم والے حسین اور روشن رنگ والے کو انور کہا جاتا ہے اور یہ نور سے اسم تفضیل کا صیغہ ہے۔ صاحب ''لسان العرب'' (۴۔۲۳۱) کلمۂ زھر پر گفتگو کرتے ہوئے کہتے ہیں:

مردوں میں سے ازھر اس شخص کو کہتے ہیں جس کا رنگ خوب سفید، روشن اور حسین ہو، یہ بہترین سفیدی ہے اس کی چمک دمک ہوتی ہے اور وہ شخص ستارے اور چراغ کی طرح جگمگاتا ہے، ابن اعرابی کہتے ہیں "النور الابیض" حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا رنگ چمک دار تھا، گچ کی طرح سفید نہیں تھا۔

امام بخاری اپنی صحیح میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث لائے ہیں، (جس کا ترجمہ یہ ہے) رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا قد شریف نہ تو بہت لمبا تھا اور نہ ہی بہت چھوٹا تھا بلکہ درمیانہ تھا (ازھر اللون) آپ کا رنگ چمک دار تھا دیکھیے بخاری شریف (۲۔۱۳۸) اور سیرت ابن کثیر صفحہ ۱۹

رہا معترض کا یہ کہنا کہ یہ کلمہ کتب شمائل میں وارد نہیں ہوا تو اس کا کتب شمائل میں وارد نہ ہونا اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ اس کا وجود ہی نہیں ہے ورنہ ثقہ حضرات کی زیادات نہ پائی جائیں اور کتب غرائب وفرائد بھی اس فن میں نہ پائی جاتیں۔

دوسری وجہ:

معترض نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ اس نسخہ کی سندیں خود تیار کی گئ ہیں، اس پر اس نے حدیث نمبر ۲۸ سے استدلال کیا ہے کہ اس میں عبدالرزاق کہتے ہیں کہ مجھے زہری نے خبر دی، معترض کہتے ہیں کہ یہ جھوٹ ہے اس لیے کہ عبدالرزاق کی زہری سے ملاقات ہی نہیں ہوئی، اسی طرح حدیث نمبر ۲ پیش کی ہے جس میں ابن جریج کہتے ہیں کہ مجھے حضرت براء صحابی نے خبر دی اور یہ جھوٹ ہے کیوں کہ ابن جریج

تبع تابعین میں سے ہیں۔

قارئین کرام! ان دونوں اشکالوں کا جواب ملاحظہ ہو:

پہلا اشکال:

معترض نے کہا کہ عبدالرزاق کا "أَخْبَرَنِيْ زهري" کہنا جھوٹ ہے میں اللہ تعالیٰ کی توفیق سے کہتا ہوں چوں کہ نسخہ ایک ہے اس لیے ایک راوی کے نام کا چھوٹ جانا بعید نہیں ہے، جب معلوم ہے کہ عبدالرزاق ایک واسطے کے ذریعے سے روایت کرتے ہیں تو بغیر کسی شک وشبہہ کے یہ احتمال ہے کہ کاتب سے ایک نام رہ گیا ہے اور (أَخْبَرَنِيْ) کہنے والا عبدالرزاق کا استاذ ہے۔

میں نے جزء مفقود کے مقدمے میں کہا تھا کہ جب مجھے ایسی حدیث ملے گی جسے محدثین نے روایت نہیں کیا ہوگا تو میں اس کی سند کی تحقیق کروں گا اور اس پر حکم لگاؤں گا، چوں کہ حدیث کو علما نے اپنی کتابوں میں بیان کیا ہے، اس لیے میں نے اس کی سند کی پوری تحقیق نہیں کی بلکہ راویوں کا تذکرہ تحریر کر دیا ہے، سند کا مکمل مطالعہ اور اس کی تحقیق نہیں کی۔

دوسرا اشکال:

معترض نے کہا ہے کہ (أَخْبَرَنِيْ الْبَرَاء) کہنا جھوٹ ہے۔

میں اللہ تعالیٰ کی توفیق سے کہتا ہوں کہ گزشتہ اعتراض کی طرح اس جگہ بھی ہم کہتے ہیں کہ نسخہ نادر ہے اور اس میں شک نہیں کہ ابن جریج اور براء کے درمیان واسطہ کاتب کی غلطی سے ساقط ہو گیا۔

میں نے مقدمہ میں جو پروگرام تحریر کیا تھا یہ حدیث اس کے تحت آتی ہے، میں نے لکھا تھا "جب حدیث کسی دوسرے محدث کی روایت کردہ مجھے نہیں ملے گی تو میں سند کی تحقیق کروں گا اور اس پر حکم لگاؤں گا" اس حدیث کو علما نے اپنی کتابوں میں روایت کیا ہے اس لیے میں نے اس کی سند کا مکمل مطالعہ نہیں کیا، بلکہ میں نے ابتدائی ترجمہ اور تعارف قارئین کی آگاہی کے لیے بیان کر دیا، سند کا مکمل مطالعہ اور اس کی پوری تحقیق بیان نہیں کی۔

غور وفکر کے بعد غالب احتمال یہ معلوم ہوتا ہے کہ سند سے زہری کا نام ساقط ہو گیا ہے اور یہ روایت اس طور پر ہوگی کہ ابن جریج نے لکھی ہوئی حدیثیں پڑھی ہوں گی اور زہری نے انہیں اجازت دے دی ہوگی، میری نظر میں ایسی تصریحات موجود ہیں جو اس احتمال کی تائید کرتی ہیں۔

حافظ خطیب بغدادی نے ''کفایہ'' صفحہ نمبر ۴۳۴ میں اپنی سند کے ساتھ بیان کیا ہے:

یحییٰ بن سعید قطان نے فرمایا کہ ابن جریج سچے راوی تھے، جب وہ کہتے (حَدَّثَنِیْ) تو اس کا مطلب یہ ہوتا تھا کہ انہوں نے وہ حدیث سنی ہے اور جب وہ کہتے (اَخْبَرَنَا یا اَخْبَرَنِیْ) تو اس کا مطلب قراءت ہوتا تھا اور جب وہ صرف (قَالَ) کہتے تو اس کی کوئی حیثیت نہیں تھی، صاحب الجرح والتعدیل (۵۔ترجمہ ۱۶۸۷) کہتے ہیں:

ابوزرعہ فرماتے ہیں مجھے میرے بعض دوستوں نے قریش بن انس سے، انہوں نے ابن جریج سے روایت کیا کہ میں نے زہری سے کوئی چیز نہیں سنی مجھے زہری نے ایک کاپی لکھی ہوئی دی تھی، اسے میں نے نقل کرلیا تھا، اس کی انہوں نے مجھے اجازت دی تھی۔

صاحب المسند المستخرج علی مسلم (۲۔۴۴۰) نے عبداللہ ابن محمد اور محمد بن ابراہیم کے حوالے سے ایک روایت بیان کی، اس میں آیا ہے:

ہمیں بیان کیا سعید بن یحییٰ اموی نے، وہ کہتے ہیں کہ مجھے میرے والد نے بیان کیا کہ ابن جریج نے کہا (اَخْبَرَنِیْ الزُّهْرِیْ) مجھے زہری نے خبر دی حضرت عمر بن عبدالعزیز سے۔

اس روایت میں صاف آیا ہے کہ ابن جریج کہتے ہیں کہ مجھے زہری نے خبر دی، واللہ تعالیٰ اعلم اور یہ معلوم ہے کہ زہری ۵۱ھ میں پیدا ہوئے اور حضرت براء ۷۲ھ میں فوت ہوئے۔

قارئین کرام! میں نے یہ تصریحات آپ کے سامنے اس لیے پیش کی ہیں کہ آپ پر یہ حقیقت منکشف ہوجائے کہ معترض کے پاس کوئی واضح اور مضبوط دلیل نہیں ہے جس کی بنا پر پیش نظر نسخے (جزء مفقود) کو یقینی طور پر وضعی اور جعلی قرار دے سکے کیوں کہ جس طرح ہم نے بیان کیا ہے احتمال قائم ہے اور کسی چیز کو موضوع قرار دینے کے لیے کسی شک وشبہہ کے بغیر یقین کی ضرورت ہوتی ہے، جب کسی چیز میں احتمال پایا جائے تو اس سے استدلال نہیں کیا جاسکتا۔

تیسری وجہ:

معترض کا کہنا ہے کہ حدیث نمبر ۹ میں ہے (سالم بن عبداللہ عن ام معبد) یہ سند خود ساختہ ہے کیوں کہ سالم کی ام معبد سے بالکل ملاقات نہیں ہوئی، یہ بات تو حدیث کی اکثر بیشتر کتابوں میں موجود ہے، کتب روایت مرسل اور منقطع روایات سے بھری پڑی ہیں، اس کے باوجود کسی نے ان کی روایت

سے انکار نہیں کیا اور نہ ہی ان کے مصنفین کو جعل ساز کہا گیا ہے، بلکہ مرسل اور منقطع کو روایت کیا گیا ہے، پیش نظر حدیث میں کوئی اشکال نہیں ہے کیوں کہ سالم بن عبداللہ نے سماع کی تصریح نہیں کی، بے شک اس سند میں انقطاع ہے لیکن معترض کا اس بنا پر نسخہ کو رد کر دینا درست نہیں ہے، اس طرح تو سنت کی اکثر کتابیں نا قابل اعتبار ٹھہریں گی، اس بات کے قائل کو اللہ تعالیٰ سے ڈرنا چاہیے۔

چوتھی وجہ:

معترض نے اللہ کے نیک بندوں صوفیہ کرام مثلاً امام جزولی پر حملہ کیا ہے اور مصنف عبدالرزاق کی جزءِ مفقود کے کاتب پر یہ تہمت لگائی ہے کہ وہ صوفیہ کے اوراد سے متاثر ہے اور اس نے امام جزولی کی کتاب دلائل الخیرات سے احادیث لی ہیں، جیسے کہ اس نے یہ بھی کہا ہے کہ جلسۂ تشہد (التحیات) کے علاوہ صحابہ کرام اور صدر اول کے لوگوں سے لفظ (الآل) کا استعمال نادر اور غریب ہے۔

قارئین کرام! اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ معترض کا اعتراض باطل اور کھلی ہوئی جہالت ہے کیوں کہ اس کا گمان ہے کہ صحابہ کرام نے نماز کے باہر نبی اکرم ﷺ کی آل پاک پر درود نہیں بھیجا۔

حضرات قارئین کرام سنیے امام بخاری (۳۔ ۱۲۳۳) حضرت عبدالرحمٰن بن ابی لیلی سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت کعب بن عجرہ مجھے ملے اور فرمایا کیا میں تمہیں اس حدیث کا تحفہ پیش نہ کروں جو حضور نبی اکرم ﷺ سے سنی ہے، میں نے عرض کیا ضرور ہدیہ عنایت فرمایئے، کہنے لگے ہم نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ یارسول اللہ (صلی اللہ علیک وسلم) آپ پر یعنی آپ کے اہل بیت پر درود کیسے بھیجا جائے؟ کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں سلام بھیجنے کا طریقہ تو سکھا دیا ہے فرمایا یوں کہو:

اللھم صل علیٰ محمد وعلی آل محمد کما صلیت علی ابراھیم وعلیٰ آل ابراھیم انّک حمید مجید،

اللھم بارك علی محمد وعلیٰ آل محمد کما بارکت علیٰ ابراھیم وعلیٰ آل ابراھیم انك حمید مجید،

یہ حدیث صحیح بخاری اور مسلم دیگر کتب میں متعدد روایات کے ساتھ نماز کی قید کے بغیر آئی ہے۔

مجھے معلوم نہیں کہ معترض پر اس اشکال کی وحی کہاں سے نازل ہوئی؟ امام ابن بشکوال نے اپنی کتاب (القربۃ الیٰ رب العالمین بالصلاۃ علیٰ محمد سید المرسلین) میں آل پاک پر درود

شریف بھیجنے کے بارے میں متعدد روایات بیان کی ہیں ان میں سے حدیث نمبر ۱۲ میں ہے: صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیک وسلم) سلام کا تو ہمیں علم ہو گیا، صلوٰۃ کس طرح پیش کریں اللہ تعالیٰ نے آپ کے تمام ان سابقہ اور لاحقہ اعمال کو دامن رحمت سے ڈھانپ دیا ہے جن پر منفی اثرات مرتب ہو سکتے تھے۔ فرمایا یوں کہو:

اللھم صل علی محمد کما صلیت علی ابراھیم وبارك علی محمد کما بارکت علی آل ابراھیم انك حمید مجید۔

اور حدیث نمبر ۱۴ میں یوں کہو:

اللھم اجعل صلاتك وبرکاتك علی محمد وآل محمد۔۔۔۔۔الحدیث

اے اللہ اپنی کامل رحمت اور برکتیں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ اور آپ کی آل پر نازل فرما۔

ان دونوں حدیثوں کی سند صحیح ہے۔

رہا معترض کا یہ اعتراض راوی صوفیہ کے اوراد سے متاثر ہوئے ہیں تو ابن بشکوال کی کتاب میں حدیث نمبر ۷۸ دیکھیں جس میں امیر المومنین حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا درود شریف بیان کیا گیا ہے، اس میں ہے:

اے زمینوں کا فرش بچھانے والے آسمانوں کی چھت بنانے والے بدبخت اور نیک بخت دلوں کو ان کی فطرت پر پابند فرمانے والے تو اپنی افضل ترین رحمتیں روز افزوں برکتیں اور کمال مہربانی اپنے عبد خاص اور رسول مکرم ﷺ پر نازل فرما جو گزشتہ انبیاء کے ختم کرنے والے ہیں، دین حق کا پوری قوت سے اعلان فرمانے والے ہیں اور باطل کے لشکروں کا خاتمہ فرمانے والے ہیں جس طرح انہیں حکم دیا گیا اسی طرح تیرے حکم سے تیری فرماں برداری کے لیے تیار ہوئے، تیری رضا کے حصول میں کوشش کرنے والے آپ نے نہ تو کسی قوم کے مقابل پسپائی اختیار کی اور نہ ہی عزم میں کمزوری دکھائی تیرے واجب حق کی پاس داری کرنے والے اور تیرے عہد کے محافظ (الحدیث)

اس کے بعد آپ کیا کہیں گے؟ کیا یہ الفاظ بھی صوفیانہ ہیں اور دلائل الخیرات سے منقول ہیں؟ یا یہ محض دعوے ہیں جنہیں معترض نے بکھیر دیا ہے؟ اللہ تعالیٰ اس سے درگزر فرمائے اور اسے بصیرت عطا فرمائے۔

اسی طرح اس جیسے کلمات امام علامہ محدث ملا علی قاری نے "**الحزب الاعظم والورد الافخم فی اذکار ودعوات سید الوجود**" ﷺ) میں بیان کیے ہیں، انہوں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگا میں پیش کیے جانے والے درود شریف کے صیغے مرفوع روایت اور صحابہ و تابعین وغیرہم کے حوالے سے نقل کیے ہیں۔ اور معترض ان صیغوں کو دیکھ لے تو انہیں بھی صوفیہ کے اوراد میں شمار کرے گا۔ حالاں کہ وہ سید ھے امام بیہقی وطبرانی ابن ابی عاصم سعید بن منصور ابن ابی شیبہ اور طبرانی وغیرہم ائمہ حدیث نے روایت کیے ہیں۔

سیادت (حضور ﷺ کا اسم گرامی ذکر کرتے ہوئے سیدنا کہنے) کے حوالے سے معترض کو یہ گمان ہوا کہ مسئلہ سلف صالحین کے یہاں معروف نہیں تھا۔ قارئین کرام یہ جان لیں کہ معترض کا یہ گمان بالکل افتراء ہے، امام سخاوی نے "**القول البدیع**" کے صفحہ نمبر ۱۲٦ پر ایک حدیث ذکر کی ہے جسے کتاب کے محقق الشیخ عوامہ نے حسن قرار دیا ہے امام سخاوی نے فرمایا رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

جب تم مجھ پر درود بھیجو تو اچھے طریقے سے بھیجا کرو کیوں کہ تم نہیں جانتے کہ شاید وہ میرے سامنے پیش کیا جائے، تم یوں درود پڑھا کرو اے اللہ تو اپنی رحمتیں اور برکتیں)(**علی سید المرسلین وامام المتقین**) تمام رسول کے سردار متقین کے امام اور خاتم النبیین پر نازل فرما، جو تیرے عبد مکرم اور رسول گرامی ہیں خیر کے امور میں امامت کے مرتبہ پر فائز ہیں، خیر کی طرف لوگوں کی قیادت کرنے والے ہیں اور سراپا رحمت رسول ہیں، اے اللہ! انہیں مقام محمود پر یوں فائز فرما کہ اگلے پچھلے ان پر رشک کریں۔

اس حدیث کو امام ابن ماجہ اور قاضی اسمٰعیل نے صفحہ (۵۸) اور طبرانی نے "**المعجم الکبیر**" (۹۔۱۱۵) میں اور امام بیہقی نے ''الدعوات'' صفحہ (۵٧) میں روایت کیا جب کہ دیلمی نے ''مسند الفردوس'' میں اور ابن ابی عاصم نے حدیث تشہد میں اسی طرح روایت کیا، کیا معترض کے تہمت آمیز گمانوں کے باعث (الجزء المفقود) کا نسخہ غیر معتبر ہو جائے گا؟

پانچواں اشکال:

معترض کو یہ گمان ہوا کہ میں علم روایت حدیث سے نابلد ہوا اور اندھا دھند چلتا ہو، معترض نے اپنی بد گمانی کی بنیاد میری اس بات پر رکھی ''ابن ابی زائد یحییٰ ہی ہے'' اور وہ اس بات کا دعوے دار ہے کہ اس

نے میری غلطی یوں درست کی ہے کہ ابن ابی زائدہ یحییٰ نہیں بلکہ ان کے والد زکریا ہیں، کیوں کہ زکریا معمر کے شیوخ میں سے ہیں، قارئین کرام آپ عن قریب اندازہ لگالیں گے کہ معترض نے مجھ پر تہمت لگائی ہے، اس کا زیادہ حقدار کون ہے؟

قارئین کرام! یحییٰ کی ولادت ۱۲۱ھ میں اور وفات ۱۸۴ھ میں ہوئی، اس طرح یحییٰ معمر کے معاصر اوران کا زمانہ پانے والے ہوئے، اس طرح معمر کا یحییٰ سے روایت کرنا بڑوں کا چھوٹوں سے روایت کرنا ہے اور اگر ہم یہ مان لیں کہ ابن ابی زائدہ زکریا ہیں تب بھی کوئی حرج نہیں معاملہ صاف ظاہر ہے۔

چھٹا اشکال:

معترض کو یہ گمان ہوا ہے کہ معمر نے ابن جریج سے روایت نہیں کی جیسے کہ حدیث نمبر ۱۰ میں روایت موجود ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ معترض کا یہ گمان کھلا افترا ہے کیوں کہ امام عبدالرزاق نے اپنی تفسیر (۳۔ ۱۳) میں معمر سے ایک روایت یوں بیان کی ہے۔

امام عبدالرزاق کہتے ہیں ہمیں معمر نے خبر دی انہوں نے ابن جریج سے روایت کی انہوں نے ابن ابی ملیکہ سے روایت کی اور انہوں نے سیدہ عائشہ سے روایت کی ۔۔۔(الخ) قارئین کرام معترض کی جہالت اور افترا پردازی ملاحظہ فرمالیں۔

ساتواں اشکال:

معترض کو یہ گمان ہوا ہے کہ معمر کی سالم سے اور سالم کی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت میں دو جعل سازیاں ہیں۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ معترض کو گمان ہوا کہ ہمارے تحقیق شدہ نسخے میں معمر کی سالم سے روایت من گھڑت ہے اور حقیقت میں معمر کی سالم سے کوئی روایت نہیں، لیکن یہ گمان بڑی صراحت کے ساتھ باطل ہے۔

مجھے معترض پر حیرت ہوتی ہے جب وہ اپنے لیے وہ کچھ جائز ثابت کر لیتا ہے جو کسی دوسرے کے لیے جائز نہیں سمجھتا اس نے اسانید کی وضع میں ان کی تلفیق کا ذکر کیا ہے، اس کا کہنا ہے کہ علل الحدیث کی کتب کا بغور مطالعہ کرنے کے بعد اس نے ابن ابی حاتم کا یہ قول ذکر کیا ہے کہ عکرمہ کی حضرت انس سے

روایت نہیں اور حسن بصری کی سہل بن حنظلیہ سے نہیں اور اسی طرح زہری کی ابن حازم سے نہیں اور معترض اپنی اس بات سے گویا ایسا نکتہ پیش کر رہا ہے جس کا دروازہ بند کیا جا چکا ہے جیسے کہ اس زمانے میں اصول روایت حدیث کے ماہرین موجود نہیں ہیں۔

میں معترض سے سوال کرتا ہوں کہ آپ نے معمر کی سالم سے اور سالم کی حضرت ابوہریرہ سے روایت میں دو جعل سازیوں کی نشان دہی کی ہے، کیا اس امر پر متقدمین اور متاخرین حفاظ بھی مطلع ہوئے ہیں یا وہ سب بے خبر رہے اور آپ نے اس امر کا انکشاف کر دیا ہے ہمیں معلوم ہونا چاہیے کہ اصول روایت حدیث میں قدم آگے بڑھانا کچھ ایسا بھی آسان نہیں ہے اور معترض نے حدیث نمبر ۲۰ کے تحت متابعات گڑھنے کا الزام لگاتے ہوئے ہمیں تنقید کا نشانہ بنایا جب کہ ڈاکٹر محمود سعید ممدوح کو اشارۃً چوٹ کرتے ہوئے کہا زہری کی متابعت سے متقدمین اور متاخرین بے خبر رہے اور ہم نے اسے دریافت کیا حالاں کہ اس امر کا دروازہ قیامت کے آنے تک بند نہیں ہے۔قارئین کرام آپ دیکھیے معترض اپنے اقوال میں کس قدر تناقض کا شکار ہے؟ اس پر عربی کی مثال صادق آتی ہے "رَمَتْنِی بِدَاءِها وانسلت" وہ اپنی بیماری کی تہمت اور مجھ پر لگا کر خود چلتی بنی۔ابن عبدالبر نے تمہید (۱۱۔۱۱۱) میں اپنی سند سے روایت کیا ہے کہ ہمیں خلف بن سعید نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا کہ ہمیں عبداللہ بن محمد نے حدیث بیان ک، انہوں نے کہا ہمیں احمد بن خالد نے حدیث بیان کی، احمد نے کہا ہمیں اسحاق بن ابراہیم نے حدیث بیان کی، اسحٰق نے کہا ہمیں عبدالرزاق نے خبر دی انہوں نے معمر سے انہوں نے سالم سے انہوں نے ابن عمرو سے روایت کی۔الخ۔۔۔

اور ابن حزم ظاہری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا المحلی (۸۔۱۰) کی کتاب "النذور" میں اہل علم کا ایک قول ذکر کرتے ہوئے کہا ہے: اور ایک گروہ نے کہا ہے کہ جس شخص نے نذر مانی کہ وہ اپنا سارا مال مسکینوں میں تقسیم کر دے گا تو اس پر لازم ہے کہ سارا مال مسکینوں میں تقسیم کرے، ان کا یہ موقف پایۂ صحت کو پہنچ چکا ہے، امام عبدالرزاق کی معمر سے ان کی سالم بن عبداللہ بن عمر سے ان کی اپنے والد سے روایت کی بنا پر اور قابل ذکر بات یہ ہے کہ ہم نے مذکورہ بالا حدیث کے ضمن میں خود اس بات کی نشان دہی کی ہے کہ معمر کی سالم سے روایت میں انقطاع موجود ہے۔

اور معترض کا یہ گمان کرنا کہ سالم کی حضرت ابوہریرہ سے روایت کی سند من گھڑت ہے تو یہ گمان بھی

باطل ہے، قارئین کرام مسلم کی وہ روایت ملاحظہ فرمائیں جسے حضرت امام نے آخری زمانے میں علم کے اٹھائے جانے، جہالت اور فتنوں کے ظاہر ہونے کے عنوان سے قائم کیے گئے باب میں ذکر کیا ہے۔ (۴۔۲۰۵۷) آپ فرماتے ہیں ہمیں ابن نمیر، ابوکریب اور عمرو الناقد نے حدیث بیان کی، وہ سب کہتے ہیں ہمیں اسحاق بن سلیمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے حنظلہ سے، انہوں نے سالم سے انہوں نے حضرت ابوہریرہ سے روایت کی، دیکھیے: تہذیب الکمال (۱۰۔۱۴۵)

اللہ تعالیٰ امام مسلم پر رحم فرمائے آپ نے سالم کی حضرت ابوہریرہ سے روایت والی حدیث آخرزمانے میں علم کے اٹھائے جانے، جہالت اور فتنوں کے ظاہر ہونے کے عنوان سے قائم کیے گئے باب میں ذکر کی ہے اور یہ امام مسلم کی کرامت ہے، کیوں کہ اس حدیث کی سند اور باب کے عنوان سے یکجا ہونا بہت معنیٰ خیز ہے، اس بات نے واضح کر دیا کہ سالم کی حضرت ابوہریرہ سے روایت پر اعتراض کرنے والا اور اس کے ہم خیال فتنے پر پوری طرح جہالت کی آماجگاہ ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں اس مصیبت سے محفوظ رکھے جس میں اس نے اپنی بہت سی مخلوق کو مبتلا کیا ہوا ہے اور میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اس بات پر سجدۂ شکر بجالاتا ہوں کہ اس نے ہمیں اپنے فضل کا لباس پہنایا اور بعض دوسروں کو اپنے عدل کا لباس پہنایا۔

آٹھواں اشکال:

معترض کو ۳۶ نمبر حدیث کے تحت گمان ہوا ہے کہ معمر کے شیوخ میں اللیث کا نام شامل نہیں اور یہ بات معترض کی تحریف امت کو دھوکہ دہی اور اس علمی بد دیانتی پر دلالت کرتی ہے جس کی تہمت وہ ہم پر لگا رہا ہے۔

جواب:

معترض اپنے اس کلام کے باعث غلط فہمی کے گڑھے میں گر پڑا ہے جب اس نے غیر کا کلام نقل کرتے ہوئے تحریف کا ارتکاب کرتے ہوئے کہا اللیث معمر کے شیوخ میں سے نہیں جب کہ ہم نے اپنی تحقیق میں عبدالرزاق کی معمر سے اور ان کی اللیث سے روایت کا ذکر کیا ہے، اللیث سے نہیں اگر معترض اہل علم سے ہوتا تو اس نے جو کچھ نقل کیا ہے اسے اس میں غور و فکر کی توفیق بھی ملتی اس لیے کہ لیث معمر کے شیخ ہیں اور مصنف نے ان سے روایت کی ہے، آپ ہماری تحقیق میں لیث کا ترجمہ صفحہ نمبر ۹۲ پر ملاحظہ فرمالیں

اور مزی کی کتاب ''تہذیب الکمال'' (۲۴۔۲۷۹۔۲۸۸) کو بھی ملاحظہ فرمالیں آپ یہاں لیث کے حالات ویسے ہی پائیں گے جیسے ہم نے ذکر کیے ہیں لیکن ظالم کے ہاتھ میں کوئی دلیل نہیں ہوتی۔

سند کے راویوں کے حالات کا یہاں ہماری طرف سے ایک اضافی فائدہ تصور کریں ورنہ یہ حدیث ہماری اس شرط پر پوری نہیں اترتی جسے ہم نے مقدمے میں یوں ذکر کیا ہے ''اگر حدیث کی کسی نے تخریج نہیں کی ہوگی تو ہم سند کو دیکھیں گے اور اس پر حکم لگائیں گے'' اور یہ حدیث ہماری اس شرط پر پوری نہیں اترتی کیوں کہ ابن ابی شیبہ نے اس کی تخریج کی ہوئی ہے۔

نواں اشکال:

حدیث نمبر ۲۰ کے بارے میں معترض نے گمان کیا ہے کہ اس حدیث کی سند میں پائے جانے والی متعابعت ''الجزء المفقود'' کا محقق ہی مطالعہ ہوا ہے اور قبل ازیں اس پر حفاظ حدیث مطلع نہیں ہوئے اور معترض نے اس بات کو حسبِ عادت ''جزء مفقود'' کے درست نہ ہونے کی دلیل بنایا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ معترض کے پاس اپنے اعتراض پر کوئی دلیل نہیں یہ درست ہے کہ حدیث نمبر ۲۰ میں کچھ کمی تھی اور اس کا بیان کرنا علمی دیانت کا تقاضا تھا لیکن یہ بات اس نسخہ کی درستی میں طعن وتشنیع اور شک کا باعث نہیں ہے، متن میں سند اس طرح تھی عبدالرزاق معمر سے، وہ زہری سے، وہ ابوسعید سے روایت کرتے ہیں، کتابت کرنے والے سے ابوسعید لکھتے ہوئے لفظ ابن رہ گیا تھا اور وہ ربیح تھے یا سعید (اب سند میں انقطاع کا شبہ واقع نہیں رہتا لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ جاننا بھی ضروری ہے کہ) ربیح کے والد عبدالرحمٰن امام زہری کے معاصر تھے، کیوں کہ زہری ۱۲۵ھ میں فوت ہوئے جب کہ عبدالرحمٰن کا ۱۱۲ھ میں انتقال ہوا اس کا واضح مطلب یہ ہے کہ زہری نے عبدالرحمٰن کو پایا تھا اور ان دونوں میں معاصرت موجود تھی، یہ بات ایک حقیقت ہے۔

لیکن معترض کے ساتھ ایک مسئلہ یہ ہے کہ وہ اگر ''تہذیب الکمال'' میں کسی راوی کا شمار تلامذہ یا اساتذہ میں نہیں پاتا تو وہ اسے شمار ہی نہیں کرتا اور یہ ایسا اسلوب ہے جو روایت حدیث کے ماہرین کے یہاں معروف نہیں ہے اس لیے کہ امام مزی نے ''تہذیب الکمال'' میں راوی اور مروی عنہم (جن سے روایت کی گئی) کا مکمل احاطہ نہیں کیا اور عادۃً احاطہ کرنا بھی مشکل ہے اب اگر کوئی محقق کسی راوی کا تذکرہ کسی محدث کے راویوں یا ان کے اساتذہ میں نہیں پاتا تو وہ مروی عنہ کی وفات اور راوی کی ولادت کی

تاریخ تلاش کرتا ہے، حفاظ الحدیث نے اس منہج اور اسلوب کی تصریح کی ہے جیسے خطیب بغدادی اور ابن صلاح وغیرہما، پھر ''الکمال'' کے مصنف امام مزی نے صحاح ستہ کے راویوں کے حالات بیان کیے ہیں۔

اس تناظر میں معترض کی سینہ زوری اور اس کا یہ گمان کرنا کہ محقق کو متابعات کا پتہ چل گیا اور حفاظ حدیث کو ان کا علم نہیں ہوسکا یہ علم پر اجارہ داری قائم کرنے کی مثال ہے حافظ زبیری کئی ایسی متابعات پر مطلع ہوئے ہیں جن پر حفاظ حدیث مطلع نہیں ہوئے یہی حال ان سے پہلے علماء کا ہے اور غماری حضرات جیسے کہ محدث جلیل علامہ احمد بن الصدیق ایسے شواہد اور متابعات پر مطلع ہوئے جن پر ان سے پہلے کے علماء نے اطلاع نہیں پائی تھی، اے معترض! کیا آپ تمام پر وہی الزام لگائیں گے جو آپ نے مجھ پر اور عظیم محدث الشیخ محمود سعید ممدوح پر لگایا ہے، یہ بہت بڑا بہتان ہے اور ہمارا نسخہ جیسے کہ ہم نے ذکر کیا نادر نسخہ ہے اور اس میں کسی لفظ کا بھولے سے رہ جانا ممکن ہے۔

مجھے معترض پر تعجب ہے کہ وہ مجھ پر موقع بے موقع اعتراض کرتے ہوئے فاضل محدث محمود سعید ممدوح کو بھی نشانہ بناتا ہے اور اس نے مجھے جاہل سمجھ رکھا ہے جیسے کہ ''الجزء المفقود'' کی تحقیق میری نہیں شیخ محمود سعید ممدوح کی ہے، حالاں کہ فاضل موصوف کا کتاب کی تحقیق یا توثیق میں کوئی عمل دخل نہیں اور ان سے تو اسی طرح مشورہ کیا گیا تھا جیسے دیگر اہل علم سے مشورہ کیا گیا پھر میں نے ان سے مقدمہ لکھنے کی درخواست کی جسے انہوں نے قبول فرمایا، اس کے علاوہ کچھ نہیں۔

دسواں اشکال:

معترض کا یہ دعوی کرنا کہ ''الجزء المفقود'' میں بہت سی احادیث مصنف ابن ابی شیبہ سے نقل کی گئی ہیں تو خدا کی قسم یہ انتہائی غیر ذمہ دارانہ بات ہے اور ایسی بات تو کسی بھی متابعت تامہ کے بارے میں کہی جاسکتی ہے کہ یہ فلاں کتاب سے نقل کی گئی ہے، صحیح بات تو یہ ہے کہ ''الجزء المفقود'' میں ایسی احادیث کا پایا جانا جن کی معتبر متابعت موجود ہے ہمارا پیش نظر مخطوط کے معتبر ہونے کی دلیل ہے لیکن معترض خوبی کو خامی میں بدل کر اپنا وقار کم کر رہا ہے اور اس کا یہ عمل شاعر کے اس قول کے مطابق ہے۔

وعین الرضا عن کل عیب کلیلۃ ولکن عیب السخط تبدی المساویا

رضا مندی کی نظر ہر عیب سے بند ہوتی ہے، لیکن ناراضگی کی نظر عیوب ہی ظاہر کرتی ہے۔

گیارہواں اشکال:

معترض کا یہ دعوٰی کرنا ''الجزء المفقود'' کی اسانید خودساختہ ہیں اور اس نے اپنے دعوٰی پر یہ دلیل دی ہے کہ ''مصنَّف عبدالرزاق کا یہ جز امام مالک، زہری، معمر اور ان جیسے قرون اولیٰ کے ان ائمہ حدیث کے ذریعے تیار کی گئی خود ساختہ اسانید پر مبنی ہے جن ائمہ کا مرتبہ و مقام ایسا ہے کہ ان کی روایت کردہ احادیث کو جمع کیا جائے اور علم کے طالب انہیں یاد کرنے میں ایک دوسرے سے سبقت لے جائیں''

قارئین کرام! میں آپ سے کہتا ہوں کہ علماء نے صحیح حدیث کی تعریف یوں کی ہے وہ حدیث جس کی سند متصل ہو اور اسے عادل اور ضابط راویوں نے اپنے جیسے راویوں سے آخر تک شذوذ اور علت کے بغیر روایت کیا ہو اور انہوں نے یہ شرط عائد نہیں کی کہ وہ حدیث فرد مطلق یا فرد نسبی (۱) نہ ہو محدثین نے یہ نہیں کہا کہ ذمہ دار حضرات کی روایت کو اس وقت تک قبول نہیں کیا جائے گا جب تک ان کے متابع روایات نہیں مل جاتیں، انہوں نے یہ بھی نہیں کہا کہ ہر فرد حدیث ضعیف ہے، کتب صحاح ائمہ کی روایت کردہ افراد مطلقہ اور نسبیہ سے بھری ہوئی ہیں اور حفاظ کا ان کے صحیح ہونے پر اتفاق ہے ہاں، جب مشہور سند کے ساتھ کوئی مجہول، ضعیف یا بے کار راوی منفرد ہو اور متن حدیث منکر اور نا قابل قبول ہو تو بے شک یہ موضوع ہونے کی علامت ہے اور الحمد للہ ہمارے نسخہ میں یہ بات موجود نہیں ہے۔

بارہواں اشکال:

حدیث جابر کے موضوع ہونے اور اس کے الفاظ کے خودساختہ ہونے کی جو بات بعض شدت پسند لوگوں نے کی ہے اور ہم پر بعض غماری سادات کے حدیث جابر پر حکم کی آڑ لے کر جو اعتراض کیا گیا ہے اس کا جواب یہ ہے: حدیث جابر کے بعض غماری سادات کی رائے ان کی ذاتی رائے ہے اور ہماری ایک الگ رائے اور ہمارے ساتھ بعض غماری، کتانی سادات اور جمہور ائمہ ہیں جو ہماری رائے کی تائید فرماتے ہیں جیسے شیخ اکبر محی الدین بن عربی اور ابن سبع، اور ابن جمرہ اور شیخ زروق اور امام قسطلانی اور ہیتمی اور قیصری اور عقیلی اور مناوی اور قرافی وغیرہم جو کثیر تعداد میں ہیں۔

حدیث جابر کے بارے میں معترض کا گمان ہے کہ اس حدیث کو شیخ اکبر کی کتب میں داخل کیا گیا

(۱)۔ حدیث کا راوی اگر ایک ہو تو اسے غریب اور فرد کہا جاتا ہے اور اس کی دو قسمیں ہیں: کسی ایک جگہ راوی ایک ہو اسے فرد نسبی کہتے ہیں اور ہر جگہ صرف ایک راوی ہو تو اسے فرد مطلق کہتے ہیں۔ ۱۲ (مقدمہ، مشکوۃ شریف)

ہے حالاں کہ معترض حضرت شیخ اکبر کو معتبر نہیں جانتا اور غماری سادات نے شیخ اکبر کی جو توثیق کی ہے معترض کو اس پر بھی اعتراض ہے ،اس کا حدیث جابر کے بارے میں مذکورہ بالا اعتراض محض تہمت اورافترا ہے، کیوں کہ شیخ اکبر کی اکثر تصانیف حدیث جابر اور آپ کے قلم سے اس کی تشریح سے آراستہ ہیں جیسا کہ ان کی درج ذیل کتب میں یہ حقیقت عیاں ہے "الوعاء المختوم علی السر المکتوم" اور "المملکة الهیة"اور "کتاب الدوائر"اور "تلقیح الفهوم"اور "عنقاء المغرب"۔

میں نے اپنی کتاب 'نور البدایات' میں حدیث عبدالرزاق کی صحت دیگر حضرات کی روایت سے بیان کی ہے، شیخ حلوانی نے اپنی کتاب "مواکب الربیع" میں ذکر کیا ہے کہ امام بیہقی نے اپنی کتاب ''دلائل النبوۃ'' میں امام حاکم نے اپنی ''مستدرک'' میں حدیث نور دیگر الفاظ کے ساتھ روایت کی ہے اور اسے صحیح قرار دیا ہے اور اس کے الفاظ کچھ یوں ہیں یا عمر أتدری من انا؟ اس حدیث کو طبری نے بھی اپنے فوائد میں ذکر کیا ہے ان دونوں روایتوں پر براہ راست ہمارے مطلع نہ ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ یہ روایتیں ہی موجود نہیں ہیں کیوں کہ امام بیہقی کی ''دلائل النبوۃ'' ناقص چھپی ہے اور اسی طرح ''مستدرک'' اے معترض! میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ آپ اہل علم کا کلام سنیں یہ علامہ اور محدث محمد بن جعفر الکتانی ہیں آپ اپنی کتاب "جلاء القلوب من الاصداء الغینیة" جو بھی حال ہی میں طبع ہوئی ہے اس میں حدیث جابر اور طبری کی روایت ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں تقریباً سب باعمل علما، سراپا اخلاص صوفیا اور کامران وکامیاب اولیا نے حدیث جابر کو پورے یقین کے ساتھ کسی تردد اور بحث کے بغیر قبول کیا اور تسلیم کرتے ہوئے اپنے مشائخ سے لیا ہے پھر اپنی کتابوں اور تحریروں میں ذکر کیا ہے اور جب کوئی روایت قبولیت کے ساتھ لے لی جائے (تلقی بالقبول) تو اس پر صحیح ہونے کا حکم لگایا جاتا ہے اگر چہ اس کی سند ظاہری دلیل نہ ہو کیوں کہ اگر جلیل القدر علما، صوفیا اور اولیا نے کسی روایت کو قبول کیا ہے تو اس کا مطلب یہ لیا جاتا ہے کہ وہ حضرات اس روایت کے دیگر شواہد پر مطلع ہوئے ہوں گے اگر چہ وہ شواہد ہم تک نہیں پہونچے اور نہ ہی ہمیں ان کا علم حاصل ہوا۔۔۔الخ (۲۔۲۴۳) پھر انہوں نے حدیث جابر کی تائید کرنے والے کچھ شواہر ذکر کیے، حدیث جابر کی تائید کرنے والوں میں خاص طور پر قابل ذکر امام ومحدث خرگوشی، ویلمی اور علما کی ایک بڑی تعداد ہے جن کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔

ابن تیمیہ نے اپنے فتاوٰی میں ذکر کیا ہے کہ جب اہل علم کسی مسئلہ میں خلاف کریں تو امت کو اس

مسئلہ میں وسعت اور اختیار ہےاور ہرایک کے بارے میں اچھا گمان کیا جائے گا حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا'' کیا ہی اچھا تھا اگر صحابہ میں اختلاف نہ ہوتا'' حافظ ابن حجر عسقلانی کا ایک قول امام زبیدی نے نقل فرمایا: کسی چیز کا نہ ہونا اس کے نہ ہونے پر دلالت نہیں کرتا اور تھوڑے سے تنزل کے ساتھ یوں بھی کہا جاسکتا ہے: کسی چیز کا ثبوت نہ ہونے سے اس کا ضعیف ہونا ثابت نہیں ہوتا کیوں کہ یہ احتمال ہے کہ ثبوت سے مراد صحت ہوایسی صورت میں حکم کی نفی نہیں ہوگی۔ دیکھیے (تخریج احادیث احیاءالعلوم)(۱۔۲۹۶)

تیرہواں اشکال:

امام قسطلانی کی حدیث جابر کی روایت پر معترض کا دوسرا اعتراض جس کا مفہوم یہ ہے کہ آسمان زمین سے پہلے پیدا کیے گئے اوراس کا یہ گمان کرنا کہ حدیث جابر قرآنی آیت کے مخالف ہے،اس نے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے استدلال کیا۔

ثُمَّ اسْتَوٰى اِلَى السَّمَاۗءِ وَهِىَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَلِلْاَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا قَالَتَآ اَتَيْنَا طَاۗىِٕعِيْنَ (سورۃ فصلت:۴۱۔۱۱)

پھر آسمان کی طرف ارادہ فرمایا جب کہ وہ دھواں تھا اور زمین کو حکم دیا کہ آؤ اپنی خوشی سے یا مجبوری سے انہوں نے عرض کیا ہم خوشی سے حاضر ہیں۔

اس کا جواب: پہلے تو میں معترض کا شکر گزار ہوں اس نے ادب کی راہ کو اختیار کیا ہے، لیکن میں اسے یہ بھی کہنا چاہوں گا کہ اسے عقل رکھنے والے لوگوں سے گفتگو کا پوری طرح ادراک ہونا چاہیے وہ کسی دیہاتی یا ایسے فرد سے مخاطب نہیں جو علم کے میدان میں نو وارد ہے بلکہ وہ ایسے شخص سے مخاطب ہے جس کے گھرانے کے لیے تقوی اور علم کی گواہی دی گئی ہے، اس کے گھرانے میں اللہ تعالیٰ کے فضل سے ایسی خوبیاں بھی جمع ہوئی ہیں جو دیگر بہت سے گھرانوں میں نہیں ہیں میری ماں کی طرف سے میرے رشتہ دار حنبلی ہیں اور میرے والد کی طرف سے میرے رشتہ دار مالکی مذہب کے ہیں ان میں سے اکثر کتاب اللہ کے حافظ ہیں میں نے ان کے سایہ میں فضیلت کی ترتیب پائی ہے، میں نے اپنے والد کے ماموں علامہ ،فقیہ، محدث الشیخ مبارک بن علی شامی سے تربیت پائی اور ہمارے بزرگ اشراف انصار اور حمیر میں سے ہیں ،اور میں ان مولّدین میں سے نہیں جن سے سلف صالحین نے بچنے کی تلقین فرمائی ہے جیسا کہ سنن

ابن ماجہ میں ضعیف سند کے ساتھ حضرت عبداللہ بن عمر بن العاص سے روایت ہے وہ کہتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ کو سنا آپ فرما رہے تھے۔

"لَمۡ یَزَلۡ أمر بنی اسرائیل معتدلاً حتی نشأ فیھم المولدون ابناء سبایا الأمم فقالوا بالرأی فضلّوا وأضَلُّوا"

بنی اسرائیل اعتدال کی راہ پر گامزن رہے یہاں تک کہ ان میں مولّدین یعنی مفتوحہ قوموں کی لونڈیوں سے اولاد پیدا ہوئی اور لونڈیوں کی اولاد نے اپنی خواہش نفس سے فتوے دیے، خود بھی گمراہ ہوئے اور دوسروں کو بھی گمراہ کیا۔

اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے میں نہ تو منافق ہوں اور نہ ہی دستر خوانوں پر ٹوٹ پڑنے والوں میں سے ہوں، جیسے کہ اس معترض کو گمان ہوا اور اس نے قرآن پاک کی آیت میں جس تعارض کا گمان کیا ہے وہ غلط ہے، اور میں معترض کے لیے خود ہی عذر پیش کرتا ہوں کہ اس نے جو کچھ لکھا شاید جلدی میں لکھ دیا لیکن ایسی اہم باتیں جیسے کہ معترض کو بھی علم ہے جلدی میں نہیں لکھی جاتیں، لیکن تم نے ارادہ کیا اور اللہ تعالیٰ نے بھی ارادہ فرما لیا، اللہ تعالیٰ مصنف عبدالرزاق کے نو دریافت حصے کے محقق عیسیٰ بن عبداللہ کی مدد فرمائے جس پر معترض کی طرف سے تحقیق میں جلد بازی کی تہمت لگائی گئی ہے اور میں نہیں جانتا کہ جلد باز کون ہے کیا وہ شخص جس کے سامنے قرآن کریم اور تفاسیر ہیں اور اس کی رائے کی تائید کر رہی ہیں یا کوئی اور؟

اور سنو! یہ اللہ تعالیٰ کی کتاب کہہ رہی ہے:

أأنتم اشد خلقا أم السماء بناها،رفع سمکها فسوّاها ،واغطش لیلها وأخرج ضحاها ،والارض بعد ذالك دحاها (سورۃ النازعات ۷۹۔۲۷۔۳۰)

کیا تمہیں پیدا کرنا زیادہ سخت ہے یا آسمان کو؟ اللہ نے اسے بنایا، اس کی چھت کو بلند کیا پھر اسے ہموار کیا، اس کی رات تاریک کر دی اور اس کے دن کی روشنی کو ظاہر کیا اور اس کے بعد زمین پھیلائی۔

امام فخر الدین رازی نے اس آیت کی تفسیر میں واحدی اور مقاتل سے نقل کرتے ہوئے فرمایا: آسمان زمین کے پھیلانے سے پہلے پیدا کیا گیا، جہاں تک پھیلانے کا تعلق ہے زمین اس سے پہلے پھیلائی گئی۔

علامہ سید محمود آلوسی نے اس مسئلے کی تفصیل ''روح المعانی'' (۲۴۔۱۰۸) میں اللہ تعالیٰ کے اس

فرمان کی تفسیر کرتے ہوئے یوں بیان کی ہے۔

ثُم استوی الی السماء وھی دخان۔ (سورۃ فصلت:۴۱۔۱۱)

پھر آسمان کی طرف ارادہ فرمایا جب کہ وہ دھواں تھا۔

علامہ آلوسی نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان نورانی جوہر کی ایجاد پر دلالت کرتا ہے، نیز! اس نورانی جوہر کی طرف ایسے جلال کی آنکھ سے نظر پر دلالت کرتا ہے جس میں رحمت اور جمال چھپے ہوئے تھے ،اس کے علاوہ نورانی جوہر کے لطیف اور کثیف مادہ میں فرق اور دھوئیں والے مادہ کے اوپر کی طرف بلند ہوجانے اور کثیف مادہ کے نیچے رہ جانے پر دلالت کرتا ہے یہ سب کچھ چھ دنوں سے پہلے کا معاملہ ہے اور صحیح خبر سے ثابت ہے اور قرآنی آیات کے منافی نہیں۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ آسمان اور زمین کا مادۂ بعیدہ ایک ہے عرصے میں پیدا کیا گیا اور یہ مادۂ بعیدہ نورانی جوہر یا کوئی اور چیز تھا، اسی طرح ہر مادہ کا دوسرے سے الگ اور منفرد کیا جانا ہے، میری مراد مادہ کو پھاڑا جانا اور لطیف اجزاء جو کہ آسمان کا مادہ قریبہ ہے کا نکالنا اور کثیف اجزاء جو کہ زمین کا مادہ قریبہ ہیں کو باقی رکھنا ہے، لطیف اجزاء کو کثیف اجزاء سے اور کثیف اجزاء کو لطیف اجزاء سے الگ کرنا ایک دوسرے کے ساتھ لازم وملزوم ہے، مادہ کے لطیف اور کثیف اجزاء جس شکل میں نظر آتے ہیں ان کا اس شکل میں پیدا کیا جانا ایک زمانے میں نہیں ہے، بلکہ زمانی نکتہ نظر سے آسمانوں کی پیدائش زمین کی پیدائش سے پہلے ہے اور کسی ذی علم وشعور کے لیے یہ بات مناسب نہیں کہ زمین اور اس میں جو کچھ ہے اس کی پیدائش کو آسمانوں اور جو کچھ ان میں ہے اس کی پیدائس کے بعد ہونے میں شک کرے اور جب معاملہ واضح ہو تو اسے صحیح پر محمول کرلیا جاتا ہے، آیت میں لفظ ثم خبر دینے میں ترتیب پر دلالت کرتا ہے، اس کی گفتگو کے بعد قرآنی آیات اور احادیث میں دکھائی دینے والا تعارض ختم ہوگیا اور اللہ تعالیٰ زیادہ جانتا ہے الخ۔

امام قرطبی نے سورۂ بقرہ میں (۱۔۲۵۵۔۲۵۶) اہل علم کی آراء پیش کرنے کے بعد فرمایا: اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان کو زمین سے پہلے بنایا ہے اور سورۃ حٰم (السجدہ) میں بھی اسی طرح ہے ایک اور جگہ فرمایا:

أأنتم اشد خلقا أم السماء بناھا۔ (سورۂ نازعات ۷۹۔۲۷۔)

کیا تمہیں پیدا کرنا زیادہ مشکل ہے یا آسمان کو؟ اللہ نے اسے بنایا۔

پھر فرمایا:

والارض بعد ذالك دحاها ۔

اور اس کے بعد زمین پھیلائی گئی۔

اس آیت کے پیش نظر آسمان کی پیدائش زمین سے پہلے ثابت ہوتی ہے، نیز! اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

الحمدلله الذی خلق السمٰوات والأرض (سورة الانعام:٦۔١)

سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا فرمایا۔

حضرت قتادہ فرماتے ہیں: آسمانوں کو پہلے پیدا کیا گیا، اس قول کو امام طبری نے روایت کیا، اس کے بعد امام قرطبی فرماتے ہیں: ان شاء اللہ! حضرت قتادہ کا قول درست ثابت ہوگا اور وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے تو آسمان کو دھوئیں سے پیدا فرمایا پھر زمین کو پیدا فرمایا پھر آسمان کا قصد فرمایا اور دھوئیں کو درست فرمایا، اس کے بعد زمین کو پھیلایا۔۔ الخ

امام بدرالدین عینی نے ''عمدۃ القاری'' (۱۵۔۱۰۹) میں فرمایا: اولیت ایک نسبتی امر ہے اور ہر وہ چیز جس کے بارے میں کہا گیا کہ وہ پہلے ہے اس کی اولیت بعد والی چیز کی نسبت سے ہے، علامہ ملا علی قاری نے ''المورد الروی'' (ص: ۴۴) میں فرمایا: پس معلوم ہوا کہ نور محمدی سب چیزوں سے علی الاطلاق پہلے ہے پھر پانی ہے پھر عرش ہے پھر قلم ہے، حضور نبی اکرم ﷺ کی اولیت مطلقہ ہے اور باقی سب کی اولیت اضافی اور نسبتی ہے۔

حضرت علامہ ملا علی قاری نے ''مرقاۃ المفاتیح'' (۱۔۱۶۶) میں فرمایا: مخلوقات میں سب سے پہلی مخلوق کے بارے میں روایات میں اختلاف پایا جاتا ہے ان کا خلاصہ یہ ہے کہ سب سے پہلی مخلوق وہ نور ہے جس سے حضور ﷺ پیدا کیے گئے پھر پانی پھر عرش ہے۔

اور ایسا ہی قول امام قسطلانی اور امام محدث سہل بن عبداللہ دیلمی کا ہے، انہوں نے اپنی کتاب "**عطف الألف المألوف علی اللام المعطوف**" میں فرمایا: ''اور حضرت آدم علیہ السلام حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نور سے پیدا کیے گئے'' اس کی تفصیل ہماری کتاب "**نور البدایات وختم النہایات**" (ص: ۵۴) میں ملاحظہ فرمائیں۔

ابن ابی حاتم نے اپنی تفسیر (۷۔۲۳۱) میں حسن سند کے ساتھ ایسی ہی روایت ذکر کی ہے، حدیث قدسی میں نبی اکرم ﷺ کے بارے میں ہے: هُوَ الاول والآخر۔ ''وہی پہلے اور آخری ہیں'' اور اسی طرح مخلص کی روایت ہے: هو أول وآخر۔ ''آپ اول اور آخر ہیں'' یہ صحیح روایت ہے جس پر ابن ابی عاصم کی کتاب ''الأوائل'' کا محقق خوش نہیں ہوا اور اسے ابن ابی عاصم کی روایت نقل کرتے وقت اس کا حوالے دینے کی توفیق نہیں ہوئی، ابن ابی عاصم کی روایت ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے عرش کے پردوں میں ایک نور دیکھا تو پوچھا: اے میرے رب یہ کون سا نور ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ تمہارے بیٹے کا نور ہے، الخ۔۔۔ ابن عاصم کی اس روایت پر محقق نے کہا: ''یہ حضرت داؤد علیہ السلام کا نور تھا'' محقق نے اس مقام پر مخلص کی روایت ذکر نہیں کی اور نہ ہی امام بیہقی کی روایت ذکر کی، حالاں کہ سند ایک ہی ہے، اے معترض! تمہارے فرقے کی طرف سے حضور ﷺ کے ساتھ یہ کھلی دشمنی کیوں ہے۔؟

چودہواں اشکال:

معترض کا یہ کہنا کہ: حدیث جابر حدیث ''عرق الخیل'' جیسی ہے۔

تو اس کا جواب یہ ہے: ''عرق الخیل'' والی حدیث تمہارے ترکش میں سے ہے ہمارے ترکش میں سے نہیں، معترض اور اس کے ہمنوا سجزی اور اس جیسے لوگوں سے ''عرق الخیل'' والی حدیث کے بارے میں پوچھیں وہ انہیں جواب دیں گے، اللہ تعالیٰ سے ڈرو دائرۂ اسلام سے خارج ہونے والے تجسیم کے قائل بدنصیب زندیقوں کی احادیث اور حدیث جابر میں فرق کرو، دونوں حدیثوں کو ایک جیسی قرار دینا عظیم ظلم ہے۔

پندرہواں اشکال:

معترض نے مصنف عبدالرزاق کے ایک حصے کی احادیث کے حوالے سے میری تخریجات کو طعن وتشنیع کا نشانہ بنایا ہے اور اس نے مصنف کے حدیث نور والے حصے کی طباعت کو ڈنمارک کے سرکشوں کی طرف سے بارگاہ رسالت میں گستاخی کے ساتھ جوڑا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس بدگمانی کو ملاحظہ کرنے والا سخت تعجب کا شکار ہوتا ہے، قارئین کرام اس معترض سے پوچھیں مصنف عبدالرزاق کے گم شدہ حصے کی طباعت اور ڈنمارک کے سرکشوں کی بدتمیزی میں کیا چیز مشترک ہے؟ اسے کوئی علمی جواب نہیں سوجھے گا سوائے اس کے کہ وہ ہمارے عمل کو بے ہودہ

اور فساد سمجھتا ہوا یسے میں راقم اسے اللہ تعالیٰ کا وہ فرمان ہی سنا سکتا ہے جو رب کریم نے ان کفار کے رد میں ارشاد فرمایا جو سخت انکار کرنے والے تھے اور کائنات کی تخلیق کو بے فائدہ اور بے مقصد سمجھتے تھے، اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وما خلقنا السمٰوٰتِ والارض وما بینھما لاعبین ۔وما خلقنا ھما الا بالحق ولکن اکثرھم لا یعلمون۔(سورۃ الدخان:۴۴۔۳۸۔۳۹)

ہم نے آسمانوں اور زمینوں اور ان کے درمیان کی مخلوق کو کھیلتے ہوئے پیدا نہیں کیا ہم نے انہیں حق ہی کے ساتھ پیدا کیا ہے لیکن ان کے اکثر افراد نہیں جانتے۔

نیز اللہ تعالیٰ کا ایک اور ارشاد گرامی ہے:

ھٰذا کتابنا ینطق علیکم بالحق ۔(سورۃ الجاثیۃ:۴۵۔۲۹)

ہماری یہ کتاب تمہارے بارے میں سچ کہتی ہے۔

قارئین کرام! دیکھیے معترض اپنے علاوہ دیگر مسلمانوں کو کیسے حقارت اور استہزاء کے ساتھ دیکھتا ہے؟ نیز اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کس قدر جرأت و بے باکی کا مظاہرہ کرتا ہے، جب ہم نے حضور نبیٔ اکرم ﷺ کے مرتبہ ومقام کو نمایاں کرنے اور جو کچھ آپ کی شان میں لکھا گیا ہے اسے تلاش کرکے چھاپنے کی کوشش کی ہے تاکہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اور زیادہ محبت کریں اور آپ کی تعظیم وتوقیر کریں تو معترض نے ہماری طرف سے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم وتوقیر کو انسانیت اور دین کے دشمنوں کے ہاتھوں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی توہین کے برابر قرار دے دیا ہے گویا کہ معترض اپنے مسلمان مخالفین کو کفار اور ملحدوں کے برابر قرار دے رہا ہے اور اس سے ایسی بات کوئی تعجب خیز نہیں کیوں کہ کوئی چیز بھی اپنے منبع کے اعتبار سے تعجب خیز نہیں ہوتی معترض اور اس کے مکتب فکر کے لوگ اپنے علاوہ دیگر مسلمانوں کو یہود ونصاری سے زیادہ بڑا کافر سمجھتے ہیں چنانچہ عبداللطیف آل شیخ اور الشیخ ابراہیم عبداللطیف آل شیخ (محمد بن عبدالوہاب کی اولاد) نے اپنی کتاب "اجماع اھل السنۃ النبویۃ" دبئی، ابوظہبی اور ساحل عمان کے باشندوں کو معطلہ اور جہمیہ کا نام دے کر کافر قرار دیا ہے۔

معترض کا یہ طرز عمل اپنی جگہ لیکن اس پر اللہ تعالیٰ کا درج ذیل فرمان صادق آتا ہے:

وَمَنۡ یُّرِدِ اللّٰہُ فِتۡنَتَہٗ فَلَنۡ تَمۡلِکَ لَہٗ مِنَ اللّٰہِ شَیۡئًا ؕ اُولٰٓئِکَ الَّذِیۡنَ لَمۡ یُرِدِ اللّٰہُ اَنۡ یُّطَہِّرَ

قُلُوبَهُمْ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَّلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿۴۱﴾(سورۃ المائدہ:۵۰۔۴۱)

اور جسے اللہ گمراہ کرنا چاہے تو (اے سننے والے) تُو اس کے لیے کسی چیز کا مالک نہیں (اسے بچا نہیں سکتا) یہ وہ لوگ ہیں کہ اللہ نے ان کے دلوں کو پاک کرنے کا ارادہ نہیں فرمایا، ان کے لیے دنیا میں رسوائی ہے اور آخرت میں بڑا عذاب ہے۔

رہا معترض کا میری تخریجات پر اعتراض تو عرض یہ ہے کہ میری تخریجات علم حدیث کے معروف اصولوں پر مبنی ہیں اور ان تخریجات کا انکار فقط جاہل اور احمق ہی کرسکتا ہے جس پر عربی کی ضرب المثل صادق آتی ہو: "لیس ھٰذا عشك فادرجی" (یہ تمہارا گھونسلا نہیں ہے تو اس میں گھس جا)

سولہواں اشکال:

سید ادیب کمدانی کی وہ گواہی جسے معترضین نے میرے خلاف دلیل بنایا ہے۔ تو اس کا جواب کچھ یوں ہے ادیب کمدانی نے معترضین کا رد کیا ہے اور ہمارے بارے میں معترضین کے باطل گمان کی درج ذیل عنوان سے ایک رسالہ لکھ کر وضاحت کی ہے "براءۃ الشیخ عیسیٰ بن مانع ومحمود سعید مما نسب الیھما" (الشیخ عیسیٰ بن مانع اور محمود سعید ممدوح کی طرف منسوب کیے گئے الزامات سے ان کی براءت) اور میں نے یہ مقالہ انٹرنیٹ پر "ملتقی اھل العلم" کی سائٹ پر نشر کردیا ہے، قارئین اسے وہاں ملاحظہ فرمالیں اور میں جناب ادیب کمدانی سے امید رکھتا ہوں کہ وہ تمہارے پیچھے سوچے سمجھے بغیر اندھا دھند نہ چلیں اور ہمارے درمیان جو محبت ہے اس کی حفاظت فرمائیں۔

سترہواں اشکال:

معترض کا یہ گمان کہ مخطوطے کو نقل کرنے والا پختہ کار نہیں۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ ایک نسبتی مسئلہ ہے اور اس میں جعل سازی کا کوئی دخل نہیں، بعض اوقات قرآن پاک بھی کسی پختہ کار اور ناپختہ کے ہاتھوں چلا جاتا ہے اور اس کاتب کی تحریر کے صحیح ہونے یا نہ ہونے میں کوئی دخل نہیں ہوتا، جناب معترض آپ کا ''الجزء المفقود'' کے کاتب پر یہ کہتے ہوئے تحریف کی تہمت لگانا کہ ''کاتب ناپختہ کا ہے'' واضح ظلم ہے اور ناپسندیدہ جلد بازی ہے، کتاب کا مؤلف، کاتب اور محقق خطا سے معصوم نہیں ہوتا، امام شافعی فرماتے ہیں: میں نے جو بھی کتاب لکھی اس میں کوئی نہ کوئی غلطی پائی تب اس کی اصلاح کردی، اللہ تبارک وتعالیٰ کا فیصلہ ہے کہ ''فقط اسی کی کتاب غلطیوں سے

پاک ہوگی''

اور اگر کتاب کے ناقل اور کتابت کرنے والے سے کوئی غلطی ہوجائے تو ایسا ممکن ہے اور یہ کوئی محال بھی نہیں ہے لیکن ہمیں کتاب اور اس کے مضمون کو مجموعی طور پر لینا چاہیے۔

اٹھارہواں اشکال:

رہا معترض کا غماری حضرات کی طرف سے ولی کامل اور مجدد وقت حضرت محیی الدین ابن عربی الحاتمی قدس سرہ کی توثیق پر اعتراض، تو اس کا جواب یہ ہے کہ معترض کا غماری حضرات کی طرف سے شیخ اکبر محی الدین کی توثیق پر اعتراض کوئی حیثیت نہیں رکھتا، ہمارے غماری اساتذہ جلیل القدر علماء ہیں وہ کوئی بات بغیر دلیل کے نہیں کہتے اور وہ حضرات معترض کی طرح ایسی کوئی بات نہیں کہتے جسے وہ جانتے نہیں قارئین کرام آپ کو علم ہوگا کہ شیخ اکبر محی الدین رحمہ اللہ تعالیٰ اس بات سے بہت بالا ہیں کہ انہیں جرح وتعدیل کے مقام پر ذکر کیا جائے کیوں کہ بہت بلند مرتبہ شخصیت اور علمی شہرت کے مالک ہیں اور اہل تحقیق کے آپ کے بلند مرتبہ اور راسخ قدم ہونے پر اجماع ہے اور آپ یہ بات اہل علم کے اقوال کی روشنی میں جان لیں گے اور میں یہ بات وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ معترض اور اس کے ہم خیال لوگوں کو میزان اعتدال میں امام ذہبی اور امام ابن حجر عسقلانی کے اس طرز عمل کی وجہ سے غلط فہمی ہوئی ہے کہ ان دونوں نے امام اکبر شیخ محی الدین وغیرہ کو ایسے لوگوں میں شمار کیا ہے جو اہل روایت میں سے نہیں ہیں اور ان دونوں نے اپنی کتابیں اہل روایت کے لیے لکھی ہیں جیسا کہ ''میزان الاعتدال'' کے مقدمہ میں تحریر ہے امام سبکی نے امام ذہبی اور امام ابن حجر کے طرز عمل کو تنقید کا نشانہ بنایا ہے اور ہمارے استاذ خاتمۃ المحققین علامہ عبدالعزیز بن الصدیق بھی اپنی کتاب ''السوانح'' (خ ل ۹۵ ؍ ب) میں امام سبکی کی راہ پر چلے ہیں۔ قارئین کرام! آپ عنقریب امام ذہبی اور امام ابن حجر کی مذکورہ بالا رائے سے ہٹ کر ان دونوں کی ایک رائے ان کی مذکورہ بالا دونوں کتابوں کے علاوہ دیگر کتابوں کی روشنی میں ملاحظہ فرمائیں گے۔

امام ذہبی نے اپنی کتاب "سیر اعلام النبلاء" میں شیخ محی الدین ابن العربی کے حالات میں آپ پر جرح کرتے ہوئے عزالدین بن عبدالسلام کا وہ قول نقل کیا ہے جسے انہوں نے ابن دقیق العید سے روایت کیا۔

یہ کلام درستی سے خالی اور مردود ہے اور یہ قول اہل تحقیق کے مطابق درست نہیں بلکہ عزالدین بن عبد السلام کا شیخ اکبر کی تعریف میں رطب اللسان ہونا درست ہے اور اس بات کا "العقد الثمین" "نفح الطیب اور "شذرات الذھب" کی امام کے مقالے سے متعلق عبارات سے پتہ چلتا ہے۔

اس سلسلہ میں اہل علم کے اقوال پیش خدمت ہیں:

(۱)۔ امام ذہبی نے شیخ اکبر شیخ ابن العربی کی توثیق اور تائید ان الفاظ میں کی ہے: میری ان کے بارے میں رائے یہ ہے کہ ان کا ایسے اولیاء اللہ میں سے ہونا ممکن ہے جن کو اللہ تعالیٰ کی رحمت نے موت کے وقت اپنی طرف کھینچ لیا ہو اور ان کا خاتمہ بالخیر ہوا ہو۔ (المیزان: ۳۔ ۶۶۰)

(۲)۔ امام ذہبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا قول "تاریخ الاسلام" کے چونسٹھویں طبقہ میں ذکر ہوا۔ (ص: ۳۵۹۔ ۳۵۸) جس کی عبارت کچھ یوں ہے: ابن العربی کو کلام میں بہت وسعت، ذہانت، قوت حافظہ اور تصوف میں بہت گہرائی عطا ہوئی اور تصوف میں ان کی بہت سی تالیفات ہیں اگر ان کے کلام اور شاعری میں شطحات نہ ہوتے تو آپ کی بات پر سب کا اجماع ہوتا۔

(۳)۔ قارئین کرام! آپ دیکھیں گے کہ حافظ ابن حجر نے بھی "لسان المیزان" کی عبارت میں شیخ اکبر شیخ ابن العربی کی توثیق کی ہے، آپ نے شیخ اکبر کے حالات درج ذیل عبارت کے ساتھ ختم کیے: "مختصر یہ کہ آپ عظیم الشان شخصیت اور قوم کے سرداروں میں سے تھے آپ اسماء اور حروف کے علم میں پوری دسترس رکھتے تھے اور ان دونوں علوم میں آپ کی عجیب وغریب نگارشات اور عجیب اجتہادی آراء ہیں دیکھیں: (اللسان) ۶۔ ۴۵

قارئین کرام آپ کو معلوم ہوگا کہ شیخ اکبر کی تعظیم و توصیف کرنے والوں کی تعداد بہت زیادہ ہے ان میں درج ذیل حفاظ بھی ہیں: منذری، ابن الابار، ابن النجار، اور ابن مسدی، صلاح الدین علائی، ابن نقطہ، ابن زملکانی، یافعی، ابن العدیم، سبط الجوزی، صلاح الدین صفدی، سعدالدین حموی، ابن حجر ہیتمی (فتاویٰ حدیثیہ ص: ۳۳۵ میں) اور دیگر بہت سے اہل علم ہیں۔

یہ بات تحقیق سے ثابت ہوگئی ہے کہ شیخ عزالدین بن عبدالسلام بھی شیخ اکبر کی تعظیم و توقیر کرنے والوں میں سے ہیں، جیسے کہ شیخ اکبر کے بارے میں اہل علم کے ان اقوال سے ثابت ہوتا ہے جو حافظ جلال الدین سیوطی شافعی شاذلی رحمہ اللہ تعالیٰ کے رسالے "تنبیہ الغبی علی تنزیہ ابن عربی"

(ابن عربی کی براءت پر ناسمجھ کو تنبیہ) اور قاضی القضاۃ شیخ الاسلام مجد الدین محمد بن یعقوب بن محمد شیرازی، فیروز آبادی صدیقی (القاموس کے مصنف) نے اپنی تصنیف: "الاغتباط بمعالجة ابن الخیاط" (ابن خیاط کی اصلاح پر خوشی کا اظہار) آپ نے یہ کتاب سیدی الشیخ محی الدین ابن عربی طائی قدس اللہ سرہ العزیز کی طرف سے منسوب کتابوں کے بارے میں کیے گئے درج ذیل سوال کے جواب میں تحریر فرمائی۔

علمائے دین، اللہ تعالیٰ ان کے ذریعے بکھرے ہوئے مسلمانوں کو جمعیت اور دین کو تقویت عطا فرمائے شیخ محی الدین ابن عربی کی طرف منسوب کتابوں "فتوحات مکیہ" اور "فصوص الحکم" کے بارے میں کیا فرماتے ہیں؟ کیا ان کتابوں کا پڑھنا پڑھانا اور مطالعہ کرنا جائز ہے یا نہیں؟ ہمیں اجر و ثواب والا فتوٰی اور جواب دیجیے تاکہ آپ اللہ کریم سے بہترین ثواب حاصل کر سکیں اور تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں۔

اس سوال کے جواب میں علامہ فیروز آبادی نے درج ذیل کلمات تحریر فرمائے: "تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں، اے اللہ! ہمیں وہ بات کہنے کی توفیق عطا فرما جس میں تیری رضا ہو حضرت شیخ اکبر کے بارے میں میری رائے جس کے ساتھ میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتا ہوں یہ ہے کہ آپ اپنے حال اور علم کے اعتبار سے پیر طریقت، واقعی امام حقیقت اور معارف کو اپنے عمل اور نام کے اعتبار سے زندہ کرنے والے تھے۔

اِذَا تَغَلْغَلَ فکرُ المرءِ فی طرفٍ مِنْ بحرہ غرِقَتْ فِیہِ خَوَاطِرُہٗ

جب آدمی کی سوچ اس ہستی کے سمندر کے ایک کنارہ میں غوطہ لگائے گی تو اس کے خیالات اس میں ڈوب جائیں گے۔

وہ پانی ایسا عظیم ذخیرہ ہے جسے ڈول گدلا نہیں کر سکتے وہ ایسا بادل ہے جو بارشوں کے برسانے سے قاصر نہیں ہے ان کی دعائیں ساتوں آسمانوں کو طے کر جاتی تھیں ان کی برکتیں پھیلتی تھیں اور پورے جہاں کو بھر لیتی تھیں میں ان کا وصف بیان کر رہا ہوں اور وہ یقیناً میرے بیان سے کہیں اونچے ہیں اور جو کچھ میں نے لکھا ہے وہ زبان سے بھی کہتا ہوں اور میرا غالب گمان یہ ہے کہ میں نے ان سے انصاف نہیں کیا۔

وَمَا عَلَيَّ إِذَا مَا قُلْتُ مُعْتَقَدِيْ	دَعِ الْجُهُوْلَ يَظُنُّ الْجَهْلَ عُدْ وَانًا
واللہ تاللہ باللہ العظیم ومن	اقامہ حجۃً للہ برھانًا
اِنَ الذی قلتُ بعضٌ مناقبہ	ما زدت اِلا لَعَلِّیْ زِدْتُ نُقْصَانًا

۔۔۔جب میں اپنا عقیدہ بیان کروں تو اس کا مجھ پر کوئی گناہ نہیں ہے۔ جاہل کو چھوڑ دے کہ وہ جہالت کو دشمن گمان کرتا ہے۔

۔۔۔اللہ کی قسم! خالق یکتا کی قسم! رب عظیم کی قسم! اور اس ذات اقدس کے خالق و مالک کی قسم! جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنی حجت اور دلیل بنایا۔

۔۔۔جو کچھ میں نے کہا ہے وہ شیخ کے کچھ فضائل ومناقب ہیں غالبًا میں نے ان کے فضائل ومناقب میں کچھ اضافہ نہیں کیا بلکہ کچھ کمی ہی کی ہے۔

جہاں تک ان کی تصانیف کا تعلق ہے تو وہ ٹھاٹھیں مارتا سمندر ہیں جن کے موتیوں اور کثرت کی بنا پر نہ تو ان کا پہلا کنارہ معلوم ہوتا ہے اور نہ آخری کنارہ مصنفین نے ایسی کتابیں تصنیف نہیں کیں، اللہ تعالیٰ نے ان کا مرتبہ جاننے کے لیے ان لوگوں کو مخصوص کیا ہے جو اس علم کے اہل ہیں۔

ان کتابوں کی خصوصیت یہ ہے کہ جو شخص انہیں مسلسل دیکھتا اور ان کا مطالعہ کرتا رہے، ان کے مطالب میں غور کرتا رہے، اس کا سینہ، مشکلات کے حل اور دشواریوں کو دور کرنے کے لیے کھل جاتا ہے، اور یہ مقام صرف ان لوگوں کو نصیب ہوتا ہے جن کو اللہ تعالیٰ لدنی اور ربانی علوم کے لیے مخصوص فرمالیتا ہے۔

شیخ اکبر نے بادشاہِ معظم کے لیے جو اجازت تحریر کی تھی وہ میں نے دیکھی ہے، اس کے آخر میں لکھا ہے کہ میں نے اسے اجازت دی کہ وہ مجھ سے میری تصانیف کی روایت کرے ان میں سے فلاں فلاں کتابیں ہیں یہاں تک کہ چار سو سے زیادہ تصانیف گنوائیں، ان میں سے ایک تفسیر کبیر ہے جس میں وہ سورۂ کہف کی اس آیت وَعَلَّمْنَاهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا (ہم نے انہیں اپنی جناب سے علم عطا کیا تھا) تک پہونچے تھے اور مکمل کیے بغیر دنیا سے رحلت فرما گئے۔

یہ تفسیر عظیم کتاب ہے، ہر جلد بحر بے کراں ہے اور اس میں کوئی عجیب بات بھی نہیں ہے کیوں کہ وہ ولایت عظمی اور صدیقیت کبری کے مقام پر فائز تھے یہی ہمارا عقیدہ ہے اور ہم اسی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی

فرماں برداری کرتے ہیں (نفح الطیب ۲۔۱۶۷۔۱۷۷،شذرات الذہب ۷۔۱۳۳۱)

اس کی تفسیر بیان کی جائے تو گفتگو طویل ہو جائے گی اور ہم مقام اختصار سے نکل جائیں گے مختصر یہ کہ وہ ہمارے نزدیک ثقہ ہیں اور جس نے ان کے بارے میں کلام کیا ہے وہ اس کی ذاتی رائے ہے اللہ تعالیٰ اس کے معاملے کو اپنی نگرانی میں لے وہ ہمارے مشائخ اور ہماری نظر میں ثقہ ہیں۔ بے شک وہ ظاہر حجت اور روشن آیت تھے پھر اگر کوئی شخص اپنی رائے سے ان پر جرح کرتا ہے تو ہم اصل کا اعتبار کریں گے ان کے علوم کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر الگ ہے ان دو باتوں کے ساتھ ہم ان ائمہ کی گواہیوں کو شامل کرتے ہیں جو شیخ اکبر کا احترام کرتے ہیں اور ان میں بہت سے ائمہ، حفاظ اور فقہاء ہیں، ہم اس نتیجہ پر پہونچے ہیں کہ وہ نہ صرف باوثوق شخصیت ہیں بلکہ ان کا مقام اس بات سے بلند ہے کہ ان کی توثیق کی جائے رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

یہ وہ اہم اعتراضات تھے جو مخالفین نے اٹھائے تھے اور میں نے کسی تکلف کے بغیر ان کا جواب دے دیا ہے۔

اب ہر محقق اور حقیقت کے طلب گار کو اختیار ہے کہ میں نے مصنف عبدالرزاق کا جو حصہ طبع کیا ہے اس پر وہ مطمئن ہے اور وہ اس کی تائید کرتا ہے تو اس کی مرضی اور جو شخص اس کی مخالفت کرتا ہے تو یہ اس کی رائے ہے میں کسی شخص کو اس بات پر مجبور نہیں کرتا کہ جس چیز کو میں درست سمجھتا ہوں وہ بھی اسے ضرور صحیح تسلیم کرے اگر چہ اس کے نزدیک وہ درست نہ ہی ہو۔

گفتگو ختم کرنے سے پہلے میں اس بات کا اظہار کر دینا چاہتا ہوں کہ میں نے حق وصواب کو حاصل کرنے کی پوری کوشش کی ہے اور ہر کوشش کرنے والے کو ایک حصہ ملتا ہے اگر اس نے اجتہاد کیا اور خطا کی تو اسے ایک ثواب ملے گا اور جس نے اجتہاد کیا اور صواب کو پالیا تو اس کے لیے دو ثواب ہیں۔

اللہ بلند و برتر قادر و قیوم کی بارگاہ میں میری دعا ہے کہ ہمیں حق وصواب تک پہونچنے کی توفیق عطا فرمائے یہ بھی عرض کر دوں کہ میں ''جزءمفقود'' کے دوسرے گم شدہ حصوں تک پہونچنے کے لیے بھی بھر پور کوشش کر رہا ہوں اور امید ہے کہ اللہ تعالیٰ نے چاہا تو مجھے اس سلسلے میں کامیابی حاصل ہوگی۔

قارئین کرام! یہ نسخہ جو میں نے پیش کیا ہے اس کی ضرورت تھی اور اسلامی لائبریریوں کے لیے یہ سرمایہ کی حیثیث رکھتا ہے میرے نزدیک اس کی حیثیت اس حدیث ضعیف والی ہے جب کسی باب میں

اس کے علاوہ حدیث دست یاب نہ ہو جیسے کہ ہم نے مقدمہ میں بیان کیا ہے معترضین نے غور وفکر اور تامل کے بغیر جلد بازی کرتے ہوئے جو اسے موضوع اور جعلی قرار دیا ہے اب تک یہ بات میرے نزدیک ثابت نہیں ہو سکی یہ ان مسائل میں سے ہے جن کا انکار محض ظن وتخمین کی بنیاد پر نہیں کر دینا چاہیے بلکہ یاد کرنے والا شخص اس شخص پر حجت ہے جس نے یاد نہیں رکھا ظنی مباحث اور مسائل میں کافر، گمراہ، بدعتی اور جھوٹا قرار دینے میں جلد بازی کرنا ظلم عظیم ہے۔

قارئین کرام! میں نے آپ کے سامنے واضح کر دیا ہے کہ معترض نے اعتراضات کی گرد اُڑانے میں لاحاصل سعی کی ہے اگر میرے نزدیک علمی طریقے سے ثابت ہو جاتا کہ جزءمفقود جس کی میں نے تحقیق کی ہے اس کی نسبت امام عبدالرزاق کی طرف صحیح نہیں ہے تو میں سب سے پہلے اس سے براءت کا اعلان کرتا ہوں اس جواب کے لکھنے سے میرا مقصد محاذ آرائی جھگڑا اور طعن وتشنیع نہیں ہے، دشمنی اور عداوت کا بکھیرنا بھی مقصد نہیں ہے، میرا مقصد اپنی استطاعت کے مطابق صرف اصلاح ہے اللہ بلند وبرتر ہی مجھے توفیق دینے والا ہے وہی میرے لیے کافی اور بہترین مددگار ہے۔

میں ہر اس شخص کا شکریہ ادا کروں گا جو علمی تنقید کرے اور مجھے فوائد سے نوازے ہم میں سے ہر ایک حق کا طالب ہے اور حقیقت کا متلاشی ہے اور میں اس گالی گلوچ، سینہ زوری اور جمود پسندی کو پسِ پشت ڈال دوں گا جسے ابن رجب حنبلی نے ''وثنیۃ فکریۃ'' (فکری بت پرستی) قرار دیا ہے۔

گفتگو کے نتائج کا خلاصہ

(۱)۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں جھوٹ بولنا عظیم ترین گناہوں میں سے ہے علما نے بیان کیا ہے کہ جس چیز کی تھوڑی بہت صحت کی گنجائش ہو اس کی نفی کر دینا حرام ہے اسی طرح جس چیز میں تھوڑا سا جھوٹ بھی ہو اسے صحیح قرار دینا بھی حرام ہے اس لیے میرے لیے یا کسی بھی دوسرے شخص کے لیے جائز نہیں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں جھوٹ بولے اسی طرح قاعدہ تو یہ ہے کہ ہمارا موقف صحیح ہے اس میں خطا کا احتمال ہے اور دوسرے شخص کا موقف خطا ہے اس میں درستی کا احتمال ہے معترض کے لیے جائز نہیں کہ اس قاعدے کو چھوڑ دے اور احتیاط کو بھی خیرآباد کہہ دے اور محض اپنے عقیدے کی حمایت کے لیے اپنے بھائیوں پر بڑے بڑے فتوے لگائے۔

(۲)۔ معترض نے مجھ پر اور ڈاکٹر محمود سعید ممدوح پر یہ تہمت لگائی ہے کہ ہم نے ''جزءمفقود''

جعلی طور پر تیار کی ہے حالاں کہ یہ بات باطل ہے ہمیں کمزور ایمان والے شخص سے بھی ایسی بات کی توقع نہیں تھی چہ جائے کہ جسے حدیث شریف کے عالم ہونے کا دعویٰ ہو، پھر معترض نے خود اپنی ہی مخالفت کرتے ہوئے ہم سے جعل سازی کی نفی کر دی حالاں کہ بات صرف اتنی ہے کہ جسے ہم اس سے پہلے بیان کر چکے ہیں کہ یہ نسخہ افغانستان سے ہمارے پاس لایا گیا ہم نے اسے منظرِ عام پر لانے کی کوشش کی تو یہ صرف علم کا اظہار تھا اور اسلامی لائبریریوں کو ''جزء مفقود'' کی احادیث کی ضرورت تھی۔

(۳)۔ علمی معیاروں کے مطابق ''جزء مفقود'' کی نسبت کو ثابت کرنا ایسے ہی ہے جیسے کسی نادر نسخے کی نسبت ثابت کی جائے اور ہمارے علمی ورثہ میں اس کی بہت سی مثالیں موجود ہیں اور جیسے کہ میں نے اس سے پہلے ذکر کیا ہے کہ میرے نزدیک اس کی حیثیت وہ ہے جو اس حدیث ضعیف کی ہے جب کسی باب میں اس کے علاوہ کوئی حدیث نہ پائی جائے قارئین اس میں سے جس حصّے پر مطمئن ہوں اسے لے لیں اور جس سے مطمئن نہ ہوں اسے چھوڑ دیں۔

(۴)۔ اگر میرے نزدیک علمی پیمانوں کے مطابق اس نسخے کا ناقابلِ اعتبار ہونا ثابت ہو جاتا تو میں ایک لمحہ کے لیے بھی اس حقیقت کے بیان کرنے میں تردد سے کام نہ لیتا، اس لیے کہ سند دین کی ایک اہم کڑی اور علمِ یقین کا نام ہے۔

(۵)۔ معترض نے جتنے اعتراضات کا غبار اڑایا ہے سب محلِ نظر و تاویل ہیں، جیسے کہ میں نے اس سے پہلے بیان کیا، ان سے ہمارے تحقیق شدہ نسخے کا درجۂ اعتبار سے ساقط ہونا ثابت نہیں ہوتا کیوں کہ اسے مردود قرار دینے کا قول اسے ثابت کرنے کے قول سے کم خطرناک نہیں، ثابت کرنا راجح ہے، کیوں کہ نفی کے پلڑے میں رد کے شواہد موجود نہیں ہیں۔

(٦)۔ میں نے اپنی تحقیق میں ''جزء مفقود'' کے محققہ نسخے میں اس سند کی طرف توجہ نہیں کی جس کی ائمہ نے اپنی کتابوں میں تخریج کی ہے، یہ ایسی شرط ہے جس کی طرف میں نے تحقیق کے مقدمے میں اشارہ کیا ہے، پھر کیا وجہ ہے کہ میں نے جو شرط تحریر کر دی ہے معترض اس سے تجاہل کا رویہ اختیار کرتا ہے؟ اور تنقید کے اصولوں کی پابندی کیے بغیر مسئلے کو ہوّا بنا کر کیوں پیش کرتا ہے؟ یہ ایسا مسئلہ ہے جس سے ایک نقاد تو کیا ایک طالب علم بھی بے خبر نہیں ہو سکتا۔

(۷)۔ میں اپنے معترض کو نصیحت کرتا ہوں کہ وہ اہلِ علم کے لہجے میں بات کرے، گالی گلوچ سے کام نہ لے کیوں کہ مومن، مومن کا بھائی ہے نہ تو وہ اپنے بھائی پر ظلم کرتا ہے اور نہ ہی اسے ظالم کے سپرد

کرتا ہے اور میری اس سے گزارش ہے کہ اگر اسے محسوس ہوا ہو کہ اس کے اعتراضات کا جواب دیتے ہوئے بعض عبارات میں شدت آ گئی ہے تو وہ عفو و درگزر سے کام لے، میرا مقصد معترض کی اہانت کرنا نہیں تھا لیکن بعض مقامات پر سختی کی ضرورت تھی۔

(۸)۔ میں قارئین سے امید کرتا ہوں کہ اگر انہیں (مصنف کے نو دریافت مخطوطے کے) مطبوعہ نسخے میں غلطیاں ملی ہوں یا بعض عبارات کی مزید تحقیق باقی ہو تو وہ مجھے معاف فرمائیں گے اور ایسا میری مصروفیات اور بشریت کے باعث ہوا، کیوں کہ انسان غلطی کے معاملے میں معصوم نہیں، اسی بناء پر ہماری تحقیق کے ساتھ طبع ہونے والے نسخے میں کچھ کوتاہیاں رہ گئی تھیں، ہم نے اس مطبوعہ نسخے کے ساتھ غلطیوں اور ان کی درستی کی فہرست شامل کر دی ہے، قارئین کرام انتظار فرمائیں۔

(۹)۔ معترضین نے شدت کے ساتھ جن خیالات کا اظہار کیا میں اس پر ان کا شکر گزار ہوں، کیوں کہ انہوں نے مجھے بحث اور تحقیق پر مجبور کیا، یوں میں نے تحقیق اور جستجو کی غرض سے کئی دن کتابوں کے درمیان گزارے اور اللہ تعالیٰ نے مجھے حدیث رسول ﷺ کا دفاع کرنے کی توفیق عطا فرمائی اور اللہ تعالیٰ ہی بھلائی کی توفیق بخشنے والا ہے۔

(۱۰) ہم نے اس ملک کی طرف کچھ عادل لوگوں کو بھیجا ہے جہاں سے مخطوطہ دستیاب ہوا ہے اور میں نے نسخہ لانے والے سے بذات خود ملاقات کی ہے اور اس سے مخطوطہ کے حصول کے بارے میں اسی کے قلم سے بیان بھی تحریر کروایا ہے (اور یہ بیان الجزء المفقود) کے اگلے ایڈیشن کے ساتھ شائع ہوگا اور اس بیان کے ساتھ اس نسخہ کے بارے میں افغان علما کی آراء پر مشتمل رپورٹ شامل ہوگی) اور میں نے کچھ لوگوں کو نسخہ کے بارے میں مزید تحقیق کے لیے افغانستان بھیجا ہے اور میں علمی دیانتداری کے نکتۂ نظر سے ساری معلومات ویب سائٹ کے ذریعے نشر کروں گا۔

اور میں اپنا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتا ہوں، یقیناً اللہ تعالیٰ بندوں کے معاملات پر خوب اچھی طرح مطلع ہے اور ہمارا آخری دعوٰی یہی ہے کہ تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔

DARUL-ULOOM FAIZAIN-E-TAJUSHSHARIYA

Air Force Gate, Shikarpur Chaudhri, Izzat Nagar, Bareilly Shareef (U.P.)- 243122 (M) 9457919474



Redg. No. 44504

E-mail: faizanetajushshariya@gmail.com

دار العلوم فیضانِ تاج الشریعہ

شکار پور چودھری عزت نگر بریلی شریف

www.faizanetajushshariya.com

مکرمی .... سلام مسنون

آپ کو یہ جان کر بے حد خوشی ہوگی کہ شہر بریلی شریف میں کوئی ایسا ادارہ نہیں تھا کہ جہاں اکیڈمک طرز پر بچوں کی تعلیم وتربیت کا انتظام ہو اور اسکول وکالج وغیرہ کے طلبہ کو بھی دینی تعلیم سے آراستہ کیا جائے۔ اسی ضرورت دینی کو محسوس کرتے ہوئے ایک عظیم ادارہ ''**دار العلوم فیضان تاج الشریعہ**'' کے نام سے قائم کیا، جس کا تعمیری کام جاری ہے، اب تک اس کے پانچ کمروں کی دیواریں وغیرہ مکمل ہوچکی ہیں لنٹر پڑنا باقی ہے، جس کی لمبائی وچوڑائی 2625 اسکوائر فٹ ہے۔

کمروں اور برآمدہ کے لنٹر اور لائٹ فٹنگ وغیرہ کا خرچ تقریبا ساڑھے چھ لاکھ (650000) روپئے ہے۔ لہذا آپ سے گزارش ہے کہ دین وسنیت کی خدمت کے لیے اس ادارہ کا ضرور تعاون فرمائیں تاکہ نئی نسل کو دینی واسلامی تعلیم سے آراستہ وپیراستہ کیا جاسکے۔ اگر آپ چاہیں تو اپنی استطاعت کے مطابق میٹریئل مثلا ریتا، بجری، سریا، سیمنٹ وغیرہ کو خود خرید کر بھیج سکتے ہیں۔

Cheque and Draft in favour

ALMAKTABUNNUR WELFARE SOCIETY

Bank Name :Bank of Baroda A/c No. 23550200007075

IFSC Code:BARBODAURAG

محمد راحت خاں قادری غفرلہ القوی

بانی وناظم اعلی، دار العلوم فیضان تاج الشریعہ، بریلی شریف